

خواہشیں!

احادیث اہلبیتؑ کی روشنی میں

آیۃ اللہ محمد مہدی آصفی

مترجم: سید کمیل اصغر زیدی

مجمع جهانی اہل بیت علیہ السلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

”شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا حم کرنے والا مہربان ہے“

قال رسول الله ﷺ : ”انی تارک فیکم الشقلین،
 کتاب اللہ، وعترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما
 لن تضلوا ابدا وانهما لن یفترقا حتی یردا علی
 الحوض“.

حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہارے درمیان
 دو گرفتار چیزیں چھوڑے جاتا ہوں: (ایک) کتاب خدا اور
 (دوسری) میری عترت اہل بیت (علیہم السلام)، اگر تم انھیں
 اختیار کئے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے
 سیاں تک کہ حوض کو شرپ میرے پاس پہنچیں“۔

(صحیح مسلم: ۱۲۲/۷، سنن داری: ۲۳۲/۲، مسند احمد: ۱۲۳، ۱۷، ۵۹، ۲۹، ۱۰۹، ۳۶۲/۳، ۳۷۸، ۵۳۳، ۱۸۹، ۱۸۷/۵، ۳۷۸، ۱۰۹، ۳۶۲/۳
 وغیرہ)

خواہشیں!

احادیث اہل بیتؐ کی روشنی میں

خانہ فرهنگ جمہوری اسلامی ایران کراچی

شماره دیوی:
شماره ثبت:
تاریخ ثبت:

خواہشیں!

احادیث اہل بیتؐ کی روشنی میں

آیت اللہ شیخ محمد مهدی آصفی مدظلہ

مترجم: سید کمیل اصغر زیدی

جمع جهانی اہل بیت



كتاب کا نام:	خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں
مصنف:	آیۃ اللہ شیخ محمد مہدی آصفی مدظلہ
مترجم:	سید کمال اصغر زیدی
صحیح:	سید منظہ صادق زیدی
نظر ثانی:	سید احتشام عباس زیدی
پیشکش:	معاونت فرمانگی ادارہ ترجمہ
ناشر:	مجمع جهانی اہلیت
کپوزنگ:	سید حسن اصغر نقوی
طبع اول:	۱۴۲۶ھ ۲۰۰۵ء
تعداد:	۳۰۰۰
پرنس:	لیلا

ISBN:964-529-067-8

www.ahl-ul-bayt.org

Info@ahl-ul-bayt.org

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَامِ خَدَائِي رَحْمَانِ وَرَحِيمٍ

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ☆ مَلِكِ النَّاسِ ☆

اے رسول کہہ دیجئے کہ میں انسانوں کے پروردگار کی پناہ چاہتا ہوں جو تمام لوگوں کا مالک و باادشاہ

إِلَهُ النَّاسِ ☆ مِنْ شَرِّ الْوَسُوَاسِ الْخَنَّاسِ ☆ الَّذِي

اور سارے انسانوں کا معبود ہے شیطانی وسوس کے شر سے جو نام خداون کر پیچھے ہٹ جاتا ہے

يُوْسُوسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ☆ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ☆

اور جو لوگوں کے دلوں میں وہ سے پیدا کرتا ہے وہ جہات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

فہرست

۱۹	حرف اول
۲۳	مقدمة مؤلف
۲۵	حدیث قدسی

پہلی فصل

۳۱	ہوئی "خواہش" قرآن و حدیث کی روشنی میں
۳۲	بنیادی حرکات
۳۳	ہوئی کے خصوصیات
۳۴	۱۔ چاہت میں شدت
۳۷	۲۔ خواہشات میں تحرک کی قوت
۳۸	۳۔ خواہشات اور لائق کی بیماری
۴۰	خواہشات پر عقل کی حکومت
۴۲	انسان عقل اور خواہش کا مجموعہ
۴۳	خواہشات کی شدت اور کمزوری
۴۷	انسانی زندگی میں خواہشات کا ثابت کردار

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں
۳۸۔	۱۔ انسانی زندگی کا سب سے طاقتور محکم
۲۹۔	۲۔ خواہشات ترقی کا زینہ
۵۶۔	عمل اور رد عمل کا سلسلہ
۶۰۔	خواہشات کا تجزیہ کردار
۶۰۔	خواہشات اور طاغوت
۶۲۔	عقل اور دین
۶۳۔	خواہشات کی تباہ کاریاں
۶۴۔	تباه کاری کے مراحل
۶۶۔	خواہشات کی تجزیہ کا رروائی کا پہلا مرحلہ
۶۶۔	۱۔ خواہشات قلب پر ہدایت کے دروازے بند کردیتے ہیں
۶۸۔	۲۔ خواہش گمراہی کا ذریعہ
۶۹۔	۳۔ خواہشات ایک مہلک زہر
۷۰۔	۴۔ خواہشات آفت اور بیماری
۷۰۔	۵۔ خواہشات آزمائشوں کی بنیاد
۷۰۔	۶۔ خواہشات فتوں کی چڑاگاہ
۷۱۔	۷۔ خواہشات ایک پستی
۷۲۔	۸۔ خواہشات موجب بلاکت
۷۲۔	۹۔ خواہشات انسان کی دشمن
۷۲۔	۱۰۔ عقل کی بر بادی
۷۳۔	خواہشات کی تباہ کاری کا دوسرا مرحلہ

خواہشات کا قیدی	۷۳
خواہشات کی قید قرآن و حدیث کی روشنی میں	۷۶
انسان اور خواہشات کی غلامی	۷۸
اللہ نے مجھی اسے نظر انداز کر دیا	۷۹
خواہشات کی تباہیاں قرآن مجید کی روشنی میں	۸۰
اے زمین کی جانب رغبت	۸۳
۲۔ آیات خدا سے محرومی	۸۳
۳۔ شیطان کا تسلط	۸۵
۴۔ حلال اور حرامی	۸۶
۵۔ لامجع	۸۶
خواہشات کا علاج	۸۷
ہوس کی تحریکی طاقت	۸۷
خواہشات کی بیرونی پروگر اور ان کی آزادی کے درمیان	۸۸
خواہشات کو قابو میں رکھنے کے لئے عقل کا کردار	۹۱
عقل اور دین	۹۲
عقل کے تین مرحلے	۹۵
۱۔ معرفت اور جدت آوری	۹۶
۲۔ اطاعت خدا	۹۹
۳۔ خواہشات کے مقابلہ کے لئے صبر و تحمل (خواہشات کا دفاع)	۱۰۲
عقل اور خواہشات کی تکمیل اور انسان کی آخری منزل کی نشاندہی	۱۰۵

۱۰۷	ضعف عقل و قوت ہوں
۱۰۸	عقل کے لشکر
۱۰۹	لشکر عقل سے متعلق روایات
۱۱۰	پہلی روایت
۱۱۱	دوسری روایت
۱۱۲	روایت کی خصصروضاحت
۱۱۳	عقل کامل کے فوائد اور اثرات
۱۱۴	حصصتیں
۱۱۵	عصموں کے بارے میں مزید گفتگو
۱۱۶	عصموں کی قسمیں
۱۱۷	خوف الہی
۱۱۸	خوف ایک پناہ گاہ
۱۱۹	چند واقعات
۱۲۰	حیاء
۱۲۱	اللہ تعالیٰ سے حیاء
۱۲۲	بارگاہ خدا میں قلت حماء کی شکایت

دوسرا فصل

ٹھوس شخصیت	۱۲۷
عمار بن یاسر	۱۲۸
کھوکھلا اور بے نکم انسان (شخصیت)	۱۲۹
ہوس کے عذاب	۱۳۰
دنیا پنے خواہش مند کے لئے ایک دبال جان	۱۳۱
خواہشات کی پیروی کے بعد انسان کی دوسری مصیبت	۱۳۲
دنیا انسان کا ایک سایہ	۱۳۳
روایت کی روشنی میں عذاب دنیا کے چند نمونے	۱۳۴
آخرت میں انسان کی سرگردانی و پریشان حالتی	۱۳۵
۱۔ اسکی دنیا کو اسکے لئے مزین کر دوں گا	۱۳۶
دنیا کا ظاہر اور باطن	۱۳۷
الف۔ دنیا کا باطنی چہرہ (اصل حقیقت)	۱۳۸
دنیا اور آخرت کا مقابلی جائزہ	۱۳۹
کلام امیر المؤمنین " میں دنیا کا تذکرہ	۱۴۰
ب۔ دنیا کا ظاہری رخ (روپ)	۱۴۱
دنیاوی زندگی کے ظاہر و باطن کا موازنہ	۱۴۲
دنیا کے بارے میں نگاہوں کے مختلف زاویے	۱۴۳
طرز نگاہ کا صحیح طریقہ کار	۱۴۴
نفس کے اوپر طرز نگاہ کے اثرات و نقوش	۱۴۵
محبت یا زہد دنیا	۱۴۶

۲۲۰	حب دنیا۔
۲۲۰	حب دنیا ہر برائی کا سرچشمہ۔
۲۲۱	حب دنیا کا نتیجہ کفر؟۔
۲۲۲	حب دنیا کے نفیاتی اور عملی آثار۔
۲۲۲	۱۔ طولانی آزو۔
۲۲۳	۲۔ دنیا پر اعتماد اور اطمینان۔
۲۲۵	۳۔ دنیاوی زندگی کو آخرت پر مقدم کرنا۔
۲۲۸	۴۔ آخرت کی نعمتوں کے لئے دنیا ہی میں عجلت پسندی۔
۲۲۹	زود گذر۔
۲۳۲	روايات۔
۲۳۲	روايات کا تجزیہ۔
۲۳۶	باطن میں نگاہ۔
۲۳۹	زہد۔
۲۵۳	زہد تمام نیکیوں کا سرچشمہ۔
۲۵۵	زہد کے آثار۔
۲۵۵	۱۔ آرزووں میں کی۔
۲۵۷	۲۔ دنیاوی تاثرات سے نجات و آزادی۔
۲۵۹	۳۔ دنیا پر عدم اعتماد۔
۲۶۳	دنیا ایک پل۔
۲۶۵	اسباب و نتائج کا رابطہ۔

زہد و بصیرت	۲۶۵
زہد و بصیرت کا رابطہ	۲۶۶
مذموم دنیا اور ممدوح دنیا	۲۶۹
الف۔ مذموم دنیا	۲۷۹
دنیا سے بچاؤ	۲۷۲
ب۔ ممدوح دنیا	۲۷۲
ا۔ دنیا آخرت تک پہنچانے والی	۲۷۳
۲۔ دنیا مومن کی سواری	۲۷۸
۳۔ دنیا صداقت اور اعتبار کا گھر ہے	۲۷۹
۴۔ دنیا دار عافیت	۲۷۹
۵۔ دنیا استغنا اور زادروہ حاصل کرنے کی جگہ ہے	۲۷۹
۶۔ دنیا موقعہ کا مقام ہے	۲۷۹
۷۔ دنیا محبان خدا کی مسجد ہے	۲۷۹
۸۔ دنیا اولیاء الہی کے لئے محل تجارت ہے	۲۷۹
۹۔ دنیا بازار ہے	۲۸۱
۱۰۔ دنیا آخرت کے لئے مددگار ہے	۲۸۱
۱۱۔ دنیا ذخیرہ ہے (خزانہ ہے)	۲۸۱
۱۲۔ دنیا دار انتقین ہے	۲۸۱
۱۳۔ دنیا کا حاصل آخرت	۲۸۲
ج۔ «واشفلت قلبہ بھائے» (اسکے دل کو اسی کا اولدادرہ بنادوں گا،	۲۸۳

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

جرم اور سزا کے درمیان بنا دلہ۔.....	۲۸۳
دنیاداری کے دورخیز بھی۔.....	۲۸۴
دل کے اوپر خدائی راستوں کی بندش کے بعض نمونے۔.....	۲۸۶
۱۔ غبار اور زنگ۔.....	۲۸۶
۲۔ الٹ پلٹ۔.....	۲۸۷
۳۔ زنگ یا مہر۔.....	۲۸۷
۴۔ مہر۔.....	۲۸۷
۵۔ قتل۔.....	۲۸۷
۶۔ غلاف۔.....	۲۸۷
۷۔ پروہ۔.....	۲۸۸
۸۔ بختی۔.....	۲۸۸
۹۔ قساوت۔.....	۲۸۹
دینا قید خانہ کیسے ہوتی ہے؟۔.....	۲۸۹
اہل دنیا۔.....	۲۹۱
دنیا کا بہر و پ۔.....	۲۹۳

تیسرا فصل

مرضی خدا کو اپنی خواہش پر ترجیح دینا۔.....	۳۰۱
﴿جعلت غناه في نفسه﴾ ”اکے نفس کے اندر استغنا پیدا کر دوں گا،“.....	۳۰۲
افکار کی تبدیلی میں اسلامی اصطلاحات کا کردار۔.....	۳۰۲

فقر و استغنا اور اقدار کے اسلامی اصول	۳۰۳
دور جاہلیت کا نظام قدر و قیمت	۳۰۳
قدر و قیمت کا اسلامی نظام	۳۰۲
اسلامی روایات میں استغنا کا مفہوم	۳۰۷
اقدار کے نظام میں انقلاب	۳۱۱
نفس کی بے نیازی	۳۱۲
بے نیازی (استغنا) کے ذرائع	۳۱۲
۱۔ یقین	۳۱۶
۲۔ تقویٰ	۳۱۷
۳۔ شعور	۳۱۸
حیات انسانی میں بے نیازی کے آثار	۳۲۰
زمین و آسمان اسکے رزق کے ضامن ہیں	۳۲۱
توفیق	۳۲۲
عالم غیب اور عالم شہود (ظاہر) کے درمیان رابط	۳۲۴
حرکت تاریخ کے سلسلہ میں غیبی عامل کا کردار	۳۲۹
پہلا مرحلہ	۳۳۲
دوسر امر مرحلہ	۳۳۵
تیسرا مرحلہ	۳۳۵
غیبی عامل مادی عوامل کا منکر نہیں	۳۳۶
تقویٰ اور رزق کا تعلق	۳۳۶

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

تفویٰ کی بنا پر نجات پانے والے تین لوگوں کا قصہ	۳۲۰
وکففت علیہ ضیغعہ	۳۲۲
ہدایت کے معنی	۳۲۳
اللہ بندہ کو بریادی اور رضائی ہونے سے کیسے بچاتا ہے؟	۳۲۵
بصیرت اور عمل	۳۲۷
بصیرت و عمل کا رابطہ	۳۲۸
ا۔ عمل صالح کا سرچشمہ بصیرت	۳۲۸
۲۔ بصیرت کی بنیاد عمل صالح	۳۵۱
دوسری ارث	۳۵۳
بے عملی سے خاتمه بصیرت	۳۵۴
فقدان بصیرت برے اعمال کا سبب	۳۵۸
خلاصہ کلام	۳۶۰



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتیٰ نئے نئے پودے اس کی کرنوں سے بزری حاصل کرتے اور غنچے وکلیاں رنگ و نکھار پیدا کر لیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچور ادا اجالوں سے پر نور ہو جاتے ہیں، چنانچہ متعدد دنیا سے دور، عرب کی سنگاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے اپنی قوت و قابلیت کے اختبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ و موسس سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ عارجاء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو پشمہ حق و حقیقت سے ییراب کر دیا، آپ کے تمام الہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقاء بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمجاذب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑ گئیں، وہ تہذیبی اقسام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سوت دینے کا حوصلہ، ولول اور شعور نہ رکھتے ہوں تو مذہب عقل و آگہی سے رو برو ہونے کی توانائی کھو دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کر لیا۔

اگرچہ رسول اسلام ﷺ کی یہ گرانہہا میراث کہ جس کی اہلیت علیہم السلام اور ان کے

پیروں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے تو جی اور تا قدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے ملکنا یوں کاشکار ہو کر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کر دی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پرواکے بغیر کتب اہلیت علیہم السلام نے اپنا ہشمہ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیا نے اسلام کو تقدیم کئے جنہوں نے پیر دنی افکار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن خلاف فکری و نظری موجودوں کی زد پر اپنی حق آگیں تحریروں اور تقریروں سے کتب اسلام کی پشت پناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن اور مکتب اہلیت علیہم السلام کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت و اقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستدار ان اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین و بے نتاب ہیں، یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(علمی اہلیت کونسل) مجمع جهانی اہلیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہلیت عصمت و طہارت کے پیروں کے درمیان ہم فکری و تجھیقی کو فروع دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیا نے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہو سکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہر انداز میں اگر اہلیت عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوت و رسالت کی جاؤ داں میراث اپنے صحیح خدو خال

میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انسانیت کے شکار، سامراجی خوں خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے جھکی ماندی آدمیت کو امن و تجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (ع) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفوں کے شکرگزار ہیں اور خود کو مولفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہلیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل علامہ آپ اللہ شیخ محمد مہدی آصفی مدظلہ کی گرفانقدر کتاب (الھوی فی حدیث اہل البیت) کو سید کمیل اصغر زیدی نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکرگزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے ان تمام دوستوں اور معاونیں کا بھی صیسم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنہوں نے اس کتاب کے منتظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یادنی جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جهانی اہلیت علیہم السلام

مقدمہ مؤلف

آپ کے سامنے اس حدیث قدی سے متعلق کچھ فکری کا دشون کا نتیجہ حاضر خدمت ہے جو خواہشات نفس، ان کی پیروی اور مختلف نیز انسانی زندگی میں ان کے آثار کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔
یہ فکری کوشش درحقیقت ان یادداشتؤں کا مجموعہ ہے جنہیں میں نے حوزہ علمیہ قم کے کچھ طلاب کے درمیان درس کے عنوان سے بیان کیا تھا، اور اب خداوند عالم نے انہیں اس شکل و صورت میں مرتب اور نشر کرنے کی توفیق عنایت فرمادی ہے۔

ان تمام عنایتوں پر اُنکی حمد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے مومنین کے لئے مفید بنادے اور اسکے صاحب تحریر کے لئے بھی اس دن فائدہ مند قرار دے کہ جس دن مال واولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔

محمد مہدی آصفی

قم مقدسہ

۲۸ دسمبر ۱۳۱۲ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حدیث قدسی

عن الامام الباقر(ع): عن رسول الله(ص) قال: يقول الله عزوجل:
”عزتى، وجلالى، وعظمتى، وكيرياتى، ونورى، وغلوى، وارتفاع مكاني،
لايؤثر عبد هواه على الاشتت أمره، ولبسست عليه دنياه، وشغلت قلبه بها، ولم
أوته منها إلا ماقدر له.“

وعزتى، وجلالى، وعظمتى، وكيرياتى، ونورى، وغلوى، وارتفاع مكاني،
لايؤثر عبد هواه على الاشتت ملائكتى، وكفلت السماوات والارض
رزقه، وكتت له من وراء تجارة كل تاجر، وأوته الدنيا وهى راغمة“ (۱)

(۱) عدة الداعي: ج ۲ ص ۹۔ اصول کافی: ج ۳ ص ۳۳۵۔ بحار الانوار: ج ۷ ص ۸۷۔ بحار الانوار: ج ۷ ص ۸۵
و ۸۶۔ اجواہ المسیدۃ فی الاحادیث التدبریۃ: ج ۳ ص ۳۲۲۔ اور شیخ محمد بن نے تقریباً انہیں الفاظ میں اسے: الاتحافت المسیدۃ فی
الاحادیث التدبریۃ: ج ۷ پر نقل کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حدیث قدسی

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

”میری عزت و جلالت، عظمت و کبریائی، نور و رفتت اور میرے مقام و منزالت کی بلندی کی قسم کوئی بندہ بھی اپنی ہوئی وہوس کو میری مرضی اور خواہش پر ترجیح نہیں دیگا مگر یہ کہ میں اسکے امور کو درہم برہم کر دوں گا اسکے لئے دنیا کو بنا سوار دوں گا۔ اسکے دل کو اسی کا دلدادہ بنادوں گا اور اسکو صرف اسی مقدار میں عطا کروں گا جتنا پہلے سے اسکے مقدار میں لکھ دیا ہے“

”اور میری عزت و جلالت، عظمت و کبریائی، نور و رفتت اور مقام و منزالت کی بلندی کی قسم کوئی بندہ میری مرضی کو اپنی خواہش پر ترجیح نہیں دیگا مگر یہ کہ ملائکہ اسکی حفاظت کر یں گے۔ آسمان اور زمین اسکے رزق کے ذمہ دار ہیں اور ہر تاجر کی تجارت کی پشت پر میں اسکے ساتھ موجود ہوں گا اور دنیا اسکے سامنے ذات و رسولی کے لمبادہ میں حاضر ہو گی“

یہ حدیث شریف ان روایات میں سے ہے جن کی شہرت کتب فریقین میں مستقیمه ہونے کی حد تک ہے۔

ہم نے اس حدیث کو مختلف سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے جن میں سے بعض سندیں ہمارے نزدیک صحیح ہیں۔

اس حدیث کی تشریح تین فضلوں میں پیش کی گئی ہے۔

پہلی فصل: ہوائے نفس کی تعریف، اس کے عوارض کی تشخیص، اسکے علاج اور اس پر قابو پانے کے راستے پر مشتمل ہے یہ فصل درحقیقت اس کتاب (حدیث کی تشریح) کا مقدمہ ہے۔

دوسری فصل: اپنی خواہش کو خداوند عالم کی مرضی پر ترجیح دینے والوں کے ذکر میں ہے۔

تیسرا فصل: خداوند عالم کی مرضی کو اپنی خواہش پر ترجیح دینے والوں کے ذکر میں ہے۔



پہلی فصل

خواہش
قرآن و سنت کی روشنی میں

”ہومی“ (خواہش) قرآن و حدیث

کی روشنی میں

ہومی (خواہش) ایک اسلامی اصطلاح ہے جو قرآن و حدیث سے مأخوذه ہے۔ اسلامی تہذیب میں اسکے اپنے ایک خاص معنی مراد لئے جاتے ہیں۔

یہ لفظ قرآن اور احادیث میں کثرت سے استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَرِيَتْ مِنْ أَتَخْذَ إِلَهًا هُوَاهُ أَفَإِنْ تَكُونْ عَلَيْهِ وَكِيلًا﴾ (۱)

”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات ہی کو اپنا خدا بنا لیا ہے کیا آپ اس کی بھی ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہیں؟“

دوسرا مقام پر ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَمَا مِنْ خَافِ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهِيَ النَّفْسُ عَنِ الْهُوَى فَلَمَّا فَلَانَ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاوِى﴾ (۲)

”اور جس نے رب کی بارگاہ میں حاضری کا خوف پیدا کیا ہے اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا ہے تو جنت اس کا لٹھکانا اور مرکز ہے“

(۱) سورہ فرقان آیت ۲۳۔

(۲) سورہ نازعات آیت ۳۰۔ ۳۱۔

سید رضی نے مولائے کائنات حضرت علیؑ کا یقین نجح البلاغہ میں نقل کیا ہے:

﴿إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا: إِتْبَاعُ الْهُوَى وَطُولُ الْأَمْلَ﴾

”بچھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ دو چیزوں کا خوف رہتا ہے: خواہشات کی

پیروی اور آرزوؤں کا طولانی ہونا۔“

پیغمبر اکرم ﷺ اور امام جعفر صادق ع ع دونوں سے ہی یہ حدیث نقل ہوئی ہے کہ آپ

حضرات نے فرمایا:

﴿إِذْدرو أَهْوَانَكُمْ كَمَا تَحْذِرُونَ أَعْدَانَكُمْ، فَلَيْسَ شَيْءٌ أَعْدَى لِلرِّجَالِ مِنْ

اتبَاعُ أَهْوَانِهِمْ وَحْصَانَدُ الْمُسْتَهِمِ﴾ (۱)

”اپنی خواہشات سے اسی طرح ڈرتے رہو جس طرح تم اپنے دشمنوں سے ڈرتے ہو۔

کیونکہ انسان کیلئے خواہشات کی پیروی اور زبان کے نتائج سے بڑا کوئی دشمن نہیں ہے۔“

اور امام جعفر صادق ع ع سے یہ بھی منقول ہے کہ:

﴿لَا تَدْعُ النَّفْسَ وَهُوَ أَهْوَاهُهُ، فَإِنَّهُ هُوَ أَهَادُهُ﴾ (۲)

”نفس اور اسکی خواہشات کو ہرگز یونہی نہ چھوڑ دینا کیونکہ نفس انی خواہشیں ہی اسکی پستی کا

باعث ہیں۔“

بنیادی محرکات

انسانی زندگی میں نفس اور ”خواہشات“ کیا کردار ادا کرتے ہیں اسکے لئے یہ جانتا ضروری

ہے کہ خداوند عالم نے ہر انسان کو متحرک و فعال رکھنے اور علم و کمال کی جانب گامزن کرنے کے لئے

(۱) اصول کافی ج ۲ ص ۳۳۵۔

(۲) گذشتہ حوالہ

اے کے وجود میں کچھ بینا دی حرکات رکھے ہیں اور انسان کی تمام ارادی اور غیر ارادی حرکات نیز اسکی مادی و معنوی ترقی اٹھیں بینا دی حرکات کی مر ہوں منت ہے یہ چھ حرکات ہیں اور ان میں بھی سب سے اہم حرک ”ہوئی“ یعنی خواہشات نفس ہے۔

۱- فطرت: اس کے ذریعہ خداوند عالم نے اپنی معرفت نیز وفاء، عفت، رحمت، اور کرم جیسے اخلاقی اقدار کی طرف رجحان کی قوت دی یعت فرمائی ہے۔

۲- عقل: یہ انسانی وجود میں حق و باطل کے درمیان تشخیص اور تمیز دینے کی ذمہ دار ہے۔

۳- ارادہ: کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کا انحصار اسی پر ہوتا ہے اور شخصیت کا استقلال اسی سے وابستہ ہے۔

۴- ضمیر: عدل و انصاف پر منی درونی و باطنی آواز ہے جس کا کام انسان کو صحیح فیصلہ سے آگاہ اور غلط باتوں پر اسکی توجیح کرنا ہے تاکہ انسان حد اعتماد پر قائم رہے۔

۵- قلب، صدر، آیات قرآنی کے مطابق علم و معرفت کا ایک اور دروازہ ہے۔ اسی پر خداوند عالم کی جانب سے علم و معرفت کی جگلی ہوتی ہے۔

۶- ہوئی (خواہشیں): وہ خواہشات اور جذبات جو انسان کے نفس میں پائے جاتے ہیں اور ہر حال میں انسان سے اپنی تھیکیں کا مطالبہ کرتے ہیں اور ان کی تھیکیں کے دوران انسان الذلت محسوس کرتا ہے انسان کو تحرک رکھنے اور اسے علم و معرفت سے مالا مال کرنے کے یہ اہم ترین حرکات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانی وجود میں دی یعت فرمایا ہے۔ سردست ان کی تعداد اور تفصیلات کے بارے میں کسی قسم کی علمی اور تفصیلی گفتگو مقصود نہیں ہے۔

تفیات کے اس گوشہ پر ابھی اسلامی نقطہ نظر سے مزید غور و فکر اور بحث و جتو کی ضرورت ہے۔ خدا کرے کہ کوئی ایسا بلند پایہ مفکر سامنے آجائے جو آیات و روایات کی روشنی میں اس گوشے سے متعلق فکری جولانیاں دکھا سکے۔ فکر اسلامی کا یہ گوشہ نہایت شاداب ہونے کے ساتھ ساتھ

..... خواہشیں! احادیث اہل بیت کی روشنی میں

اچھوتا بھی ہے اور یہی دونوں خصوصیات علماء و مفکرین کے اہب فکر کو تہیز کرنے کیلئے کافی ہیں۔
لہذا خداوند کریم سے یہ دعا ہے کہ جو شخص اسلامی علوم کے خزانوں کے سہارے اس مہم کو سر
کرنے کا یہ زال انجام دے وہ اسکے لئے ہر طرح کی آسانیاں فراہم کر دے۔

فی الحال اس کتاب میں ہوئی کے معنی، اسکی تعریف، اور انسانی زندگی میں اسکے کردار نیز
اسکے خصوصیات، اثرات، اس سے مقابلہ کا طریقہ اور اس سے متعلق دوسرے امور کا جائزہ لیتا
مقصود ہے لہذا ہم انسانی وجود میں موجود دوسرے حرکات سے صرف نظر کر کے صرف اور
صرف "ہوئی" خواہشوں کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

"ہوئی" کی اصطلاحی تعریف

جب ہم اسلامی علوم میں ہوئی کے معانی تلاش کرتے ہیں تو ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی
تہذیب و تدنی میں ہوئی "انسان کے اندر پوشیدہ ان خواہشات اور تمناؤں کو کہا جاتا ہے جو انسان سے
اپنی تجھیل کے خواہاں ہوتے ہیں۔"

انسان کی شخصیت میں ان کا اہم کردار ہوتا ہے کیونکہ یہ انسان کو تحرک بنانے اور اسے آگے
بڑھانے کا ایک بنیادی سبب نیز اسکی تمام ارادی اور غیر ارادی حرکتوں کی اہم تجھی ہیں۔

"ہوئی" کے خصوصیات

انسانی زندگی کی تعمیر یا بر بادی میں اسکی نفسانی خواہشوں کے ثبت اور منفی کردار سے واقفیت
کے لئے سب سے پہلے ان کی اہم خصوصیات کو جانا ضروری ہے لہذا اہم آئندہ صفحات میں اسلامی
 نقطہ نگاہ سے خواہشات نفس کے اہم خصوصیات کا جائزہ لیں گے۔

۱۔ چاہت میں شدت

اپنی چاہت کی تجھیل میں بالکل آزاد اور بے لگام ہونا انسانی خواہشات کی سب سے پہلی

اور اہم ترین خصوصیت ہے البتہ سیر ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے اس کے مختلف درجات ہیں کیونکہ کچھ خواہشات تو ایسی ہوتی ہیں جن سے کبھی سیری نہیں ہو پاتی اور چاہے جتنا بھی اس کی تکمیل کی جائے اس کی طلب اور چاہت میں کمی نہیں آتی۔ جبکہ کچھ خواہشات ایسی ہیں جو وقت کے ساتھ سرو تو پڑ جاتی ہیں مگر بہت دیر کے بعد۔ مختصر یہ کہ ان تمام خواہشات کے درمیان اعتدال اور توازن کے بجائے شدت طلبی ایک مشترکہ صفت ہے۔

جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمْ وَادِيْ مِنْ مَالٍ لَا يَتَفْعَلُ إِلَيْهِ ثَانِيَاً، وَلَوْ كَانَ لَهُ وَادِيَانٌ لَا يَتَفْعَلُ
لَهُمَا ثالِثَاً، وَلَا يَمْلأُ جَوْفَ أَبْنَ آدَمَ إِلَّا التَّرَابُ﴾ (۱)

”اگر فرزند آدم کے پاس مال و دولت کی ایک وادی ہوتی تو وہ دوسری وادی کی تمنا کرتا اور اگر اس کے پاس ایسی ہی دو وادیاں ہوتیں تب بھی اس کو تیسرا وادی کی تمنا رہتی اور اولاً آدم کا پیٹ مٹی کے علاوہ کسی اور چیز سے نہیں بھر سکتا ہے“

پیغمبر اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانٌ مِنْ ذَهَبٍ لَا يَتَفْعَلُ وَرَاءَ هَمَّا ثالِثَاً﴾ (۲)

”اگر آدمی کو سونے کی دو وادیاں مل جائیں تو بھی اسے تیسرا وادی کی تلاش رہے گی“

جناب حمزہ بن حران کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں یہ شکایت کی کہ مجھے جس چیز کی خواہش ہوتی ہے وہ مجھے مل جاتی ہے تب بھی میرا دل اس پر قائم نہیں ہوتا ہے اور مزید کی خواہش باقی رہتی ہے، لہذا مجھے کوئی ایسی چیز تعلیم فرمائیے جس سے میرے اندر قیامت پیدا ہو جائے اور مزید کی خواہش نہ رہے تو امامؑ نے فرمایا:

(۱) الجامع الصغير للسيوطی بشرح المناوى۔ ج ۲ ص ۲۲۰ ۶۲۳۔

(۲) مجموعہ درام ص ۱۶۳۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

”جو چیز تمہارے لئے کافی ہے اگر وہ تھیس مستغنی بنا دے تو دنیا میں جو کچھ موجود ہے اس کا معمولی سا حصہ بھی تھیس مستغنی بنانے کے لئے کافی ہے اور جو چیز تمہارے لئے کافی ہے اگر وہ بھی تمہیں مستغنی نہ بنا سکے تو پھر پوری دنیا پا کر بھی تم مستغنی نہیں ہو سکتے ہو“ (۱)
امیر المؤمنین فرمایا کرتے تھے:

”اے فرزند آدم، اگر تجھے دنیا صرف اتنی مقدار میں درکار ہو جو تیری ضروریات کے لئے کافی ہو سکے تو اس کا معمولی سا حصہ بھی تیرے لئے کافی ہے اور اگر تجھے وہ چیز بھی درکار ہے جو تیرے لئے ضروری نہیں تو پوری دنیا بھی تیرے لئے ناکافی ہے“ (۲)

مذکورہ روایات میں خواہشات کی مزید طلب برقرار رہنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ کبھی ان کی محیل ممکن ہی نہیں ہے بلکہ ان کی شدت طلب کو بتانا مقصود ہے اور یہ کہ عموماً خواہشات حد اعدالت پر قائم نہیں رہتے۔ ورنہ بعض خواہشات ایسی ہوتی ہیں جو زندگی کے آخری مرحلہ میں بالکل کمزور پڑ جاتی ہیں حالانکہ کچھ ایسی خواہشات بھی ہیں جو انسان کے آخری سالیں تک بالکل جوان رہتی ہیں اور ان میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔ (۳)

(۱) اصول کافی ج ۲ ص ۱۳۹۔

(۲) بخار الانوار ج ۲ ص ۱۷۰۔

(۳) انس نے رسول سے (جامع صیر سیوطی حرف (۱) ج ۲ ص ۱۷۲) پر روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے ”فرزند آدم بالکل بوڑھا چھوں ہو جاتا ہے گراس کے ساتھ دو چیزیں باقی رہ جاتی ہیں لائج اور آرزو“
میں خداوند عالم کے ایک ایسے بندہ صاحب کو پہچاتا ہوں جس نے توفیق الہی کے سہارے جوانی میں ہی اپنے قس پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ جب ان کی عمر ۹۰ سال کے قریب ہوئی تو ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی وہ فرمایا کرتے تھے کہ بنیادی طور پر صرف تین خواہشات ہیں: ۱۔ جنیات ۲۔ مال ۳۔ عمدہ۔ پہلی دو خواہشات کو تو میں نے اپنی جوانی میں ہی رام کر کے ان پر غلبہ حاصل کر لیا تھا لیکن تیری خواہش اب بھی میرے دل میں مسلسل ابھرتی رہتی ہے اور مجھے اس کی بنا پر شرک میں پڑنے کا خطرہ لا ج رہتا ہے۔

۲۔ خواہشات میں تحرک کی قوت

خواہشات، انسان کی حرکت و فعالیت کا سب سے اہم اور طاقتور ذریعہ ہیں اور ان کے اندر پائی جانے والی قوت تحرک کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ خواہشات نفس وہ تنہا سبب ہیں جو جاہلانہ تہذیب و تمدن کو پروان چڑھاتے رہے ہیں اور تاریخی نیز جغرافیائی لحاظ سے بھی جاہلانہ تمدن روئے زمین کے پیشتر حصوں پر حکم فرماتا ہے۔ اس جاہلانہ تمدن میں فطرت، ضمیر اور عقل کی حکم فرمائی کامرے سے انکار تو نہیں کیا جاسکتا ہے لیکن یہ طے شدہ ہے کہ اس تمدن کی پیشہ رفت میں خواہشات ہی سب سے بڑا عامل اور سبب ہیں چاہے وہ جنگ و صلح کے معاملات ہوں یا اقتصاد اور علوم و فنون کے میدان یا دیگر جرائم سب اسی کی کوکھ سے جنم لیتے رہے ہیں۔

انسانی تاریخ کے پیشتر ادوار میں جاہلیت کی حکمرانی دیکھنے کے بعد خواہشات میں پائی جانے والی قوت تحرک کی وسعت کا با آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ روایت میں ہے کہ جناب زید بن صوحان نے امیر المؤمنین[ؑ] سے سوال کیا:

﴿اَيٰ سُلْطَانُ اَغْلَبُ وَاقْوَى﴾ "کس بادشاہ کا کنٹرول اور غلبہ سب سے زیادہ ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا: ﴿الْهُوَى﴾ "خواہشات کا۔" (۱)

اسی طرح قرآن مجید نے عزیز مصر کی بیوی کا یا اقراری جملہ نقل کیا ہے:

﴿إِنَّ النَّفْسَ لِأَمَارَةِ بَالسُّوءِ إِلَّا مَارِحِمٌ رَّبِّي﴾ (۲)

«نفس تو برائیوں کی طرف ہی اکساتا ہے مگر یہ کہ جس پر خدار حرم و کرم کر دے (وہی اس سے

(۱) بخار الانوار ج ۹ ص ۶۷ حدیث ۶۔

(۲) سورہ یوسف آیت ۵۳۔ علمائے نحو کے بقول اس جملے میں نحوی اعتبار سے اتنی تاکیدیں پائی جاتی ہیں جو بہت کم جملوں میں ہوتی ہیں جیسے یہ جملہ اسیہ ہے اور اسکی ابتداء میں ان پھر امارہ صینہ، مبالغہ اور اسکے شروع میں لام تاکید یہ سب کثرت تاکید کی علاستیں ہیں۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

محفوظ رہ سکتا ہے) ”یختر سا جمل ان انبیٰ زندگی پر خواہشات کے مسکم کنز دل کی ایک مضبوط سند ہے۔ اور امیر المؤمنینؑ مें منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

﴿الخطاباً الشهوات﴾ خیل شمس خیل علیہا اہلہا، و خلقت
لجمہا، فتقھمت بهم فی النار، لا وان التقوی مطاباً ذلّ، خیل
علیہا اہلہا، و اعطوا از مقتها، فلأوردتهم الجنة﴾ (۱)

”خطاب میں اور ”خواہشات“ وہ سرکش گھوڑے ہیں جن پر کسی کو سوار کر کے انکی لگام اتار دی جائے اور وہ اپنے سوار کو لیکر جہنم میں پھاند پریں لیکن تقویٰ وہ رام کی ہوئی سواریاں ہیں جن پر صاحبان تقویٰ کو سوار کر کے ان کی لگام اکنے ہاتھ میں دیدی جائے اور وہ ان کو جنت میں پہنچادیں“
شہزادوں کی جمع ہے اور شہزادوں اس سرکش اور اڑیل گھوڑے کو کہتے ہیں جو کسی کو اپنے اوپر سوار نہیں ہونے دیتا اور نہ ہی سوار کا تابع رہتا ہے۔ گویا سوار اسے لگام لگائے بغیر اس پر سوار ہو گیا تو وہ اسکے قابو میں نہیں رہتا اور وہ سوار کو لے اڑتا ہے اور سوار بھی اسے اپنے کنشروں میں نہیں رکھ پاتا۔ یہی حال خواہشات کا بھی ہوتا ہے جو اپنے اسی راستے پر طرف لئے پھرتی ہیں اور وہ ان خواہشات کو صحیح جہت نہیں دے پاتا اور ان پر اپنا قابو اسی طرح کھو بیٹھتا ہے جس طرح ایک سرکش گھوڑا بے قابو رہتا ہے۔
اسکے برخلاف تقویٰ انسان کو اسکے خواہشات نفس اور ہوی وہوس پر قابو رکھنے کی قوت عطا کرتا ہے اور نفس کو اس کا مطبع اور فرمانبردار بنا دیتا ہے جسکے بعد انسان جد ہرچا ہے انکا رخ موڑ سکتا ہے اور انہیں خواہشات کے ذریعہ وہ جنت میں پہنچ سکتا ہے۔

۳۔ خواہشات اور لامع کی بیماری

لمع اور لامع خواہشات کی تیسری خصوصیت ہے جس کی بنا پر خواہشات کی طلب میں

اور اضافہ ہو جاتا ہے اور اسکی خواہش بڑھتی رہتی ہے۔ جبکہ دیگر مطالبات میں معاملہ اسکے بالکل برعکس ہوتا ہے کیونکہ جب انسان کسی اور مطالبه کو پورا کرتا ہے تو اسکی گذشتہ شدت اور کیفیت و کیت باقی نہیں رہتی بلکہ شدت میں کمی آتی ہے اور سیرابی کا احساس ہوتا ہے۔

لیکن خواہشات (۱) کا معاملہ یہ ہے کہ اگر ان کے مطابق عمل کرتے رہیں تو ان کی طلب میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، ان کی چاہت کالا و امزیدائی نہ لگتا ہے۔ جسکے بعد دھیرے دھیرے ان پر انسان کا کنٹرول نہیں رہ جاتا لیکن اگر معقول ضابطہ کے تحت، اعتدال کے دائرہ میں رہ کر ان خواہشات کو پورا کیا جائے تو پھر ان کے مطالبات خود خود درپڑ جاتے ہیں اور انسان بخوبی اُنکے اوپر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔

محض یہ کہ بالکل آگ کی طرح ہوتی ہیں کہ اس میں حصہ زیادہ پھونک ماری جاتی ہے اسکے شعلے مزید بھڑکنے لگتے ہیں اسکی لپیٹیں اور بلند ہو جاتی ہیں۔ لہذا شرعی حدود میں رہ کر مناسب اور معقول انداز میں ان خواہشات کو پورا کرنا ان کو آزاد اور بے لگام چھوڑ دینے سے بہتر ہے کیونکہ اگر بلا قید و شرط ان کی پیروی کی جائے تو ہر قدم پر تسلی کا احساس ہوتا رہے گا اور خواہشات پر انسان کا اختیار بالکل ختم ہو جائے گا۔

ان دونوں ہی باتوں کی طرف روایات میں اشارہ موجود ہے۔

۱۔ خواہشات کی بلا قید و شرط تکمیل سے ان کی شدت میں اور اضافہ ہوتا ہے اور ان کے مطالبات بڑھتے ہی رہتے ہیں اور اسکے برعکس اگر صرف شرعی حدود کے دائرہ میں ان کی تکمیل ہو تو سیرابی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ مولائے کائنات نے فرمایا ہے:

﴿رَدَ الشَّهْوَةَ أَقْضَى لِهَا، وَقَضَاؤُهَا أَشَدُ لَهَا﴾ (۲)

(۱) خواہشات سے ہماری مراد تمام چاہیں نہیں ہیں۔ کیونکہ بعض چاہیں اسی ہیں جن کے بارے میں یہ قاعدہ درست نہیں ہے۔

(۲) غر راجحہ ج اص۔ ۳۸۰۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

”شہوت اور خواہش کو محکردار بنا ہی اسکے ساتھ بہترین انصاف ہے اور اسکو پورا کرنا اسے

مزید بڑھا دینا ہے۔“

یہاں خواہش کو محکردار بننے سے مراد محدود اور معمول پیانہ پران کی تجھیل ہے۔ اور تجھیل سے

مراد نہیں بے الگام چھوڑ دینا اور ان کی تجھیل میں کسی قاعدہ و قانون کا لحاظ نہ رکھنا ہے۔

۲۔ خواہشات کی بے جا تجھیل اور اس راہ میں افراط کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان خواہشات کے

سامنے انسان اتنا بے بس اور مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنی خواہشات پر اس کا کوئی اختیار نہیں رہ جاتا اور وہ

ان کا غلام اور نوکر بن کر رہ جاتا ہے لیکن اس کے برخلاف اگر انسان واقعاً کسی اصول و ضابط کے

مطابق محدود پیانہ پران کی تجھیل کرے تو پھر اپنی خواہشات پر اس کا مکمل اختیار رہتا ہے اور وہ نہیں

جد ہرچا ہے موزکتا ہے۔

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے:

﴿مِثْلُ الْحَرِيصِ عَلَى الدُّنْيَا كَمْثُلُ دُودِ الْقَزِ، كَلْمًا زَدَادَتْ مِنَ الْفَرْعَلِيِّ

نَفْسَهَا لِفَأَكَانَ أَبْعَدُ لَهَا مِنَ الْخُرُوجِ حَتَّىٰ تَمُوتَ﴾ (۱)

دنیا کے لا چھی انسان کی مثال ریشم کے اس کیٹرے جیسی ہے کہ جو اپنے اوپر جتنا ریشم پیٹا

جاتا ہے اسکے لئے کارست اتنا ہی تگ ہوتا جاتا ہے اور آخراً راروہ موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

خواہشات پر عقل کی حکومت

اگرچہ انسان پر خواہشات کی حکومت بہت ہی مختکم ہوتی ہے لیکن عقل کے اندر ان خواہشات

کو کنٹرول کرنے اور نہیں صحیح رخ پر لانے کی مکمل صلاحیت اور قدرت پائی جاتی ہے۔ بشرطیکہ انسان

خواہشات پر عقل کو فوکیت دے اور اپنے معاملات زندگی کی باغِ ذور عقل کے حوالہ کرو۔

(۱) بخار الانوار ج ۳ ص ۲۲۳۔

صرف یہی نہیں بلکہ جس وقت خواہشات پر عقل کی گرفت کمزور پڑ جاتی ہے اور خواہشات اسکے دائرہ اختیار سے باہر نکل جاتے ہیں تب بھی عقل کی حیثیت حاکم و سلطان کی ہوتی ہے وہ حکم دیتی ہے، انسان کو برے کاموں سے روکتی ہے، اور خواہشات، نفس کے اندر صرف وہ سو سہ پیدا کرتے ہیں حضرت علیؑ نے فرمایا ہے:

﴿للنفوس خواتر للهوى، والعقول تزجر وتنهى﴾ (۱)

”نفسوں کے اندر مختلف خواہشیں سرا بھارتی ہیں اور عقليں ان سے مانع ہوتی ہیں اور انہیں روکتی رہتی ہیں“

آپؐ ہی سے منقول ہے:

﴿للقلوب خواتر سوء، والعقل يزجر منها﴾ (۲)

”دلوں میں برے خیالات آتے ہیں اور عقل ان سے روکتی رہتی ہے“

اس کا مطلب یہ ہے کہ خواہشات کی بناء پر انسان کے نفس میں صرف برے خیالات، ادھام اور سو سے جنم لیتے ہیں لیکن عقل کے پاس انہیں کمزول کرنے نیزان سے روکنے کا اختیار موجود ہے اور اس کی حیثیت حاکم و سلطان کی ہے۔ اسی لئے مولائے کائنات نے فرمایا ہے:

﴿العقل الكامل قاهر للطبع الشوء﴾ (۳)

”عقل کامل، بری طبیعتوں پر غالب ہی رہتی ہے“

جس کا مطلب یہ ہوا کہ انسانی مزاج اور اس کا اخلاق، بے جا خواہشات کی بناء پر بگڑ کر چاہے جتنی پستی میں چلا جائے تب بھی عقل کی حکومت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے اور عقل سالم و کامل اپنے اندر

(۱) تحف العقول ص ۹۶۔

(۲) غر راحمہ ج ۲ ص ۱۲۱۔

(۳) بحوار الائلو ارج ۷۴ ص ۱۱۶۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں.....

ہر قسم کی بڑی طبیعت اور مزانج کو قابو میں رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ اسلامی تربیت کا ایک اہم حصول ہے جسکے بارے میں ہم آئندہ تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

انسان، عقل اور خواہش کا مجموعہ

یہاں تک ہم اس واضح نتیجہ تک پہنچ چکے ہیں کہ خواہشیں کتنی ہی قوی اور موثر کیوں نہ ہوں لیکن وہ انسان سے اسکا ارادہ اور قوت ارادی کو نہیں چھین سکتی ہیں۔ بشرطیکہ انسان عقل کو کامل بنا لے اور معاملات زندگی میں عقل کو اہمیت دیتا رہے کیونکہ انسان، عقل اور خواہشات سے مل کر بنا ہے لہذا عقل اور خواہشات کے باعث انسان ہمیشہ ترقی و تجزی کی منزلیں طے کرتا رہتا ہے انسان اپنے معاملات حیات میں جس حد تک عقل کی حاکیت کا قائل ہو گا اور اپنی عقل کے ہمکمل کی کوشش کرے گا اسی حد تک ترقی اور کمال کی جانب قدم بڑھائے گا اسکے برخلاف عقل کو بالکل نظر انداز کر کے اور اس سے عاقف ہو کر اگر خواہشات کو عقل پر ترجیح دے گا تو اسی کے مطابق پستیوں میں چلا جائے گا۔

لیکن حیوانات کی زندگی کا معاملہ انسان کے بالکل برخلاف ہے کیونکہ ان کے یہاں کہیں سے کہیں تک عقل کا گذرنہیں ہے اور وہاں سو فیصد خواہشات کی حکومت ہوتی ہے گویا وہ صرف ایک سبب کے تابع ہوتے ہیں اور ان کی زندگی صرف اسی ایک سبب کے تحت گذرتی ہے۔ مولائے کائنات " کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ رَحْمَةُ النَّاسِ كَمَا عَقْلَةُ الْمَلَائِكَةِ عَقْلًا لَا شَهْوَةً، وَرَحْمَةُ الْمَلَائِكَةِ شَهْوَةٌ بِلَا عِقْلٍ، وَرَحْمَةُ بْنِ آدَمَ كَمِيلَيْهِما. فَمَنْ غَلَبَ عِقْلَهُ شَهْوَتُهُ فَهُوَ خَيْرٌ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ، وَمَنْ غَلَبَ شَهْوَتُهُ عِقْلَهُ، فَهُوَ شَرٌّ مِّنَ الْبَهَائِمِ﴾ (۱)

"خداوند عالم نے ملائکہ کو صرف عقل دی ہے مگر خواہشات نہیں دیں اور حیوانات

(۱) اوسائل الحییہ، کتاب المجاد: جہاد انفس باب ۲۹۔

کو خواہشات دی ہیں مگر عقل سے نہیں نوازا، مگر اولاد آدم میں یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ رکھی ہیں لہذا جسکی عقل اس کی خواہشوں پر غالب آجائے وہ ملائکہ سے بہتر ہے اور جس کی خواہشیں اسکی عقل پر غلبہ حاصل کر لیں وہ حیوانات سے بدتر ہے۔“

خواہشات کی شدت اور کمزوری

اسلامی تہذیب کا ایک اہم مسئلہ خواہشات کی شدت اور کمزوری کا بھی ہے۔ کیونکہ میں ممکن ہے کہ کوئی خواہش نہایت مختصر اور کم ہو اور ممکن ہے کہ بعض خواہشات بھڑک کر شدت اختیار کر لیں۔ چنانچہ اگر یہ مختصر ہو گی تو اس پر عقل حاکم ہو گی اور آدمی، انسان کامل بن جائے گا اور اگر یہی خواہشات شدت اختیار کر لیں تو پھر ان کا تسلط قائم ہو جاتا ہے اور انسان، حیوانیت کی اس پستی میں بیٹھ جاتا ہے جہاں صرف اور صرف خواہشات کا راجح ہوتا ہے اور عقل و شعور نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ انسان چاہے اس حالت کے ماتحت ہو یا اس حالت کے ماتحت ہو ہر صورت میں خواہشات کی کمی یا زیادتی کا دار و مدار خود انسان کے اوپر ہی ہوتا ہے کہ جب وہ خواہشات کا تابع ہوتا ہے اور ان کے تمام مطالبات کو پورا کرتا ہے تو خواہشات اور بھڑک اٹھتی ہیں اور انسان کو کمل طور پر اپنا اسیر بناتی ہیں اور انسانی زندگی میں ایک مضبوط قوت کے روپ میں ابھرتی ہیں اور انسان کی زندگی میں ان کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔

اور اسی کے برعکس جب انسان اپنی خواہشات پر پابندی لگاتا رہے اور ان کو ہمیشہ حد انتہا میں رکھے اور خواہشات پر انسان کا غالب ہو اور وہ عقل کے ماتحت ہوں تو پھر اسکی خواہشات ضعیف ہو جاتی ہیں اور انکا زور گھٹ جاتا ہے۔

ایک مقنی کے اندر بھی وہی خواہشات ہوتے ہیں جو دوسروں کے اندر پائے جاتے ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ مقنی افراد خواہشات کو اپنی عقل و فہم کے ذریعہ اپنے قابو میں رکھتے

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

ہیں جبکہ بے عمل افراد پر ان کے خواہشات حاکم ہوتے ہیں اور خواہشات ان کو قابو میں کر لیتے ہیں۔ اس دورا ہے پر انسان کو کوئی ایک راستہ منتخب کرنا ہے وہ جسے چاہے اختیار کرے۔ خواہشات کو کچل کر ان کا مالک و مختار بن جائے یا انکی پیر وی کر کے ان کا غلام ہو جائے۔

آئندہ صفات میں ہم خواہشات پر غلبہ حاصل کرنے کے کچھ طریقے ذکر کریں گے لیکن فی الحال آیات و روایات کی روشنی میں ان باتوں کا تذکرہ کر رہے ہیں جن سے خواہشات کی کمزوری یا شدت اور ان صفات کے اسباب کا علم حاصل ہوتا ہے۔

سب سے پہلے قرآن کریم کی آیات ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَكُنَ اللَّهُ حَبْلُكُمُ الْإِيمَانُ وَزَئْنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَهُ إِلَيْكُمُ الْكُفْرُ وَالْفُسُوقُ وَالْعُصْبَانُ﴾ (۱)

”لیکن خدا نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنادیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آ راستہ

کر دیا ہے اور کفر، فسق اور معصیت کو تمہارے لئے ناپسندیدہ قرار دیدیا ہے“

فسوق (برائی) کی یہ نفرت خداوند عالم نے مومنین کے دلوں میں پیدا کی اور اہل تقویٰ اس سے ہمیشہ تنفر رہتے ہیں مگر فاسقین اس پڑاٹ نے مرنے کو تیار رہتے ہیں اسکے واسطے جان توڑ کوشش کرتے ہیں اور اس کی راہ میں بیش قیمت اشیاء کو قربان کر دیتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس ذات نے اس برائی کو مومنین کی نظرؤں میں قابل نفرت بنادیا؟ کون ہے جس نے فاسقون کی نگاہ میں اسے محبوب بنادیا؟ یقیناً خداوند عالم ہی نے مومنین کو اس سے تنفر کیا ہے۔ کیونکہ مومن کا دل خدا کے قبضہ قدرت میں رہتا ہے لیکن برائیوں کو فاسقون کیلئے پسندیدہ بنانے والی چیز خود ان برائیوں اور خواہشات کی تکمیل نیزان کو ہر قیمت پر انجام دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جسکی بنابر وہ ان کی

(۱) سورہ جبرات آیت ۷۔

من پسند چیز بن جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ سے روایت ہے:

﴿الْمَدَوِّمَةُ عَلَى الْخَيْرِ كَرَاهِيَةُ الشَّرِ﴾ (۱)

”کارخیر کی پابندی برائیوں سے بیزار و تغیر کرتی ہے“

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اگر مسلسل کارخیر کی پابندی کی جاتی رہے تو خود بخود شر اور برائی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے شر سے مراد انسان کی وہ خواہشات ولذائص ہیں جن کے پیچھے لوگ دوڑتے رہتے ہیں۔ یعنی فاسق اور گمراہ لوگ انھیں حرام خواہشات ولذائص کے متلاشی رہتے ہیں۔

اس کے بعد ہم یہ بھی کہ سکتے ہیں کہ جس طرح کارخیر کی پابندی کے باعث برائی سے نفرت ہو جاتی ہے اسی طرح یہ بھی ایک نظری بات ہے کہ ”برائیوں کی پابندی سے برائیوں کی محبت پیدا ہو جاتی ہے“

خطبہ متفقین جو خطبہ ہام کے نام سے مشہور ہے اس میں امیر المؤمنینؑ کا یہ ارشاد ہے:

﴿تِرَاهُ قَرِيبًاً أَمْلَهُ، قَلِيلًاً لَّهُ، خَاشِعًاً قَلْبَهُ، قَانِعَةً نَفْسَهُ، مَنْزُورًاً أَكْلَهُ، مَهْلَاً أَمْرَهُ، حَرِيزًاً دِينَهُ، مِيتَةً شَهُوَتَهُ، مَكْظُومًاً غَيْظَهُ﴾ (۲) ”متفقین کی پیچان یہ ہے کہ ان کی آرزوئیں بہت مختصر بلغزشیں کم، دل خاشع، نفس قانع، غذا معمولی، معاملات آسان، دین محفوظ، خواہشات مردہ اور غیظ و غضب اور غصہ مٹھنڈار ہتا ہے“

یہیک تقویٰ شہوات اور خواہشات کو مختصر اور سادہ، بنا دیتا ہے جسکے نتیجے میں حریص اور لاچی نفوس بھی متنقی اور قانع ہو جاتے ہیں اور انکی خواہشات گھٹ کر گویا مردہ ہو جاتی ہیں۔

البته اس طرح کی روایات نقل کرنے سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ تقویٰ، خواہشات کو گام

(۱) بخاری انوار ج ۱ ص ۲۷۶۔

(۲) تحقیق البلاط خطبہ ۹۵ (ہام)

گا کر ایک دم روک دیتا ہے (اگرچہ یہ بات اپنی جگہ پر کسی حد تک درست ہے)۔ بلکہ نفس کے اوپر تقویٰ کا دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ خواہشات کو بہت ہی بلکا اور سادہ بنادیتا ہے اور اسی مقصد کے تحت ہم نے مذکورہ روایات بیان کی ہیں اب حضرت علیؓ سے مردی مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں جنہیں ہم بغیر کسی تبصرہ کے پیش کر رہے ہیں:

﴿كَلِمَا قُوِيتَ الْحَكْمَةُ، ضَعُفَتِ الشَّهْوَةُ﴾ (۱)

”جس قدر حکمت قوی ہو گی خواہش اتنی ہی کمزور ہو جائے گی“

﴿إِذَا كَثُرَتِ الْمُقْدَرَةُ قُلْتَ الشَّهْوَةُ﴾ (۲)

”جب قدرت زیادہ ہو گی تو شہوت کم ہو جائے گی“

﴿الْعَفَةُ تَضَعِفُ الشَّهْوَةَ﴾ (۳)

”عفت اور پاکدامنی شہوت کو کمزور بنادیتی ہے“

﴿مِنْ اشْتَاقِ إِلَى الْجَنَّةِ سَلاً مِنَ الشَّهَوَاتِ﴾ (۴)

”جو جنت کا مشتاق ہوا وہ خواہشات سے بری ہو گیا“

﴿وَإِذْ كَرِمَعَ كُلَّ لَذَّةٍ زَوَالَهَا، وَمَعَ كُلِّ نِعْمَةٍ اِنْتِقَالُهَا، وَمَعَ كُلِّ بَلَيةٍ كَشْفُهَا فَإِنْ ذَلِكَ أَبْقَى لِلنِّعَمَةِ، وَأَنْفَقَ لِلشَّهْوَةِ، وَأَذْهَبَ لِلْبَطْرِ، وَأَقْرَبَ لِلْفَرْجِ، وَأَجْدَرَ بِكَشْفِ الْفَمَةِ وَدِرْكِ الْمَأْمُولِ﴾ (۵)

(۱) غر راجحہ ج ۲ ص ۱۱۱۔

(۲) بخار الانوار ج ۲ ص ۶۸ و نجاح البلاغہ حکمت ۲۲۷۔

(۳) غر راجحہ ج ۳ ص ۱۱۸۔

(۴) نجاح البلاغہ حکمت ۳۱۔

(۵) غر راجحہ۔

”ہر لذت کے ساتھ اسکے زوال پر، ہر نعمت کے ساتھ اسکے منفی ہونے اور ہر بلا کے ساتھ اسکے رفع ہونے پر بھی نظر کو کیونکہ یہ نعمت کوتا دیر باقی رہنے، شہوت کو صاف و پاکیزہ بنانے، نعمت پر اترانے اور اسکی تاشکری کو ختم کرنے، آسمانی اور کشاورگی کو قریب کرنے، مشکلات اور پیچیدگیوں کو دور کرنے نیز آرزوؤں کی تجھیل کے لئے سب سے زیادہ مناسب ہے۔“

تفویٰ اور ضبط نفس کا تسلط انسانی خواہشات اور آرزوؤں پر اس حد تک ہوتا ہے کہ وہ انسانی خواہشات کو حدود الہیہ کے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں جسکے بعد انسان صرف وہی چاہتا اور پسند کرتا ہے جو خداوند عالم پسند کرتا ہے اور صرف اسی سے نفرت اور کراہت محسوس کرتا ہے جس سے خداوند عالم نفرت کرتا ہے اور یہ انسانی نفس اور حدود الہیہ کے آپسی رابطہ کی آخری حد ہے اسی عجیب و غریب انقلاب کی طرف اس آئی کریمہ نے اشارہ کیا ہے:

﴿وَكُرْهٌ إِلَيْكُمُ الْكُفْرُ وَالْفُسُوقُ وَالْعُصْبَانُ﴾ (۱)

”اور کفر، فسق اور معصیت کو تمہارے لئے ناپسندیدہ قرار دیدیا ہے“
اس مرحلے میں تقویٰ کا انسان پر صرف یہی اثر نہیں ہوتا ہے کہ وہ کفر، فسق و فجور اور گناہ سے دور رہتا ہے بلکہ تقویٰ انسان کو ان باتوں سے تنفس بھی کر دیتا ہے۔

انسانی زندگی میں خواہشات کا مثبت کردار

انسانی زندگی میں اسکی خواہشوں کی تباہ کاریوں کو دیکھنے کے بعد ہر انسان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ان کی اتنی تباہ کاریوں کے باوجود بھی خداوند عالم نے انسان کے اندر ان خواہشات کو کیوں پیدا کیا ہے؟ اور ان کا کیا فائدہ ہے ان میں ایسا کون ثابت پہلو پایا جاتا ہے جسکی بنا پر انہیں خلق کیا گیا ہے؟ اگر چہ آئندہ ہم خواہشات کی تباہ کاریوں اور اسکے منفی اثرات کا جائزہ لیں گے

لیکن فی الحال اسکے ثبت اثرات اور فوائد کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

۱۔ انسانی زندگی کا سب سے طاقتور محرك

انسانی خواہشات اس کی زندگی میں سب سے بڑا محرك ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حیات انسانی کے اہم ترین پہلوؤں کو انہیں خواہشات سے جوڑ دیا ہے اور یہی خواہشات اسکی بنیادی ضرورتوں کی فراہمی کی ضامن ہیں۔

چیز تولید نسل، انسانی زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر انسان صفحہ اُستی سے نایود ہو کر رہ جائے گا۔ لہذا افراد کش نسل اور اسکی بقا کے لئے کوئی ایسا زریعہ یا جذبہ درکار تھا جسکی بنا پر نسل انسانی باقی رہے۔ چنانچہ اس اہم مسئلہ کو خداوند عالم نے جنسی خواہشات سے جوڑ کر بقاۓ انسانیت کا سامان فراہم کر دیا۔ اسی طرح جسمانی نشوونما کو کھانے پینے سے جوڑ دیا اگر آب و دانہ کی یہ خواہش نہ ہوتی انسانی جسم نہ ہوئیں پا سکتا اور مسلسل جدوجہد کی وجہ سے اسکے بدن میں جو کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اس کی کمی پوری نہیں ہو سکتی تھی اور اسکے بدن میں جو خلیے مردہ ہو جاتے ہیں ان کی جگہ زندہ خلیے حاصل نہ ہو پاتے۔

اسی طرح خداوند عالم نے اجتماعی زندگی کے لئے نفس میں سماج کی جانب رغبت اور رحجان کا جذبہ رکھا ہے اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو سماجی زندگی انتشار کا شکار ہو جاتی اور انسانی تہذیب و تقدیم تاریخ رہ جاتا۔ انسانی زندگی کے اقتصادی اور معاشی حصہ میں ملکیت اور مالکیت کا جذبہ کا فرمار کھا ہے۔

اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو پھر اقتصادی نظام بالکل بر باد ہو جاتا۔

جان، مال، ناموس اور عزت و آبرو کے تحفظ کیلئے قوت غصب رکھی گئی ہے اگر انسان کے اندر یہ قوت نہ رہے تو پھر ہر سرت دشمنی کا رواج ہو گا اور کہیں بھی امن و امان کا نام و نشان باقی نہ رہے گا اسی طرح انسان کے وہ دوسرے تمام ضروریات جن کے بغیر اسکے لئے روئے زمین پر زندگی گزارنا ممکن نہیں ہے ان کے لئے بھی خداوند عالم نے کوئی نہ کوئی جذبہ اور خواہش ضرور رکھی ہے اور اسی خواہش کے ذریعہ ان ضروریات کی فراہمی کا انتظام کیا ہے۔

۲۔ خواہشات ترقی کا زینہ

خواہشات انسانی زندگی میں ترقی کا زینہ ہیں اسی کے ساتھ یہ وہ پھسلن بھراستہ بھی ہے جس پر چل کر انسان پستیوں میں بھی پہنچ سکتا ہے۔ اور اسی زینہ کے ذریعہ خدا نک بھی پہنچ سکتا ہے سبی زینہ انسان کی ترقی اور تکامل میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جسکی تفصیل کچھ یوں ہے۔

قرب خدا کی جانب انسان کا سفر اور اسی طرح انسان کی نشوونما کا دار و مدارس کے ”ارادہ“ پر ہے جبکہ جمادات، حیوانات اور نباتات کی نشوونما اور ان کا انکامی سفر ایک فطری اور قہری انداز میں انجام پاتا ہے۔ اور اس میں ان کے کسی ارادہ کا داخل نہیں ہوتا ہے لیکن انسان کو خداوند عالم نے ”ارادہ“ کے ذریعہ یہ خاص شرف بخشنا ہے کہ اس کی ہر حرکت، ہر کام اسکے اپنے ارادہ و اختیار کے تحت انجام پاتا ہے۔ انسان اور کائنات کی دوسری تمام اشیاء مشیت و ارادہ الٰہی کے تابع ہیں اس اعتبار سے ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے فرق صرف اتنا سا ہے کہ انسان اپنے ارادہ و اختیار کے ساتھ مشیت الٰہی کا تابع ہوتا ہے اور باقیہ کائنات فطری اور قہری طور پر یعنی اپنے ارادہ و اختیار کے بغیر مشیت الٰہی کے مطابق چلتی رہتی ہے۔

احکام الٰہی دراصل خدا کی مشیت اور اس کے ارادہ کا مظہر ہیں جن پر بندہ اپنے اختیار سے چلتا ہے اسی طرح من الٰہی بھی مشیت و ارادہ الٰہی کا مظہر ہیں جن پر جمادات نباتات اور حیوانات اپنے ارادہ و اختیار کے بغیر رواں دوال ہیں۔

اسی لئے انسان کو قرآن مجید میں ﴿خليفة الله﴾ قرار دیا گیا ہے (۱) اور اسکے علاوہ پوری کائنات کو ﴿مسخرات بأمره﴾^۲ کے حکم کی تابع، کہا گیا ہے۔ (۲)

(۱) سورہ بقرہ آیت ۳۰۔

(۲) سورہ اعراف آیت ۵۳ و سورہ حمل آیت ۲۹ و ۳۰۔

خلاف اور تغیر کے درمیان ایک چیز مشترک ہے اور ایک لحاظ سے ان کے درمیان اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ ان کا مشترک پہلو یہ ہے کہ دونوں ہی مشیت و ارادہ الہی کے تابع اور مطیع ہیں البتہ اس لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں کہ خلیفہ خدا (انسان) اپنے ارادہ و اختیار سے حکم الہی کی پابندی کرتا ہے اور (المسخوات با مرہ) تقریباً مشتبہ انداز میں اپنے کسی ارادہ و اختیار کے بغیر حکم خدا پر چلتے رہتے ہیں۔

اور یہی نکتہ انسان کی عظمت و بلندی کا راز ہے کیونکہ اگر وہ بھی اپنے قصد و ارادہ سے خداوند عالم کی اطاعت نہ کرتا اور مجبور ہوتا تو پھر اسکے اور بقیہ پوری کائنات کے عمل میں کوئی فرق نہ ہوتا اور اس کے عمل کو کسی قسم کا انتیاز یا برتری حاصل نہ ہوتی۔

اسی ارادی اور اختیاری اطاعت نے دیگر مخلوقات کے مقابل انسان کو خلافت الہیہ کا اہل بنایا ہے اور اسی بناء پر اسکے ہر عمل کی قدر و قیمت بھی اسکی محنت و مشقت کے مقابل ہوتی ہے۔ چونکہ ارادی عمل میں جسمانی زحمت کے ساتھ نفسیاتی اور روحانی زحمت و مشقت بھی برداشت کرنا پڑتی ہے لہذا خدا کے نزدیک اس عمل کی قدر و قیمت زیادہ ہونی ہی چاہئے۔ ارادی عمل سے پیدا ہونے والی حرکت میں سرعت و استحکام بھی زیادہ ہونا چاہئے لہذا یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ ایک انسان تو کسی عمل کیلئے باقاعدہ زحمتیں انٹھائے اور دوسرا شخص بغیر کسی مشقت کے کوئی عمل انجام دے اور قدر و قیمت کے اعتبار سے دونوں برابر قرار دیئے جائیں۔

جیسے ”کھانے پینے“ اور ”روزہ رکھنے“ کے درمیان زمین آسمان کا فرق پایا جاتا ہے جبکہ چاہے کھانا پینا ہو اور یا روزہ ہو یہ سب اعمال قصد و ارادہ اور حکم الہی کی اطاعت کے جذبے سے انجام پاتے ہیں لیکن کھانے پینے میں چونکہ انسان کے ارادہ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا اور اس میں اسے کسی قسم کی زحمت و مشقت نہیں ہوتی ہے اور چونکہ ہر عمل کی قیمت کا اندازہ اس عمل کی راہ میں ہونے والی اس محنت و مشقت کو دیکھ کر لگایا جاتا ہے جو اس عمل کو پایہ تک پہنچانے کیلئے درکار ہوتی ہے اور

کیونکہ کھانے پینے میں اسی کوئی خاص زحمت نہیں ہے لہذا روزہ کے برخلاف اس عمل کی کوئی خاص اہمیت بھی نہیں ہے۔

جس عمل میں زحمت و مشقت کی مقدار جتنی زیادہ ہوگی اس عمل کی قدر و قیمت بھی اسی اعتبار سے بڑھتی رہے گی۔ اور ایسا عمل انسانی ترقی اور قرب الہی کے سفر میں زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ لہذا اصل حیثیت عمل پر صرف ہونے والی محنت و مشقت کی ہے اور اگر یہ محنت و مشقت نہ ہو تو پھر عمل بالکل بے قیمت ہو کر رہ جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ زحمت و مشقت کیا ہے؟ یہ کیسے حاصل ہوتی ہے؟ اور اسکے درجات مختلف کیوں ہوتے ہیں؟

اس زحمت و مشقت کو دینی اصطلاح میں "اتلا" یعنی امتحان اور آزمائش کہا جاتا ہے اور یہ زحمت و مشقت خواہشات اور آرزوؤں کے وقت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اگر ہمارے وجود میں خداوند عالم کی ودیعت کردہ یہ خواہشات نہ ہوتی یا اسی طرح ان خواہشات کی مخالفت کے بغیر اطاعت ممکن ہوتی تو پھر ہمارے کسی عمل کی کوئی قیمت باقی نہ رہ جاتی اور کوئی عمل بھی قرب الہی کا ذریعہ نہیں بن سکتا تھا۔

اس اتلا اور مشقت کے درجات میں تفاوت دراصل خواہشات اور آرزوؤں کی شدت و ضعف یا کسی وزیادتی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ خواہشات جتنی زیادہ طاقتور ہوگئی ان پر قابو پانے کیلئے انسان کو اتنی ہی مشقت اٹھانا پڑے گی (۱) اور عمل کو انجام دینے کیلئے خواہشات نفس کی جتنی زیادہ مخالفت درکار ہوتی ہے وہ عمل قرب خدا کیلئے اتنا ہی بیش قیمت ہوتا ہے اور اسی کے مطابق خداوند عالم اسے جنت میں ثواب عنایت فرماتا ہے۔

(۱) خواہشات کے بارے میں اسلام کا نظریہ اعتدال واضح ہے اور اسے تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ:

اسلام نتوں کمل طور پر خواہشات کا گلا گھونٹے کی اجازت دیتا ہے اور نہ وہ انھیں مطلق العنان چھوڑنے کا قائل ہے بلکہ اسلام کا ہر انسان سے صرف اتنا مطالبہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو شرعی احکام کے دائرہ میں پورا کرتا رہے۔

اس وضاحت کے بعد بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اپنے پروردگار کی جانب انسان کے ارتقائی سفر میں خواہشات کی کیا قدر و قیمت ہے کیونکہ قرب الہی کے ہر راہ پر کو خواہشات اور آرزوؤں کے اس دلدل سے گزرنما پرے گا جسے خداوند عالم نے ہر انسان کے وجود کا حصہ قرار دیا ہے۔

اس وضاحت سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جس طرح خواہشات پستی اور ہلاکت کا باعث ہیں اسی طرح خداوند عالم تک یہو پختے کا زینہ بھی ہیں یہ نظریہ اسلامی فکر کی امتیازی جدت کا ایک نمونہ ہے۔

جس کی طرف متعدد روایات میں اشارہ پایا جاتا ہے مگر ہم اس مقام پر بطور نمونہ صرف

دور روایات ذکر کر رہے ہیں:

ا۔ (عن أبي البجير، وكان من أصحاب النبي (ص) قال: أصاب النبي (ص) يوماً جوع شديد، فوضع حجراً على بطنه ثم قال: "اللَّهُ أَكْرَمٌ طَاعِمُهُ، نَاعِمَةٌ فِي الدِّينِ إِجَانِعَةٌ، عَارِيَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الْأَرْبُّ مَكْرُمٌ لِنَفْسِهِ، وَهُولَاهَا مَهِينٌ، الْأَرْبُّ مَهِينٌ لِنَفْسِهِ، وَهُولَاهَا مَكْرُمٌ، إِلَّا يَاربُّ مَتْخَوْضٍ، مَتْنَعِمٍ، فِيمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مَا لَهُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ خَلَاقٍ، إِلَّا وَإِنْ "عَمَلَ الْجَنَّةَ" حَزْنَةٌ بَرْبُوَةٌ، إِلَّا وَإِنْ "عَمَلَ النَّارَ" سَهْلَةٌ بِشَهْوَةٍ، إِلَّا يَاربُّ شَهْوَةٍ سَاعِيًّاً أَوْرَثَتْ حَزْنَاطُوْبِلَا) (۱)

"بیخبر اکرم ملکیلہم کے ایک صحابی ابی بجیر کا بیان ہے کہ ایک روز آنحضرت ملکیلہم کو بے حد بھوک گئی تھی تو آپ نے اپنے شکم مبارک پر پتھر کھلیا اور فرمایا:

نعمتوں کے خواہشند کتنے ایسے افراد ہیں جنہیں دنیا میں نعمتوں مل جاتی ہیں لیکن وہ قیامت کے دن بھوکے اور برہنہ ہو گئے یاد رکھو! بظاہر اپنے نفس کی عزت کرنے والے نہ جانے کتنے لوگ خود نفس کی توہین کرتے ہیں۔ اور نفس کو رسوائرنے والے کتنے افراد ہیں جو دراصل نفس کی عزت

افزائی کرتے ہیں۔ یاد رکھو! کتنے لوگ ان نعمتوں سے سرشار ہیں جو خداوند عالم نے اپنے رسول کو عنایت فرمائی ہیں مگر خدا کے نزدیک ان کا کوئی مرتبہ نہیں ہے یاد رکھو! کہ جنت والا عمل "حزنه بربوہ" (ناہموار پیمازی پرچھتے کے مثل) ہے اور جہنمی اعمال خواہشات کے عین مطابق اور آسان ہیں یاد رکھو! ابسا اوقات ایک ساعت کی شہوت، طویل حزن و ملال کا سبب ہوتی ہے۔

اس روایت میں متعدد قابل توجہ فکر انگیز نکات پائے جاتے ہیں جن سے یہ مفید نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں جیسے کتنے نفس ایسے ہیں کہ جب انہیں کسی چیز کی خواہش ہوتی ہے تو انہیں وہ نعمت مل جاتی ہے مگر وہ اپنی خواہشات کی بناء پر حرام و حلال کی کوئی فکر نہیں کرتے۔۔۔ ایسے لوگ روز قیامت بھوکے اور برہمنہ لائے جائیں گے۔

اور اسی طرح بعض اپنی خواہشات اور آرزوؤں کو پورا کرنے کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس طرح اپنے نفس کی عزت و احترام میں اضافہ کر رہے ہیں جب کہ درحقیقت وہ نفس کی توہین کر کے اسے تکلیف پہنچا رہے ہیں۔

کچھ لوگ اپنے نفس کے ساتھ شدت اور سختی سے پیش آتے ہیں اور جب وہ کسی شہوت اور خواہش کی طرف آگے بڑھنا چاہتا ہے تو صرف اسے روکتے ہی نہیں بلکہ اسکے ساتھ ساتھ اسکی توہین و تذمیل بھی کرتے ہیں یہ عمل درحقیقت اپنے نفس کی عزت افزاںی اور احترام ہے۔

اور کچھ ایسے ہیں جو بالکل اندر ہادھنا اپنی خواہشات میں ڈوبے رہتے ہیں انھیں صرف دنیاوی لذت سے مطلب ہے ایسے لوگوں کو آخرت میں کچھ ہاتھ آنے والا نہیں ہے۔ یہ لوگ آخرت کی نعمتوں سے محروم رہیں گے۔

حدیث کے ان الفاظ پر مزید توجہ فرمائیں:

﴿الا وان عمل الجنۃ حَزْنَةٌ بِرَبْوَةٍ﴾

"حزنة ربوہ" والا عمل جنت میں لے جاتا ہے۔"

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

”حرزہ“ ناموار پھر ملی زمین اور ”رسوہ“ اس پر چلنے کو کہا جاتا ہے۔ جو شخص ناموار اور پھر ملی پیاریوں پر چڑھتا ہے اسکا سائنس پھول جاتا ہے اور ہمت جواب دینے لگتی ہے اور آخری منزل تک پہنچنے تک اسکو بیجہ مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسے دریا کے بھاؤ کے خلاف تیرنے میں انسان کی ہمت جواب دینے لگتی ہے لیکن ناموار راستہ پر چلنایا دریا کے رخ کے مطابق تیرنا نہایت ہی آسان کام ہے یہی حال جنت اور جہنم کے اعمال یعنی اطاعت و معصیت کا بھی ہے کہ گناہ کرتے وقت تو انسان آسمانی کے ساتھ خواہشات کے بھاؤ میں بہتر ہتا ہے لیکن اطاعت خدا کرتے وقت اسے اپنے نفس کی جانب سے مراحت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ نجح البلاغہ میں منقول ہے کہ مولا نے کائنات نے پیغمبر اکرم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول

اللہ برابر یہ فرمایا کرتے تھے:

﴿إِنَّ الْجَنَّةَ حُفْتَ بِالْمَكَارِهِ، وَإِنَّ النَّارَ حُفْتَ بِالشَّهْوَاتِ، وَاعْلَمُوا إِنَّهُ مَا مِنْ طَاعَةَ اللَّهِ شَيْءٌ إِلَّا يَأْتِي فِي كُرْهٖ، وَمَا مِنْ مُعْصِيَةَ اللَّهِ شَيْءٌ إِلَّا يَأْتِي فِي شَهْوَةٍ، فَرَحْمَ اللَّهُ أَنْزَعَ نَفْسَهُ عَنْ شَهْوَتِهِ، وَقَمْعَ هُوَ نَفْسَهُ، فَإِنَّ هَذِهِ النَّفْسَ أَبْعَدُ شَيْءاً مِنْ زِعَماً، وَإِنَّهَا لَا تَرِدُ تَنْزَعَ إِلَى مُعْصِيَةٍ فِي هُوَ﴾ (۱)

”جنت کے چاروں طرف مشکلات اور زحمتوں کا حصار ہے اور جہنم کے چاروں طرف شہوتوں (خواہشات) کا گھر اور ہے اور یہ یاد رکھو کہ خدا کی کوئی اطاعت ایسی نہیں ہے جس میں کچھ نہ کچھ زحمت اور ناگواری کا پہلو نہ ہو اور اسکی کوئی معصیت ایسی نہیں ہے جس میں شہوت اور ہوئی اوہ وہ شامل نہ ہو۔ اللہ اس بندے پر رحمت نازل کرے جو اپنے نفس کو ہوئی وہوں سے دور کر لے اور اپنی ہوں کو بالکل الکھاڑ پھینکے کہ یہ نفس خواہشات میں بہت دور تک کھینچ لے جانے والا ہے اور ہمیشہ

گناہوں کی خواہش کی طرف ہی کھنچتا ہے۔“

یہ حدیث ہمارے اس نتیجہ کی بہترین دلیل ہے جسے ہم نے روایات سے اخذ کر کے یہاں پیش کیا ہے کیونکہ جنت و جہنم ہی ہر انسان کی آخری منزل ہے جو انسان خداوند عالم کی طرف محرکت ہے وہ جنت میں جائے گا اور جو اسکی نافرمانی کرے گا وہ اتنا ہی پستیوں میں پہنچ کر جہنم کا نوالہ بن جائے گا۔

جنت کے چاروں طرف مشکلات اور ناگواریوں کے حصار کا مطلب یہ ہے کہ اس تک پہنچنے کے لئے انسان کو ہر طرح کی مشکلات سے گذرنا پڑتا ہے لیکن خواہشات اور ہوئی وہوں پر قابو پانے، تسلط حاصل کرنے اور اسے کچلنے کے لئے سخت رحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جبکہ جہنم کے ہر طرف خواہشات اور ہوئی وہوں کا بیسرا ہے انسان خواہشات اور ہوئی وہوں کے درمیان پھسل کر ہی متزلی اور پستیوں میں بدلنا ہوتا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی اس حدیث کی روشنی میں امیر المؤمنینؑ نے ایک عام اصول ہمارے حوالے کر دیا ہے:

﴿مَانَ طَاعَةَ اللَّهِ شَيْءٌ إِلَيْهِ أُنْتَ فِي كَرَهٖ وَمَا مَنَ مُعْصِيَةَ اللَّهِ شَيْءٌ إِلَيْهِ أُنْتَ فِي فَرَحٖ﴾

شہود

”ہر اطاعت خدا کے وقت کچھ نہ کچھ ناگواری ضرور محسوس ہوتی ہے اور ہر گناہ میں ہوں کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور پایا جاتا ہے۔“

اطاعت الہی کرتے وقت نفس کو اسکی خواہشات ولذات اور ہوئی وہوں سے دور رکھنے کے لئے انسان کو ناگواری کا احساس ہوتا ہے جبکہ وہ گناہوں میں لذت محسوس کرتا ہے کیونکہ اس سے نفس کی ہوں اور خواہشات پوری ہوتی ہیں اور اسے کسی قسم کے اندر وہی تکڑا کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ان تمام تفصیلات کے بعد یہ حقیقت بآسانی قبول کی جاسکتی ہے کہ انسان کے لئے

خواہشیں! احادیث الحدیث کی روشنی میں

خداوند عالم تک پھو پختے کی راہیں خواہشات اور لذتوں کی دشوار گزار وادیوں سے ہو کر ہی گذرتی ہیں اور انسان خواہشات کے زینے سے ہی ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا خداوند عالم تک پھو پختا ہے۔ اگر انسانی وجود میں یہ خواہشات نہ ہوتیں تو انسان کے لئے اس منزل مراج و کمال تک پھو پختا ہرگز آسان نہ ہوتا جس کا اسے الٰ قرار دیا گیا ہے۔

عمل اور عمل کا سلسلہ

خداوند عالم نے انسانی وجود میں خواہشات کو ودیعت فرمائے کے لئے درحقیقت ایک ایسا ذخیرہ فراہم کر دیا جس سے انسان اپنی ہر ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ جیسے پروردگار نے انسان کے لئے زمین کے اندر کھانے پینے اور بس کی جملہ ضروریات، سمندروں میں پینے اور سینچائی کے لئے پانی نفاضا میں ہوا اور انسان کے لئے مختلف اقسام کے ذخیرے فراہم کر دیے کہ انسان ان تینوں عناصر سے حسب ضرورت آب و غذا یا دوسرے خام مواد حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح خداوند عالم نے ان خواہشات کے ضمن میں انسانی کے اندر علم و معرفت، یقین اور بندگی کے خزانے بھی ودیعت فرمائے ہیں۔

نسانی خواہشات درحقیقت حیوانی وجود کا مقدمہ ہیں اور ان خواہشات کا اکثر حصہ حیوانات کے اندر پایا جاتا ہے صرف انسان ایک ایسی مخلوق ہے جسکو خداوند عالم نے ”ارادہ“ کے ذریعہ ان خواہشات پر غلبہ حاصل کرنے، انہیں روکنے یا محروم درکھنے کی صلاحیت بھی عنایت فرمائی ہے اور اسی ارادہ کے ماتحت ہو جانے کے بعد یہ اڑیں اور خود سر حیوانی خصلتیں بھی بہترین روحانی اور اخلاقی فضائل و اقدار، بصیرت و یقین، عزم و استقلال اور تقویٰ و پر ہیزگاری جیسی حسین شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

وہ خواہشات جن سے انسان کے اندر حیوانی اور جسمانی پہلو کی تکمیل ہوتی ہے یہ جب کنٹرول اور قابو میں رکھنے والے اساب کے ماتحت آتی ہیں تو اخلاقی اقدار میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور وہی خواہشات اس کے ”انسانی“ پہلو کی تغیری میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ خود سر حیوانی خواہشات تقویٰ اور پر ہیزگاری کے ذریعہ کس طرح

ان بلند و بالا انسانی اقدار میں تبدیل ہوتی ہیں اور تقویٰ و پر ہیزگاری کی بنا پر نفس کے اندر کس قسم کے تغیرات اور تبدیلیاں رونما ہوتے ہیں جو اس حیوانی خصلت کو علم و یقین اور صبر و بصیرت میں تبدیل کر دیتے ہیں؟ اسکا جواب ہمیں نہیں معلوم ہے۔

بلکہ نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایک تو یہ کہ ہمیں یہ بات معلوم نہیں ہے۔ اور مزید افسوس یہ کہ علم و معرفت کا یہ وسیع باب انسان کیلئے آج تک نہ کھل سکا اور قدیم و جدید ماہرین نفیات یہاں تک کہ اسلامیات کے ماہرین میں سے کوئی بھی آج تک اس گھنی کو سمجھانے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔

لیکن جب ہم خود اپنے نفس کے اوپر ایک لگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں اسکے اندر بڑے پیچائے پر رونما ہونے والے عمل اور رو عمل کے سلسلہ کا صاف اشارہ ملتا ہے جیسے حیاء، جنسی خواہشات پر غلبہ حاصل کرنے کا "ذریعہ" ہی نہیں ہے بلکہ حیاء ان خواہشات کو کچلنے کا "نتیجہ" بھی ہے۔ چنانچہ انسان ادب، فن اور ذوق کے غیر اخلاقی موقع پر جس حد تک جنسی خواہشات کو کچلتا رہتا ہے اس کی حیا میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

ادب سے ہماری مراد، ہرگز بد کاری نہیں ہے البتہ وہ بلند پایہ ادب، فن اور ذوق جس کی بناء انسان حیوانیت سے متاز ہوتا ہے وہ اسی قوت برداشت اور تقویٰ کی بنا پر حاصل ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں جب ہم قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اسکے اندر بھی ہمیں واضح طور پر اشارے ملتے ہیں جو ہمیں اپنے نفس کے بارے میں غور کرنے سے حاصل ہو رہے تھے۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿... وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيَعْلَمُكُمُ اللَّهُ...﴾ (۱)

”یعنی تم پر ہیزگار اور متقیٰ بن جاؤ اور خداوند عالم تم کو دولت علم عطا فرمائے گا“

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس آیت کا دوسرا جملہ ﴿وَيَعْلَمُكُمُ اللَّهُ﴾ پہلے جملہ پر بغیر کسی رابطہ کے عطف کیا گیا ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے؟ یا ایسا نہیں ہے بلکہ علم و تقویٰ میں گہر ارباط ہے اور یہ دونوں جملے درحقیقت ایک ہی سکھ کے دروغ ہیں۔ اور ایک ترازو کے دو پڑوں کی طرح ہیں؟

جو شخص بھی قرآن مجید کے اسلوب سے باخبر ہے وہ ائمہ کوئی شک و شبہ نہیں کر سکتا اور وہ یقینی طور پر جانتا ہے کہ یہ دونوں جملے ایک ہی ترازو کے دو پڑوں کی مانند ہیں۔ خداوند عالم نے اپنے بندوں کے لئے یہاں جس علم کا تذکرہ فرمایا ہے وہ علم تقویٰ کا ہی مقیجہ اور اثر ہے اور یہ علم اس علم سے بالکل مختلف ہے جسے ہم تعلیم کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں۔ یہ علم، نور ہے جو خداوند عالم اپنے جس بندے کو چاہتا ہے عطا فرمادیتا ہے۔

اس نور کی طرف سورہ حمدید کی یہ آیہ کریمہ بھی اشارہ کر رہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَقَوَّلَ اللَّهُ وَآمَنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتُكُمْ كَفَلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُجْعَلُ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ﴾ (۱)

”ایمان والو اللہ سے ڈرو اور رسول پر واقعی ایمان لے آؤ تاکہ خدا جمیں اپنی رحمت کے دو ہرے حصے عطا کر دے اور تمہارے لئے ایسا نور قرار دیں جسکی روشنی میں چل سکو“
اس نور سے مراد علم ہے لہذا سورہ بقرہ اور سورہ حمدید دونوں مقامات پر علم اور تقویٰ کے درمیان ایک جیسا رابطہ پایا جاتا ہے۔

تقویٰ خواہشات کے طوفان کے سامنے بند باندھنے کا نام ہے اور خواہشات کے سامنے

لگائی جانے والی بھی بندش ایک دن نور علم و بصیرت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

جناب یوسفؐ کے واقعہ کے ذمیل میں ارشادِ الہی ہے:

﴿وَلَمْ يَأْبُلْ أَشْدَهُ آتِيَاهُ حُكْمًا وَعُلَمًا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ (۱)

”اور جب یوسفؐ اپنی جوانی کی عمر کو پہلو نچے تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا کر دیا کہ ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں“

جناب موسیؐ کے قصہ میں بھی یعنیہ بھی تذکرہ موجود ہے:

﴿وَلَمْ يَأْبُلْ أَشْدَهُ وَاسْتُوئِ آتِيَاهُ حُكْمًا وَعُلَمًا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ (۲)

”اور جب موسیؐ جوانی کی توانائیوں کو پہلو نچے اور تند رست ہو گئے تو ہم نے انہیں علم اور حکمت عطا کر دی اور ہم اسی طرح نیک عمل کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں“

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے جناب موسیؐ اور جناب یوسفؐ کو اس خاص انعام سے کیوں نواز اور سرے لوگوں کو یہ فتح کیوں نہیں ملی؟ کیا خدا یوں ہی بلا سبب اپنے بعض بندوں کو ایسے اعزاز سے نواز دیتا ہے اور دوسروں کو محروم رکھتا ہے؟ یا ایسا نہیں ہے بلکہ یہ سب تہذیبیاں ثابت و استوارِ الہی سنتوں کے تحت انجام پاتی ہیں۔

جو لوگ قرآنی لمحے سے واقف ہیں انھیں اس بات میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ ان دونوں آئیوں میں علم و حکمت کا تعلق ”احسان“ سے قرار دیا گیا ہے۔ ”وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ“ اور ہم احسان کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں، ”توجبہ علم و حکمت جو جناب موسیؐ اور جناب یوسفؐ کو خدا کی طرف سے عطا کی گئی ہے وہ سنتِ الہی کی بناء پر احسان سے

(۱) سورہ یوسف آیت ۲۲

(۲) سورہ قصص آیت ۱۳

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں
مربوط ہے تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ محسین اپنے احسان اور حسن عمل کی وجہ سے ہی رحمت الہی کے مستحق ہوتے ہیں اور اسی بناء پر ان کو اسکی بارگاہ سے علم و حکمت کی دولت سے نوازا جاتا ہے۔ لہذا اس استدلال کی درمیانی کڑیوں کو چھوڑتے ہوئے ہم خفقر طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ”درحقیقت وہ احسان، علم و حکمت میں تبدیل ہو گیا ہے۔“

اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ تقویٰ اور خواہشات نفس کی مخالفت، احسان کا واضح ترین مصدقہ ہیں۔

فی الحال ہم اس موضوع کو مزید طول نہیں دے سکتے کیونکہ اس اہم موضوع کے لئے ہمارے پاس مناسب مقدار میں علمی مواد موجود نہیں ہے۔ خداوند عالم سے یہی دعا ہے کہ کوئی ایسا صاحب علم و کمال پیدا ہو جائے جو بہترین انداز سے اس مسئلہ کی گتھیاں سمجھادے۔ کیونکہ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ نفس کے اندر عمل اور عمل کا سلسلہ بالکل اسی طرح رونما ہوتا رہتا ہے جس طرح فیزکس، کیمیئری اور زیستی وغیرہ کے میدانوں میں دکھائی دیتا ہے مثلاً حرارت حرکت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور حرکت حرارت میں بدل جاتی ہے یا بجلی کی طاقت حرکت پیدا کر دیتی ہے اور اسی حرکت سے بجلی بنا لی جاتی ہے بالکل اسی طرح نفس کے اندر بھی عمل اور عمل کا سلسلہ پایا جاتا ہے جسکی طرف قرآن مجید کی بعض آیتوں میں سرسری اشارہ موجود ہے، لہذا اسلام سے تعلق رکھنے والے علم النفس کے ماہرین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نفس کے اسرار سے پرده ہٹا کر ان کے اصول و قوانین کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

خواہشات کا تخریبی کردار

خواہشات اور طاغوت

انسانی زندگی میں بربادی کا ایک مرکز انسانی ہوئی وہوس اور خواہشات ہیں اور دوسرا مرکز

طاغوت ہے اسکے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ ہوئی وہوس نفس کے اندر رہ کر تحریکی کا رروائی کرتی ہے اور طاغوت یہی کام نفس کے باہر سے انجام دیتا ہے اس طرح یہ دونوں انسان کو قتل و فساد اور بتاہی کی آگ میں جھونک دیتے ہیں۔ بس ان کا انداز جدا ہوتا ہے۔

شیطان ان خواہشات کے ذریعہ انسان کے اندر داخل ہو کر اس پر اپنا بچہ جماليتا ہے جبکہ سماج یا معاشرہ اور قوموں کے اوپر طاغوت کے ذریعہ اپنی گرفت مصبوط رکھتا ہے۔ اسی لئے خداوند عالم نے قرآن مجید میں نفس کی پیروی کرنے سے بار بار منع کیا ہے اور اسکی مخالفت کی تاکید فرمائی ہے۔ نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿فَلَا تَتَبَعُوا الْهُوَى﴾ (۱)

”لہذا ہوئی وہوس کی پیروی نہ کرنا“

﴿وَلَا تَتَبَعُ الْهُوَى فِي ضَلَالٍ عَن سَبِيلِ اللهِ﴾ (۲)

”اور خواہشات کا اتباع نہ کرو کہ وہ راہ خدا سے مختصر کر دیں“

﴿وَلَا تَتَبَعُ اهواهِهِمْ عَما جائَكُمْ مِنَ الْحَقِّ﴾ (۳)

”اور جو کچھ حق تھا رے پاس آیا ہے اسکے مقابلہ میں ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو“ ہوئی وہوس کی پیروی سے بچنے کی مانند خداوند عالم نے ہمیں ”طاغوت“ کا انکار کرنے اور اس سے دور رہنے کا بھی حکم دیا ہے:

﴿يَرِيدُونَ أَن يَتَحَكَّمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أَمْرَوْا أَن يَكْفُرُوا بِهِ﴾ (۴)

(۱) سورہ نسا آیت ۱۳۵۔

(۲) سورہ حم آیت ۲۶۔

(۳) سورہ مائدہ آیت ۳۸۔

(۴) سورہ نسا آیت ۶۰۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

”وہ یہ چاہتے ہیں کے سرکش لوگوں (طاغوت) کے پاس فصلہ کرائیں جبکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں“

﴿وَالَّذِينَ اجتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَن يَعْبُدُوهَا وَأَنابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبَشَرَى﴾ (۱)
”اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے علیحدگی اختیار کی اور خدا کی طرف متوجہ ہو گئے ان کے لئے ہماری طرف سے بشارت ہے“

﴿وَلَقَدْ بَعْثَنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَن يَعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ﴾ (۲)
”اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ تم لوگ اللہ کی عبارت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو“

عقل اور دین

ہوئی وہوس اور طاغوت کے مقابلہ میں انسان کو راست پر ثبات قدم عطا کرنے کیلئے خداوند عالم نے دوراتے کھول دئے ہیں ایک عقل اور دوسرے دین۔ عقل انسان کے اندر رہ کر اسکی اصلاح کرتی ہے اور دین باہر سے اسکی ہدایت کا کام انجام دیتا ہے۔
اسی لئے حضرت امیر المؤمنینؑ نے فرمایا ہے:

﴿العقل شرع من داخل، والشرع عقل من خارج﴾ (۳)
”عقل اندر و نی شریعت ہے اور شریعت بیرونی عقل کا نام ہے“
امام کاظمؑ کا ارشاد ہے:

(۱) سورہ زمر آیت ۷۴۔

(۲) سورہ جمل آیت ۳۶۔

(۳) مجمع ابحرین للطریقی مادہ عقل۔

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَى النَّاسِ حِجَّتِينِ حِجَّةُ الظَّاهِرَةِ وَحِجَّةُ الْبَاطِنَةِ فَأَمَا الْحِجَّةُ الظَّاهِرَةُ

فَالرَّسُولُ وَالْأَنْبِيَاءُ وَالْأَئِمَّةُ وَأُمَّا الْبَاطِنَةُ فَالْعُقُولُ﴾ (۱)

”لوگوں کے اوپر خداوند عالم کی دو جھیں اور دلیلیں ہیں جن میں ایک ظاہری اور دوسرا پوشیدہ اور باطنی جھت ہے۔ ظاہری جھت انبياء، مرسیین اور ائمہ ہیں اور پوشیدہ اور باطنی جھت ”عقل“ ہے۔“

عقل اور دین کے سہارے انسان داخلی و خارجی سطح پر بخوبی ہوئی وہوس اور طاغوت کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ مولاۓ کائنات نے فرمایا ہے:

﴿فَقَاتِلُهُو أَكْبَرُ بِعْقَلِكَ﴾ (۲)

”اپنی عقل کے ذریعہ اپنی خواہشات سے جنگ کرو“

خواہشات کی تباہ کاریاں

یہ بے لگام قوت جسکے مطالبات کی بھی کوئی حد نہیں ہے یہ انسان کے اندر تحریک کاری اور فساد و انحراف کی اتنی زیادہ قوت و طاقت رکھتی ہے کہ اس کی طاقت کے برابر شیطان اور طاغوت جیسی طاقتوں کے اندر بھی قوت و طاقت نہیں پائی جاتی ہے۔

اور سب سے زیادہ خطرناک بات تو یہ ہے کہ انسان کو نیست و نابود کرنے والی یہ طاقت انسان کے وجود میں ہی سمائی ہوئی ہے اور انسان کے پاس اس سے چھکارا حاصل کرنے کا کوئی راست بھی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ تیغبرا کرم کو اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ جن دو چیزوں کا خوف لاحق تھا ان میں سے ایک ”خواہشات نفس“ ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

(۱) بخاری حص ۷۷۔ اصول کافی ح حص ۱۶۔

(۲) نهج البلاغہ حکمت ۳۲۲

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

﴿إِنَّ أَخْرَفَ مَا أَحَافَ عَلَىٰ أُمَّتِي: الْهُرُى وَطُولُ الْأَمْلِ، أَمَا الْهُرُى فَإِنَّهُ يَصْدُ عَنِ الْحَقِّ، وَأَمَا طُولُ الْأَمْلِ فَإِنَّهُ سَبِيلٌ إِلَى الْآخِرَةِ﴾ (۱)

”مجھے اپنی امت کے بارے میں دو چیزوں کا سب سے زیادہ خوف لاحق رہتا ہے ہوئی وہوں، لمبی آرزوئیں، کیونکہ خواہشات، حق تک پہنچنے کے راستے بند کر دیتی ہیں اور لمبی لمبی آرزوئیں آخرت کا خیال ذہن سے نکال دیتی ہیں“
اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہوئی وہوں انسان کے اندر رہ کر اسے گراہ کرتی ہے اسی لئے مولاۓ کائنات ”نے فرمایا ہے:

﴿اللَّذَاتُ مُفْسِدَاتٍ﴾ (۲)

”لذتیں جاہ کن ہیں“

تباہ کاری کے مراحل

حیات انسانی میں خواہشات کے منقی اور تخریبی کردار پر بھی ہمیں غور کرنا چاہئے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انسانی وجود میں کچھ ایسے بنیادی حرکات پائے جاتے ہیں جن کی بنا پر علم و معرفت پیدا ہوتی ہے اور انہیں کے ذریعہ انسان کی مادی اور معنوی زندگی پروان چڑھتی ہے اسی طرح اسکے انسانی اور حیوانی دونوں پہلوؤں کی انہیں حرکات کے ذریعہ مجمل ہوتی ہے۔

مگر ان تمام حرکات کے درمیان خواہشات اور ہوٹی وہوں ایسا محرك ہے کہ اگر خواہشات اپنی رو میں ہوں اور ان میں طغیانی آجائے تو پھر یہ انسان کے اندر موجود دوسراے حرکات کو بالکل معطل اور تاکارہ بنا دیتے ہیں اور عقل، دل، ضمیر، فطرت اور ارادہ کی حیثیت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ وسقی بیانہ پر

(۱) بخاری الفتوح ۷۰ ص ۸۸ حدیث ۱۹ ج ۷ ص ۵ ۷ حدیث ۳۰ ج ۷ ص ۷ ج ۹ و ۷۔

(۲) غزالہم ج ۱ ص ۱۳۔

ان حرکات کی مطلی کے بعد انسانی پہلو بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے اور انسانی نفس میں محرک کی حیثیت سے خواہشات کے علاوہ کچھ اور باقی نہیں رہتا ہے جبکہ تمام حیوانی پہلوؤں کی تشکیل انہیں خواہشات سے ہوتی ہے۔

اس طرح انسانی زندگی کے اندر یہ مفید اور کارآمد غصہ ہلاکت اور بربادی کا موجب ہو جاتا ہے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَلَا تَنْطِعُ مِنْ أَغْفَلَنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتْبِعْ هُوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فِرْطًا﴾ (۱)

”اور ہرگز اس کی اطاعت نہ کرنا جسکے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے محروم کر دیا ہے اور وہ اپنے خواہشات کا پیر و کار ہے اور اس کا کام سراسر زیادتی کرنا ہے“
فرط تغیریط سے بنائے جسکے معنی ضائع و برباد کرنا ہیں۔

انسانی زندگی میں ہوئی وہوں کے تجزیہ کردار کی طرف قرآن و حدیث میں خصوصی توجہ دلائی گئی ہے تاکہ لوگ خواہشات کے خطرات سے بخوبی آگاہ رہیں اور اسکی تباہ کاریوں کا شکار نہ ہونے پائیں۔

ذیل میں ہم اسلامی نکتہ نظر سے خواہشات اور ہوئی وہوں کی تباہیوں اور بربادیوں کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

ہمیں آیات اور روایات کے مطابق خواہشات کی تجزیہ کا رروائی کے دو مرحلے دکھائی دیتے ہیں پہلے مرحلہ میں تو خواہشات، انسان کے اندر علم و معرفت اور خداوند عالم کی طرف لے جانے والے تمام ذرائع کو م uphol اور نیست و نابود کر کے رکھ دیتی ہیں۔

دوسرے مرحلہ میں ان تمام ذرائع کو م uphol کرنے کے بعد خواہشات انسان کو کمل طور پر

(۱) سورہ کہف آیت ۲۸۷۔

..... خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

اپنے قبضہ میں لے لیتے ہیں اور اس پر خواہشات کی حکمرانی ہوتی ہے انسان ہر انتہار سے ان کی حکومت کے سامنے گھٹنے بیک دیتا ہے اور خواہشات کا اسیر بن کر رہ جاتا ہے جسکے نتیجے میں خداوند عالم نے انسان کو جو کچھ طاقتیں، صلاحیتیں اور فہم و فراست عطا فرمائی تھی وہ سب ہوئی وہوس کا آئندہ کار بن جاتی ہیں۔

اب آپ قرآن وحدیت کی روشنی میں خواہشات کے ان دونوں مرحلوں کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

خواہشات کی تخریبی کا رروایوں کا پہلا مرحلہ

ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ پہلے مرحلہ میں ہوئی وہوس علم و عمل کی تمام خدا واد صلاحیتوں کو معطل کر دیتی ہے۔ اسکے علاوہ بھی یہ انسان کے اندر بہت خرابیاں پیدا کرتی ہے آیات و روایات میں مختلف عنادیں کے تحت ان خرابیوں کا تذکرہ موجود ہے ہم موضوع کی مناسبت سے صرف چند نمونے پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ خواہشات، قلب پر ہدایت کے دروازے بند کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَفَرَأَيْتَ مِنْ أَتَخْذِ الْهُنْهُ هَوَاهُ وَأَضْلَلَهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غُشَارَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ (۱)

”کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش ہی کو خدا بنا لیا ہے اور خدا نے اسی حالت کو دیکھ کر اسے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور اسکے کان اور دل پر ہرگاہی ہے اور اسکی آنکھ پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور خدا کے بعد کوئی ہدایت کر سکتا ہے کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے ہو؟“

دوسرے مقام پر خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿فَيَانَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُ فَاعْلَمُ أَنْمَا يَتَبَعُونَ أَهْوَانَهُمْ وَمَنْ أَضْلَلَ مِنْ إِنْبَعَ

هواء﴾ (۱)

”پھر اگر یہ آپ کی بات کو قبول نہ کریں تو سمجھ لیجئے کہ یہ صرف اپنی خواہشات کا اتباع کرنے والے ہیں اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو خدا کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کا اتباع کرے“

ان آیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواہشات انسان کے دل کے اوپر خدا، رسول، خدائی آیات و دلائل اور ہدایت کے تمام راستے مکمل طور پر بند کر دیتے ہیں اور قلب سے خدا و رسول کی دعوت پر بلیک کہنے کی صلاحیت کو سلب کر لیتے ہیں۔

مزید تائید کے لئے مولائے کائنات کے یہ ارشادات ملاحظہ فرمائیے:

﴿مَنْ اتَّبَعَ هَوَاءَ أَعْمَاهُ، وَأَصْمَهُ، وَأَذْلَهُ﴾ (۲)

”جو اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا خواہشات اس کو اندر ہا بہرا بنا دیں گی اور اس کو ذمیل درسا کر دیں گی۔“

☆ ﴿الْهُوَى شَرِيكُ الْعُمَى﴾ (۳)

”خواہشیں نایابی کے شریک کا رہوتی ہیں۔“

☆ ﴿إِنَّكَ إِنْ أَطَعْتَ هَوَاكَ أَصْمَكَ وَأَعْمَاكَ﴾ (۳)

”اگر تم اپنے خواہشات کی پیروی کرو گے تو وہ تم کو بہر اور اندر ہا بنا دیجے۔“

(۱) سورہ قصص آیت ۵۰۔

(۲) غریاحم ح ۳۲۲ ص ۲۳۲۔

(۳) فتح البلاغہ مکتبہ ۳۱۔

(۴) غریاحم ح اص ۲۶۰۔

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

﴿او صبکم بمحاجۃ الھوی، فلن الھوی یدعو الی العمی وھو الضلال فی الآخرة والدنيا﴾ (۱)

میں تم کو خواہشات سے دور رہنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ خواہشات انہیں پن کی طرف لجاتی ہیں اور وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ کی گمراہی ہے۔“

۲۔ خواہشات گراہی کا ذریعہ

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غِيَّابًا﴾ (۲)

”پھر ان کے بعد ان کی جگہ پر وہ لوگ آگئے جنہوں نے نماز کو بر باد کر دیا اور خواہشات کا اتباع کر لیا پس عنقریب یا اپنی گمراہی سے جاملیں گے“
اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:

﴿وَلَا تَتَبَعُ الھوی فِي ضُلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللہِ انَّ الظَّانِ الَّذِينَ يَضْلُلُونَ عَنْ سَبِيلِ اللہِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ (۳)

”اور (اے داؤر)! خواہشات کی پیروی نہ کرو کہ وہ راہ خدا سے منصرف کر دیں پیش ک جو لوگ راہ خدا سے بھٹک جاتے ہیں ان کیلئے شدید عذاب ہے“
رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَخْوَافَ مَا أَخَافُ عَلَىٰ أُمَّتِي، الْھوِي، وَطُولُ الْأَمْلِ، أَمَّا الْھوِي فَإِنَّهُ

(۱) متدرب وسائل الشیعہ ۲۳۵/۲ طبع قدیم۔

(۲) سورہ سریم آیت ۵۹۔

(۳) سورہ علی آیت ۲۶۔

يَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ، وَأَمَا طُولُ الْأَمْلِ فِي نِسْيَى الْآخِرَةِ ﴿١﴾

”بُجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ دو چیزوں کا خوف ہے۔ خواہشات نفس اور لمبی لمبی آرزوئیں کیونکہ خواہشات اور ہوٹی وہوں حق تک پہنچنے کے راستے بند کر دیتی ہیں اور لمبی لمبی آرزوئیں آخرت کا خیال ذہن سے نکال دیتی ہیں“

۳۔ خواہشات ایک مہلک زہر

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿الشهوات سمومات قاتلات﴾ (۲)

”خواہشات مہلک زہر ہیں“

۴۔ خواہشات آفت اور بیماری

اس سلسلہ میں حضرت علیؑ کے یہ اقوال ملاحظہ فرمائیں:

﴿مِنْ تَسْرِعِ إِلَى الشَّهْوَاتِ تَسْرَعُتُ إِلَيْهِ الْآفَاتُ﴾ (۳)

”جو خواہشات کی طرف جتنی تیزی سے بڑھے گا اسکے اوپر اتنی ہی تیزی سے آفٹیں آن

پریس گی“

﴿احفظ نفسك من الشهوات، تسلم من الآفات﴾ (۴)

”اپنے نفس کو خواہشات سے بچا کر رکھو تو آفٹوں سے محفوظ رہو گے“

(۱) خصال صدوق جلد اصحیح ۲، بخار الانوار ج ۷۰ ص ۵۷ حدیث ۳۰ و ج ۷۱ ص ۷۷ حدیث ۷۰ و ج ۷۱ ص ۸۸

حدیث ۱۹۔

(۲) فرغراجم ج ۱ ص ۳۳۔

(۳) فرغراجم ج ۲ ص ۲۰۱۔

(۴) گذشتہ حوالہ۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

﴿رَأْسُ الْآفَاتِ الْوَلِهُ بِاللَّذِاتِ﴾ (۱)

”آفتوں کی اصل وجہ لذات و خواہشات کا دلدارہ ہوتا ہے۔“

﴿قَرِينُ الشَّهْوَةِ مَرِيضُ النَّفْسِ مَعْلُومُ الْعُقْلِ﴾ (۲)

”شہوتوں اور خواہشوں کے دلدارہ نفس مریض اور عقل بیمار ہوتی ہے۔“

﴿الشَّهْوَاتُ أَعْلَالُ قَاتِلَاتٍ، وَأَفْضَلُ دُوَائِهَا اقْتِنَاءُ الصَّبْرِ عَنْهَا﴾ (۳)

”خواہشات مہلک بیماریاں ہیں اور ان سے پر بیز کرنا ہی ان کی بہترین دوائے۔“

﴿أَوْلُ الشَّهْوَةِ طَرْبٌ وَآخِرُهَا عَطْبٌ﴾ (۴)

”خواہشات کا آغاز لطف انگیز اور انجام زحمت خیز ہوتا ہے۔“

۵۔ خواہشات آزمائشوں کی بنیاد

حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿الْهُوَى أَمْسَى الْمَحْنَ﴾ (۵)

”ہوں آزمائشوں کی بنیاد ہے۔“

۶۔ خواہشات فتنوں کی چراگاہ

حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: **﴿الْهُوَى مَطِيَّةُ الْفَنَ﴾ (۶)**

(۱) غر راحم ج ۱ ص ۳۷۲۔

(۲) غر راحم ج ۲ ص ۷۷ و ۸۷۔

(۳) غر راحم ج ۱ ص ۹۰۔

(۴) غر راحم ج ۱ ص ۱۹۵۔

(۵) غر راحم ج ۱ ص ۵۰۔

(۶) غر راحم ج ۱ ص ۵۱۔

”خواہشات قتوں کی چاگاہ ہیں۔“

آپ ہی کا ارشاد ہے:

(۱) انما بداء وقوع الفتن أهواه تتبع

”قطوں کے واقع ہونے کی ابتداء خواہشات سے ہوتی ہے جنکی پیروی کی جائے۔“

(۲) ایا کم و تمگن الھوی منکم، فان اولہ فتنہ، و آخرہ محنة

”وزرا سنبھل کر، کہیں تمہاری خواہشات تم پر حاوی نہ ہو جائیں کیونکہ اگلی ابتداء فتنہ اور انہا

آزمائش طلب ہوتی ہے۔“

۷۔ خواہشات ایک پستی

حضرت علیؑ :

(۳) الھوی پردی

”ہوئی وہوں پستی میں گردیتی ہے۔“

آپ ہی کا یہ ارشاد بھی ہے:

(۴) الھوی هوی الى اسفل السافلين

”انسانی ہوں، پستیوں کی آخری ہبھوں میں گردیتی ہے۔“

امام جعفر صادقؑ کا قول ہے:

(۵) لاتدع النفس وهو اها، فان هو اها رداها

(۱) نجیب البلاعہ خطبہ ۵۰۔

(۲) غر راحمہ ج ۱۲۔ ۱۲۔

(۳) غر راحمہ ج ۱۳۔ ۶۵۔

(۴) بخار الانوار ج ۰ نکاح ۸۹ حدیث ۲۰۔

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

”نفس کو اس کی خواہشات کے اوپر نہ چھوڑ دو کیونکہ اس کی خواہشات ہی اس کی پستی ہیں“

۸۔ خواہشات موجب ہلاکت

حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿أهلك شئ الهوى﴾ (۱)

”سب سے زیادہ مہلک چیز خواہشات ہیں“

﴿الهوى قرين مهلك﴾ (۲)

”خواہشات مہلک ساتھی ہیں“

۹۔ خواہشات انسان کی دشمن

حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:

﴿أحدروا اهوانكم كماتحدرون أعدائكم، فليس شئ أعدى للرجال من

اتباع أهوانهم﴾ (۳)

”اپنی خواہشات سے اسی طرح ڈرو جس طرح تم اپنے دشمنوں سے ڈرتے ہو کیونکہ لوگوں

کے لئے ان کی خواہشات سے برا کوئی دشمن نہیں ہے“

۱۰۔ عقل کی بربادی

حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: ﴿آفة العقل الهوى﴾ (۴)

(۱) غر راحم ح اص ۱۸۰۔

(۲) غر راحم ح اص ۳۲۷۔

(۳) سحار الانوار ج ۰ ۷۳ ص ۸۲ حديث ۱۲۔

(۴) غر راحم ح اص ۲۲۲۔

”خواہشات عقل کو بر باد کرنے والی آفت ہیں۔“

﴿من لم يملك شهوده لم يملك عقله﴾ (۱)

”جس کا اپنی خواہشوں کے اوپر اختیار نہیں رہتا وہ اپنی عقل کا اختیار بھی کھو یہتھا ہے“

﴿زوال العقل بين دواعي الشهوة والغضب﴾

”عقل دوچیزوں میں زائل ہوتی ہے: شہوت اور غضب“

ہوئی وہوں اور خواہشات کا عالم یہ ہے کہ جب ان میں طغیانی پیدا ہوتی ہے تو یہ مفید اور کار آمد غضر، تغیر کے بجائے تجزیب اور دوسرا سے اہم بنیادی منابع و حرکات کی بر بادی کا سبب بن جاتا ہے یہ تھا خواہشات کی کارروائی کا پہلا مرحلہ، جس میں انسانی زندگی پر خواہشات کا منفی اور تجزیہ کردار بخوبی واضح ہو گیا۔

خواہشات کی تباہ کاری کا دوسرا مرحلہ

خواہشات کی جن تباہ کاریوں کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے بات اسی مرحلہ پر تمام نہیں ہوتی بلکہ خواہشات فتنہ و فساد برپا کرنے میں دوچار قدم اور آگے نظر آتے ہیں چنانچہ پہلے مرحلہ میں یہ خواہشات انسان کے ارادہ، عقل، تغیر، دل اور فطرت کو ناکارہ اور معطل کر دیتی ہیں اس مرحلہ کو قرآن مجید نے ”اغفال قلب“ (دل کو غافل بنادینے) کا نام دیا ہے۔

لیکن جب خواہشات ان تمام اہم حرکات کو نیست و نابود کر دیتے ہیں اور انسان کو ہر لحاظ سے اپنی گرفت میں لے کر اس پر غلبہ اور تسلط حاصل کر لیتے ہیں تو پھر انسان خواہشات کا تابع اور فرماں بردار ہو کر رہ جاتا ہے اس مرحلہ کو قرآن مجید نے ”اتباع ہوئی“ کا نام دیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیہ کریمہ میں آپ دونوں مرحلوں بخوبی ملاحظہ کر سکتے ہیں:

(۱) مستدرک وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۷۴۸ طبع قدیم۔

﴿وَلَا تطعْ مِنْ أَغْفَلَنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبِعْ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرْطًا﴾ (۱)
 ”اور ہرگز اسکی اطاعت نہ کرنا جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے محروم کر دیا ہے۔ وہ اپنے خواہشات کا پیر و کار ہے۔ اور اسکا کام سراسر زیادتی کرنا ہے“

پہلے مرحلہ میں خواہشات نے انسانوں کے دل کو بالکل غافل بنادیا اور اسکیں علم و معرفت اور ہدایت و بصیرت کا کوئی امکان باقی نہیں رہ گیا اور دوسرے مرحلہ میں ہوئی وہوس نے اسے کمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیا نتیجتاً انسان خواہشات کا تابع تھن بن کر رہ گیا اور جب یہ سب کچھ ہو جائے کہ ایک طرف اسکا دل غافل رہے اور دوسری جانب وہ ہوس کا غلام بن جائے تو اسکا آخری انجام واقع وہی تلخ حقیقت ہے جسکی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے۔ ”وَكَانَ أَمْرُهُ فُرْطًا“

خواہشات کا قیدی

دوسرے مرحلہ میں انسان ہر اعتبار سے خواہشات کے قبضہ میں چلا جاتا ہے اور واقعاً ”خواہشات“ کا اسیر بن کر رہ جاتا ہے بلکہ اپنے اسیر پر خواہشات کا اختیار و تسلط جگلی قیدی کے بال مقابل کہیں زیادہ ہوتا ہے کیونکہ قیدی پر فائز کا اختیار و تسلط محدود و حد تک ہوتا ہے۔ مثلاً وہ اسے فرار نہیں ہونے دیتا یا مقابلہ سے محفوظ کر دیتا ہے، اسے کسی خاص راہ و روش کا پابند بنادیا جاتا ہے، اور اسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے اسے اپنی مرضی کے مطابق بولنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی مگر ان تمام باتوں کے باوجود یہ قیدی تین اعتبار سے بالکل آزاد رہتا ہے۔

۱۔ اپنے احساسات اور سماught و بصارت میں آزاد ہوتا ہے اور دوسروں کے احساسات سے قطع نظر وہ اپنے طور پر مستقل ستا ہے دیکھتا ہے اور کسی بھی چیز کا احساس کر سکتا ہے اور قید کرنے والا چاہے جتنی بڑی حکومت اور اقتدار کا مالک ہو پھر بھی وہ اسکے احساسات پر پابندی نہیں لگاسکتا جیسے

اسکے اوپر پہنچنے والی نہیں لگا سکتا کہ وہ اچھی چیز کو برا دیکھنے لگے۔ یا بری چیز کو اچھا محسوس کرے۔

۲۔ اسکی عقل بھی بالکل آزارہتی ہے اور وہ جس طرح چاہے سوچ سکتا ہے اور اپنی عقل کے مطابق فیصلہ کرتا ہے نہ کہ قید کرنے والوں کی عقل کے مطابق اسے اسیر کرنے والے اسکی عقل کو قیدی بنانا کارپی مرضی کے مطابق اسکے لئے کوئی خاص طرز تلقیر میعنی نہیں کر سکتے ہیں۔

۳۔ اسی طرح اسکا دل بھی بالکل آزاد ہوتا ہے یعنی اس کا دل جس سے چاہے محبت یا نفرت کر سکتا ہے یا سے اختیار ہے اور اسے قیدی بنانے والے اسکیں کوئی مداخلت نہیں کر سکتے بلکہ وہ جن کی قید میں ہوتا ہے انھیں سے نفرت کرتا ہے اور انکے دشمنوں سے محبت کرتا ہے کیونکہ اسکے دل پر ان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے۔

بِقُول شاعر

”مجھے اسی کروپیا مری زبان کاٹو
مرے خال کو پیری نہیں سکتے“

لیکن خواہشات کے قیدیوں میں معاملہ اس سے بھی زیادہ سمجھیں ہے کیونکہ خواہشات اپنے ایسر کے احساسات اُنکی عقل اور دل سب کو مکمل طور پر اپنے قابو میں کر لیتی ہیں اور ان کے اندر اپنے مطابق مداخلت کرتی ہیں اور ایسر پر ان کی مکمل حکمرانی ہوتی ہے۔

اب وہ خواہشات ہی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے برائی کو اچھائی اور اچھائی کو برائی، نیک و طب کو خوبی اور خوبی کو طب سمجھتا ہے۔

اور ہر چیز کے بارے میں اسکا انداز فکر وہی ہو جاتا ہے جو اس کے خواہشات چاہتے ہیں گویا
اسکی عقل و منطق اور فہم و ادراک سب تبدیل ہو جاتے ہیں۔

پھر یہ خواہشات انسان کے قلب پر حملہ آور ہوتے ہیں اور اسے بھی اپنے قبضہ میں لے لیتے ہیں اور پھر اس کا اندازِ محبت و نفرت خواہشات کے اشاروں پر تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم کے جن دشمنوں سے نفرت ضروری ہے وہ ان سے محبت کرنے لگتا ہے اور خدا کے جن محبوب بندوں

سے محبت ضروری ہے ان سے اسے نفرت ہو جاتی ہے۔

ان خواہشات کا آخری حملہ انسان کے ضمیر کے اوپر ہوتا ہے کیونکہ انسانی وجود میں ضمیر ہی ان کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ثبات قدم کا مظاہرہ کرتا ہے اور آخر کار اس جنگ میں انسان کا ضمیر بھی پچھے ٹھنے لگتا ہے اور جب یہ خواہشات انسان سے اسکا ضمیر بھی چھین لیتے ہیں تو پھر انسان اپنی خواہشات، شیاطین اور طاغوت کے مقابلہ میں بالکل بے یار و مددگار ہو کر تھیار ڈال دیتا ہے۔

اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ خواہشات کی زنجیریں بدن کو قید کرنے والی زنجیروں اور سلاخوں سے کتنی زیادہ موثر اور کاری ہوتی ہیں، ایک انسان کی قید اور خواہشات کی اسیری کے اس فرق کی جانب مولاۓ کائنات کی اس حدیث میں بھی اشارہ موجود ہے:

﴿عبد الشہوہ أذل من عبد الرق﴾ (۱)

”خواہشات کا اسیر ہونا کسی انسان کے ہاتھوں اسیر ہونے سے کہیں زیادہ ذلت و رسائی کا

باعث ہے“

اگرچہ بظاہر ان دونوں کوہی اسیری کہا جاتا ہے اور دونوں طرح کی اسیری میں انسان ذمیل ہوتا ہے اور دونوں صورتوں میں قیدی دوسرے کا مکوم ہوتا ہے لیکن پھر بھی کسی انسان کی قید میں رہنا اتنا دشوار نہیں ہے جتنی دشوار اور باعث ذلت خواہشات کی اسیری ہوتی ہے۔

خواہشات کی قید قرآن و حدیث کی روشنی میں

مندرجہ ذمیل آیہ کریمہ کے بارے میں غور و فکر کرنے کے بعد انسانی وجود پر قابض اس

اسیری کی گہرائیوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿أَفَرَأَيْتَ مِنْ اتَّخَذَ اللَّهَ هُوَهُ وَأَضْلَلَ اللَّهَ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعَهُ وَقَلْبَهُ﴾

وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غُشَا وَقَفَمْنَ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفْلَاتِ ذَكْرَوْنَ ﴿١﴾

”کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش ہی کو خدا بنا لیا ہے اور خدا نے اسی حالت کو دیکھ کر اسے گراہی میں پھوٹ دیا ہے اور اسکے کان اور دل پر مهر لگا دی ہے اور اسکی آنکھ پر پودے پڑے ہوئے ہیں اور خدا کے بعد کون ہدایت کر سکتا ہے کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے ہو؟“

اس طرح خداوند عالم ایسے انسان سے سماحت، بصارت اور دل سب کچھ چھین لیتا ہے اور وہ دوسروں کے اشاروں پر اس طرح حرکت کرتا ہے کہ اس کو اپنے اوپر ذرہ برابر اختیار نہیں رہ جاتا اور وہ ہر معاملہ میں خواہشات کا ہی تابع رہتا ہے یہاں تک کہ خواہشات ہی اسکا خدا بن جاتے ہیں جو کہ خواہشات کی غلامی کی آخری منزل ہے۔

مزید وضاحت کے لئے مولائے کائنات کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیے:

﴿فَمَنْ مَلِكَ نَفْسَهُ عَلَى امْرِهِ، وَمَنْ مَلِكَتْهُ نَفْسَهُ ذُلْ قَدْرَةٍ﴾ (٢)

”جو اپنے نفس کا مالک و مختار ہو وہ باوقار اور بلند مرتبہ ہے اور جس کا مالک و مختار اسکا نفس ہے وہ ذیل اور رسو ا ہوتا ہے“

^(٣) أزرى بنفسه من ملكته الشهوة واستعبدته المطامع

“اس نے اپنے نفس کو میوب بنا لیا جو شہوت کا حکوم ہو گیا اور لا جھوں نے اسے غلام بنا لیا۔

(عبد الشهوة أسيء لا ينفك أسره) (٣)

”خواہشات کا غلام ایک ایسا قیدی ہے جو کبھی آزاد نہیں ہو سکتا ہے۔“

۲۳- سورہ حاشیہ آئت

-٢٨٢ مبتداً وسائل ٣٢٧-

- ۱۹۵۱ می ۱۷، حکم خواہ (۲)

۳۰، ۳۲۷، خراط (۲)

﴿کم من عقل اسیر تحت ہوی امیر﴾ (۱)

”کتنی عقلمن، خواہشات کی فرمازروائی میں اسیر ہیں“

﴿الشهوات تسترق الجھول﴾ (۲)

”خواہشات جاہلوں کو غلام بنا کر رکھتی ہیں“

یہ بہترین تعبیر ہے کہ جاہل جب خواہشات کے پیچھے چلتا ہے تو وہ اسے نفس کے اختیار سے نکال کر اپنی سلطنت کے ماتحت لے لیتی ہیں اور انسان اپنی عقل، ارادہ اور ضمیر کے دائرہ اختیار سے باہر نکل کر خواہشات کی حکومت اور اختیار میں چلا جاتا ہے جس طرح چوتاریکی میں بڑی خاموشی کے ساتھ گھر کے سامان کا صفائیا کر دیتا ہے اسی طرح جہالت کی تاریکی میں خاموشی سے انسان پر اسکے خواہشات کی حکمرانی ہو جاتی ہے اور اسے خربجی نہیں ہو پاتی ہے۔

انسان اور خواہشات کی غلامی

جب اس حد تک انسان کے اوپر خواہشات کی حکمرانی ہو جاتی ہے تو انسان خواہشات کا غلام بن جاتا ہے کیونکہ خواہشات کا ایسا غلبہ ایک قسم کی بندگی ہے۔

قرآن مجید کی یہ دونوں آیتیں ہیں: یحود غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں:

﴿أَفْرَأَيْتَ مِنْ اتَّخَذَ اللَّهَ هُوَهُ وَأَضْلَلَهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ

وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غُشاً وَهُنَّ يَهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفْلَاتِهِ تَذَكَّرُونَ﴾ (۳)

”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش ہی کو خدا بنا لیا ہے اور خدا نے اسی حالت کو دیکھ کر اسے گراہی میں چھوڑ دیا ہے اور اسکے کان اور دل پر مہر لگادی ہے اور اسکی آنکھ پر

(۱) فتح البالائد حکمت ۳۱۱۔

(۲) فخر اکرم ج ۴ ص ۲۵۔

(۳) سورہ جاثیہ آیت ۲۳۔

پردے پڑے ہوئے ہیں اور خدا کے بعد کون ہدایت کر سکتا ہے کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے ہو۔“

﴿أَرَأَيْتَ مِنْ أَنْخَذَ اللَّهُ هُوَ أَهْوَافُ الْأَفَانِتِ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا﴾ (۱)

”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے اپنی خواہش ہی کو خدا بنا لیا ہے کیا آپ اسکی بھی ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہیں؟“

بات اگرچہ بہت عجیب و غریب محسوس ہوتی ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ ایک منزل وہ آتی ہے کہ جب انسان پر ور دگار عالم کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کو خدا بنا لیتا ہے اور انھیں کی عبادت کرتا ہے۔“
رسول اکرمؐ سے منقول ہے:

﴿مَاتَ حَتَّىٰ ظَلَّ السَّمَاءُ مِنَ الْهَيْلَةِ يَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَعْظَمُ عَنِ الدَّلِيلِ مِنْ هُوَ يَقِيْعُ﴾ (۲)
”اس آسمان کے نیچے خداوند عالم کے بعد سب سے زیادہ جس معبد کی عبادت کی گئی ہے وہ خواہشات کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔“

حضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿الْجَاهِلُ عَبْدُ شَهْوَتِهِ﴾ (۳)

”جالل اپنی خواہش کا غلام ہوتا ہے۔“

اللہ نے بھی اسے نظر انداز کر دیا

جب انسان خداوند عالم کی بندگی اور عبودیت سے نکل کر خواہشات نفس سے رشتہ جوڑ دیتا ہے اور اطاعت الہی کے بجائے اپنے نفس کا تالیح ہو جاتا ہے تو پھر وہ عملی اعتبار سے اس حد تک پستی

(۱) سورہ فرقان آیت ۳۳۔

(۲) در منشور ج ۵ ص ۷۶۔

(۳) غر راحمہ ج ۱ ص ۲۸۔

..... ۸۰ خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

میں چلا جاتا ہے کہ رب العالمین کی اطاعت و بندگی چھوڑ کر اپنے خواہشات نفس کی پرستش شروع کرتا ہے۔

لہذا ایسے افراد کے بارے میں یہ کہنا بالکل بجا ہے (نسو اللہ فنسیہم) کہ ”انہوں نے خداوند عالم کو بھلا دیا تو اس نے انھیں فراموش کر دیا۔“ اسکی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کیونکہ جب وہ خود خدا کی عبودیت و بندگی اور اسکی اطاعت کے حدود سے باہر نکل گئے اور انہوں نے خدا سے اپنا رابطہ توڑ کر اسے بھلا دیا تو پروردگار عالم نے بھی ان کو بھلا دیا۔۔۔ ان کے بھلا دینے کا جواب انہیں بھلا کر دیا اور انہیں ان کے حوالہ کر دیا اور جس لمحہ بھی خداوند عالم کسی بندے سے اپنی نظر کرم موز کر اسے اسکے نفس کے حوالہ کر دیتا ہے اسی لمحہ وہ شیطان کا شکار بن جاتا ہے۔

خواہشات کی تباہیاں قرآن مجید کی روشنی میں

بنی اسرائیل کے ایک بہت بڑے عالم ”بلعم بن باعورا“ [۱] کا قصہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

(وَاتَلْ عَلَيْهِمْ نَبَالَذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَإِنَّ سَلَخَ مِنْهَا فَأَتَبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْفَاوِينَ وَلَوْ شَتَّنَ اللَّفْعَنَاهُ بِهَا وَلَكَنَهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هُوَاهُ فَمُثْلَهُ كَمُثْلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَرْكُهُ يَلْهَثْ ذَلِكَ مُثْلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ

(۱) مشہور روایات کی بنیاد پر ان آیات میں بلعم باعورا کی ہی نہادت کی گئی ہے۔ اگرچہ دیگر اقوال بھی موجود ہیں جن کے مطابق وہ شخص صحنی را ہب تھا جس نے شفیرا کرم گوفا سن کہا تھا۔ بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد امیر بن الجلعت ہے وغیرہ وغیرہ۔

کذبوا بآیاتنا فقصص القصص لعلهم يتفکرون (۱)

”اور انھیں اس شخص کی خبر تھا یہ جسکو ہم نے اپنی آئینی عطا کیں پھر وہ ان سے بالکل الگ ہو گیا اور شیطان نے اس کا پچھا پکڑ لیا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا اور ہم چاہتے تو اسے انھیں آئتوں کے سبب بلند کر دیتے تھے لیکن وہ خود زمین کی طرف جھک گیا اور اس نے خواہشات کی پیروی اختیار کر لی تواب اسکی مثال اس کتنے جیسی ہے کہ اس پر حملہ کرو تو بھی زبان نکالے رہے اور چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے یا اس قوم کی مثال ہے جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی، تواب آپ ان قصوں کو بیان کریں کہ شاید یہ غور و فکر کرنے لگیں“

ان آیات کی تفسیر یہ ہے کہ ”بلهم بن باعورا“ بن اسرائیل کا ایک بہت سی بڑا اور مشہور عالم تھا اسکو خداوند عالم نے اپنی روشن آیات نیز علم و معرفت سے اس حد تک نواز اٹھا کے اسے مستجاب الدعوات قرار دے دیا تھا اور جناب موسیٰؑ بعض معاملات میں اس سے مدد لیتے تھے۔۔۔ مگر وہ اپنی ہوئی وہوس کا اسیر ہو گیا۔

چنانچہ ایسے افراد جب اپنی خواہشات کا شکار ہوتے ہیں تو عام طور سے اسکے دو ہی اسباب ہوتے ہیں یا تو وہ اپنے علم کو ذاتی فائدہ کیلئے استعمال کرنے لگتے ہیں مثلاً علم کے ذریعہ شہرت و عزت یا عہدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کے درمیان علم کے ذریعہ اپنی شخصیت کا اظہار کرتے ہیں یا یہ کہ دولت کی لائچ میں اپنے علم سے اہل حکومت اور طاغوت کی خدمت شروع کر دیتے ہیں اور علم کے بدلہ مال دنیا کماتے ہیں اس طرح دونوں صورتوں کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ علم ہوئی وہوس اور خواہشات کا شکار ہو جاتا ہے۔

کیونکہ کسی بھی عالم کی اہمیت کا معیار دراصل اسکے علم کی کثرت نہیں ہے، جیسے اکثر کتب

(۱) سورہ اعراف آیت ۲۵-۲۶۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں
خانوں میں اتنی زیادہ کتابیں ہوتی ہیں کہ علماء کی ایک کثیر تعداد مل کر بھی انہیں نہ اٹھا سکے مگر اسکی کوئی
اہمیت نہیں ہے۔ علم کی قدر و قیمت دراصل صاحب علم اور اس علم کے مصرف اور محل استعمال کو دیکھ کر گا
کی جاتی ہے۔ اگر عالم انبیاء کے دین اور اخلاق سے مزین ہو اور اس کا علم لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی
نیز اسکی خدمت میں کام آئے تو یہ اس عالم کی قدر و قیمت کا سبب ہے اور اگر خدا خواستہ ایسا کچھ نہیں
ہے تو پھر اس عالم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

مولائے کائنات نے خطبہ شفیقیہ میں عالم کی منزلت اور اسکی ذمہ داریاں ان الفاظ میں

بيان فرمائی ہیں:

﴿وَمَا أَخْذَ اللَّهُ عَلَى الْعُلَمَاءِ أَنْ لَا يَقَارِرُوا عَلَى كَظَةٍ ظَالِمٍ وَلَا سُبْحَ مَظْلومٍ﴾

”اللَّهُكَ أَلْ عِلْمٌ سَيِّدِ الْعِلْمَاتِ“ یہ عہد ہے کہ خبردار ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرگنگی پر چین سے نہ

بیٹھنا۔۔۔

لہذا اگر عالم خدا سے کئے ہوئے عہد کو پوار کرنے کیلئے اٹھ کھڑا ہو تو اسکی قدر و منزلت اور
مقام و مرتبہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

بلعم بن باعور (اگر ان آیات کی تفسیر بیان کرنے والی روایات کے مطابق بلعم باعور اسی
مراد ہو) ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اپنے علم کی لگام خواہشات کے سپرد کر دی اور انہیں کے
چیچھے چل پڑے اب تر آن مجید کے الفاظ میں اس شخص کا انجام ملا (حضرت فرمائے:

اگر ان روایات کو تسلیم کر لیا جائے تو آئیہ کریمہ میں اگرچہ بلعم باعور کے قصہ کی طرف ہی
اشارة ہے لیکن یہ باتیں ہر اس شخص کیلئے ہیں جو اپنے نفس کے اوپر اپنے خواہشات کو حاکم بنادے۔
جیسا کہ امام محمد باقرؑ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿إِنَّ الْأَصْلَ فِي ذَلِكَ بَلْعَمٌ، ثُمَّ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِكُلِّ مُؤْثِرٍ هُوَ إِلَهٌ عَلَى هُدَىٰ

اللہ، من أهل القبلة ﴿۱﴾

”یعنی یہ تذکرہ تو دراصل بلعم کا ہی ہے لیکن خداوند عالم نے اسیں ہر اس مسلمان کی مثال بیان کر دی ہے جو اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر ترجیح دیتا ہو“
ایسے لوگوں کا انعام کیا ہوتا ہے ہمیں قرآنی بیانات کی روشنی میں اس پر بھی غور کرنا چاہئے۔

۱- زمین کی جانب رغبت

زمین کی طرف رغبت، دنیاوی زندگی سے دبستگی کو کہتے ہیں یعنی انسان دنیا کا ہو کر رہ جائے۔ کیونکہ زمین دنیا ہی کا دوسرا نام ہے اور زمین کی طرف جھکاؤ، رغبت اس سے بیزاری کے ذریعہ رفت و بلندی کے مقابلہ میں ہے جیسا کہ آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ شَتَا لِرْفُعَنَاهُ بِهَا وَلَكَنَهُ اخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ﴾

”اگر ہم چاہتے تو اسے انھیں آیات کے ذریعہ بلند کر دیتے لیکن وہ خود زمین کی طرف جھک گیا“

یعنی اس نے خود دنیاوی ذلت کو گلے لگایا۔ کیونکہ جس طرح سطح زمین سے بلندی کی طرف اوپر جاتے ہوئے زمین کی قوت جاذبہ اور کشش کا مقابلہ کرنے میں زحمت و مشقت ہوتی ہے مگر اس کے بر عکس اوپر سے زمین کی طرف آتے وقت زمین کی کشش کا سہارا مل جاتا ہے ... بالکل یہی حال زندگانی دنیا کی پستی اور بلندی کا بھی ہوتا ہے کہ اگر کوئی بلند یوں کا خواہاں ہے تو اسے اتنی ہی مشقتیں برداشت کرنا ہو گی لیکن اگر کوئی پستیوں میں جانا چاہتا ہے تو اس میں کوئی زحمت نہیں ہے۔

۲- آیات خدا سے محرومی

﴿فَإِن سُلِّخَ مِنْهَا﴾ آیات الہیہ سے ”انسلاخ“ یعنی اسکے پاس آیات کی جو صرفت اور علم

(۱) مجمع البيان تفسیر سورہ اعراف آیت ۲۵۷-۲۶۱۔

و حکمت و بصیرت کی جو دو لمحے تھی وہ اس سے واپس لے لی گئی۔

”انسلاخ“ ”التصاق“ کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اتصاق اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب دو چیزیں آپس میں ملی ہوئی یا پچکی ہوتی ہیں اور جب ان کے درمیان مکمل علاحدگی یا بالکل جداگانہ ہو جائے تو اہل عرب اسکو ”انسلاخ“ کہتے ہیں لہذا جو لوگ اپنی شہوتوں اور خواہشات کے تحت، قدم اٹھاتے ہیں انکا رابطہ علم و معرفت اور آیات الہیہ سے بالکل ختم ہو جاتا ہے اور جس طرح کسی مریض کا معدہ کھانے کو قبول کرنے کے بجائے اسے رد کر دیتا ہے اسی طرح انکا نفس علم و حکمت جیسی پاکیزہ اور نصیح اشیاء کو قبول نہیں کر پاتا ہے۔

کیونکہ اگر اسکا وجود ہوں اور خواہشات کا دلدارہ ہو جائے تو پھر اسکیں آیات الہیہ، علم و حکمت اور بصیرت کی کوئی تجھیش باقی نہیں رہ جاتی اور نہ ہی اسکے وجود میں اخلاقی اقدار و فضائل کا گذر ہو سکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ سے مقول ہے:

﴿حرام على كل قلب موله بالشهوات أن يسكنه الورع﴾ (۱)

”یعنی جو دل بھی خواہشات کا دلدارہ ہوا سکے اندر ورع و پرہیزگاری کا بیسرا حرام ہے“

آپ کا ہی ارشاد ہے:

﴿حرام على كل قلب أغرى بالشهوات أن يحل في ملكوت السموات﴾ (۲)

”جو دل خواہشات کا فریب خورده ہواں کیلئے ”ملکوت السموات“ کی سکونت حرام ہے“

(۱) مجموعہ اورام صحیہ خواطر ص ۳۶۲۔

(۲) گذشتہ حوالہ۔

﴿حرام علی کل قلب مغلول بالشهوة أَن ينتفع بالحکمة﴾ (۱)

”جو دل خواہشات کی زنجیروں سے جکڑا ہوا کے لئے حکمت سے استفادہ کرنا حرام ہے۔“

کیونکہ دل ایک ظرف کی مانند ہے اور ایک ظرف میں خواہشات نفس اور یادِ الہی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ہیں لہذا اسکے اندر یادِ کرالہی رہے گا یا خواہشات رہیں گے کیونکہ ﴿مَا جعل اللہ لرجل من قلبيين في جوفه﴾ (۲)

”خداوندِ عالم نے ایک انسان کے جسم میں دو قلب نہیں بنائے ہیں“

لہذا جب انسان اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے تو پھر خود بخود اسکے دل سے یادِ خدا نکل جاتی ہے اور اگر اسکیں یادِ خدا آ جاتی ہے تو پھر خواہشات کا امکان نہیں رہ جاتا ہے۔

لہذا جس دل سے یادِ خدا نکل جائے وہ خواہشات کے راستے پر چل پڑتا ہے جیسا کہ ارشاد

الہی ہے:

﴿وَلَا تطعْ مِنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبِعْ هُوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فِرْطًا﴾ (۳)

”اور ہرگز اس کی اطاعت نہ کرنا جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے محروم کر دیا ہے وہ اپنی

خواہشات کا پیروکار ہے اور اسکا کام سراسر زیادتی کرنا ہے۔“

خواہشات کی پیروکاری کا یہ دوسرا انجام ہے۔

۳۔ شیطان کا اسلط

ارشا و رب العزت ہے: ﴿فَأَتَيْهُ الشَّيْطَانُ﴾ ”اور شیطان نے اسکا چیچھا پکڑ لیا۔“ پہلے

(۱) غر راحم ج ۳۳۳ ص ۳۳۳۔

(۲) سورہ احزاب آیت ۳۷۔

(۳) سورہ کہف آیت ۲۸۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

شیطان اس تک جھپٹنے یا اس پر قبضہ کرنے سے عاجز تھا مگر خواہشات کی پیروی انسان پر شیطان کے قبضہ کو ستم بنا دیتی ہے اور انسان جتنی زیادہ خواہشات کی پیروی کرے گا اس پر شیطان کا تسلط اور غلبہ بھی اتنا ہی زیادہ ستم ہو جائے گا اور یہ خواہشات کی پیروی کا تیرا نتیجہ ہے۔

۲۔ حلالت و مگراہی

﴿فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ﴾ ”تو وہ گمراہوں میں ہو گیا“ ایسے لوگوں کے سلسلہ میں یا ایک فطری چیز ہے کیونکہ جب انسان ہوئی وہوس میں جتنا ہو جاتا ہے اور اس کے دل سے یادِ الٰہی نکل جاتی ہے اس پر شیطان کا تسلط قائم ہو جاتا ہے تو پھر اسکی ہدایت کا بھی کوئی امکان باقی نہیں رہ جاتا اور اسکی زندگی میں اصلاح کا امکان نہیں ہے لہذا وہ جس مقدار میں ہاتھ پیر مارتا ہے اتنا ہی پستیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ اور یہ خواہشات کی پیروی کا چوتھا نتیجہ ہے۔

۳۔ لامع

ان لوگوں کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَمِثْلُهُ كَمِثْلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلُ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ تُنْكِرْ كَهْ يَلْهَثُ﴾
”تواب اسکی مثال اس کے جیسی ہے کہ اس پر حملہ کرو تو بھی زبان نکالے رہے اور چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔“

زبان باہر نکلی رہنا یہ کتوں کی ایک مشہور بیماری ہے اور اسکیس کے کو ہر وقت پیاس لگی رہتی ہے چنانچہ اسے چاہے جتنا پانی پلا یا جائے اسکی پیاس نہیں بجھ پاتی اور اسی لئے وہ ہمیشہ اپنی زبان باہر نکالے رہتا ہے اور چاہے کوئی اس پر حملہ کرے یا اسے اسی طرح چھوڑ دیا جائے ہر وقت اسکا ایک ہی حال رہتا ہے چنانچہ بالکل اسی صورتحال سے اہل ہوں بھی دوچار رہتے ہیں کہ دنیاوی لذتوں اور رنجینیوں میں غرق ہونے کے باوجود انکی پیاس نہیں بجھتی چاہے وہ مالدار ہوں یا فقیر انہیں دنیا مل گئی ہو یا نہ ملی ہو ان

سب کا حال پیاس کے مریض اس کتے کی طرح رہتا ہے جسکی پیاس بہتے دریا بھی نہیں بجھا پاتے ہیں۔

اسی بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

﴿لَوْ كَانَ لَابْنَ آدَمْ وَادِيَانَ مِنْ ذَهَبٍ لَا يُنْفَعُ وَرَاءَ هَمَّا ثَالِثًا﴾ (۱)

”اگر فرزند آدم کے پاس سونے سے بھری ہوئی دو وادیاں ہوں تو بھی اسے تیری وادی

کی خواہش رہتی ہے۔“

امام حضرت صادقؑ سے جب ایک آدمی نے اپنے اندر دنیا کی لائچ اور اسکی طرف توجہ رہنے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: جو چیز تمہارے لئے کافی ہے اور وہ تمہیں مستغنىٰ بنادے تو اسکی مجموعی مقدار بھی تمہیں مستغنىٰ بنا سکتی ہے لیکن جو چیز تمہارے لئے کافی ہے اگر وہ تمہیں مستغنىٰ نہ بنا سکے تو پھر پوری دنیا بھی تمہیں مستغنىٰ نہیں بنا سکتی ہے اور یہ اس کا پانچواں نتیجہ ہے۔ (۲)

خواہشات کا علاج

ہوس کی تحریتی طاقت

انسانی خواہشات اس کیلئے جس مقدار میں مفید ہیں اس کے مطابق اسکے اندر قدرت اور طاقت بھی پائی جاتی ہے چنانچہ اگر یہ غلط راستے پر گلگ جائیں تو پھر یہ اپنی طاقت کے اعتبار سے ہی انسانی زندگی کو تہہ دپالا کر کے رکھ دیتی ہیں۔۔۔ انسانی نفس کے اندر اسکے یہ دونوں (ثبت اور مفید منفی اور مضر) پہلو بالکل طے شدہ ہیں اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ خواہشات ہی دراصل انسان کی زندگی کے پھیلوں کو گردش دینے والی قوت ہیں اور اگر خداوند عالم نے انسان کے

(۱) مجموعہ دارم تسبیہ خواطر ص ۱۶۳۔

(۲) اصول کافی ج ۲ ص ۱۳۹

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

نفس میں جنیات، مال، خودی (حب ذات)، کھانے پینے اور اپنے دفاع کی محبت نہ رکھی ہوتی تو
قابلہ انسانی ایک قدم بھی آگئے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ لہذا خواہشات کے اندر جتنے فائدے ہیں انکے اندر
اتنی ہی طاقت موجود ہے اور انکے اندر جتنی طاقت پائی جاتی ہے انکے بہک جانے کی صورت میں
انکے نقصانات بھی اسی کے مطابق ہو گئے جیسا کہ مولائے کائنات نے ارشاد فرمایا ہے:

(الفغضب مفسد للالباب ومبعد عن الصواب) (۱)

”غصة عقولوں کو بر باد اور راہ حق سے دور کر دینے والی چیز ہے“

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

(أكثر مصارع العقول تحت بريق المطامع) (۲)

”عقلوں کی اکثر قتل کا ہیں طمع کی جگہوں کی چک دک کے آس پاس ہیں“

خواہشات کی پیروی پر روک اور انکی آزادی کے درمیان

یہی وجہ ہے کہ خواہشات کو ایکدم پکیل کر کر کھینچنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ خواہش انسانی زندگی کیلئے
ایک مفید طاقت ہے جس کے سہارے کاروں حیات انسانی روائی دواں ہے اور اس کو محظل اور ناکارہ بنا دینا
یا انکی مدت کرنا اور انکی اہمیت کا اعتراف نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی شخصیت کے ایک بڑے
 حصہ کا انکار کر دیا جائے اور اسکو نقل و حرکت میں رکھنے والی اصل طاقت کو ناکارہ قرار دیدیا جائے۔

اسی طرح خواہشات اور ہوس کی لگام کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دینا اور انکے ہر مطالبہ کی متحمل کرنا
اور ان کی ہربات میں باس سے باس ملانا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر ان کی رسی ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو

(۱) غررا حکم ج ۱۹۷۴۔

(۲) غررا حکم ج ۱۹۸۶۔

یہ فائدہ مند ہونے کے بجائے انسان کیلئے مضر بنت جاتے ہیں۔

الہذا ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑتا گا کہ شرعی اعتبار سے خواہشات کی محدود تجھیل کی بہت اہمیت ہے اور جس طرح انکو بالکل آزاد چھوڑ دینا صحیح نہیں ہے اسی طرح ہربات میں انکی تجھیل بھی صحیح نہیں ہے۔ اسی معیار پر اسلام نے خواہشات کے بارے میں اپنے احکام بنائے ہیں یعنی پہلے وہ خواہشات کو انسان کیلئے ضروری سمجھتا ہے اور اسے فضول چیز قرار نہیں دیتا جیسا کہ قرآن کریم میں پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے:

﴿رُبُّ النَّاسِ حُبُّ الشَّهْوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالقَنَاطِيرِ الْمَقْنُطَرَةِ مِنَ الظَّهِيرِ وَالْفَضْةِ وَالْخَيْلِ الْمَسْوَمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرَثِ﴾ (۱)

”لوگوں کے لئے خواہشات دنیا، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ذمیر، تدرست گھوڑے یا چوپائے کھیتیاں سب مزین اور آراستہ کر دی گئیں ہیں“
دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿الْمَالُ وَالبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (۲)

”مال اور اولاد، زندگانی دنیا کی زینت ہیں“

ان آیات میں نہ صرف یہ کہ خواہشات کی نہ ملت نہیں ہے بلکہ اسکو زینت اور جمال زندگانی قرار دیا گیا ہے اور اسی اہم نکتے سے خواہشات کے بارے میں اسلام کا واضح نظریہ بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ دوسرے مرحلہ پر اس نے ہمیں اپنی خواہشات کو پورا کرنے اور دنیاوی لذتوں سے بہرہ مند ہونے کا حکم دیا ہے:

(۱)آل عمران آیت ۱۳۶۔

(۲) سورہ کہف آیت ۳۶۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

﴿کلوا من طیبات مارزقا کم﴾ (۱)

”تم ہمارے پاکیزہ رزق کو کھاؤ“

یا یہ ارشادِ الہمیت ہے:

﴿و لا تنس نصیبک من الدنیا﴾ (۲)

”اور دنیا میں اپنا حصہ بھول نہ جاؤ“

اور اسی طرح یہ بھی ارشاد ہے:

﴿فَلَمَنْ حَرَمْ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيَّاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (۳)

”پیغمبر آپ ان سے پوچھئے کہ کس نے اس زینت کو جس کو خدا نے اپنے بندوں کیلئے پیدا

کیا ہے اور پاکیزہ رزق کو حرام کر دیا ہے؟“

خواہشات کے بارے میں اسلام نے یہ دوسری نظریہ پیش کیا ہے جس کے اندر نہ اپنی

خواہشات کی تمجیل کی کھلی چھوٹ ہے کہ جس کا جس طرح دل چاہے وہ اپنی خواہشات کی پیاس بجھاتا

رہے اور کسی قاعدہ و قانون کے بغیر سر جھکا کر انھیں کے پیچھے چلتا رہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے:

﴿لَا تَدْعُ النَّفْسَ وَهُوَ هَا فَإِنْ هُوَ هَا رَدَاهَا﴾ (۴)

”اپنے نفس کو اسکے خواہشات کے اوپر نہ چھوڑ دو کیونکہ اسکے خواہشات میں اسکی پستی اور

(۱) سورہ طہ آیت ۸۱۔

(۲) سورہ قصص آیت ۷۷۔

(۳) سورہ اعراف آیت ۳۲۔

(۴) اصول کافی ج ۲ ص ۳۳۶۔

ذلت ہے“

ان تمام پابندیوں اور سختیوں کے باوجود اسلام نے انسانی خواہشات کی تسلی کیلئے ایک نظام پابند خود بھی اس کے بعد موقوع فراہم کئے ہیں جیسے اسلام نے جنیات کو حرام قرار دیا ہے اور نہ اس سے منع کیا ہے اور نہ ہی اسے کوئی برایا پست کام کہا ہے بلکہ خدا اسکی طرف رغبت دلائی ہے اور اسکی تاکید کی ہے البتہ اسکے لئے کچھ شرعی قواعد و ضوابط بھی بنائے ہیں اسی طرح مال سے محبت کرنے کو نہ اسلام منع کرتا ہے اور نہ اسے برآ کھتا ہے بلکہ یہ تمام انسانوں کیلئے مباح ہے البتہ اسکے لئے بھی کچھ قواعد و قوانین مرتب کر دے گئے ہیں تاکہ مالی یا جنسی خواہشات وغیرہ کی تسلی کیلئے ہر شخص کے سامنے موضع موجود رہیں اور کوئی شخص بھی بے راہ روی کا شکار نہ ہونے پائے یہ خواہشات کے بارے میں اسلامی نظریہ کا تیسرا نکتہ ہے۔

خواہشات کو قابو میں رکھنے کے لئے ”عقل“، کا کردار

خواہشات کو بغاوت اور سرکشی سے روکنے اور ہر لحاظ سے انکی سمجھیل سے منع کرنے اور اسی طرح انکی تسلی کی معقول حد بندی کیلئے انسانی عقل میدان عمل میں ہمیشہ فعال رہتی ہے اور شاید اسی لئے عربی زبان میں عقل کو عقل کہا جاتا ہے کہ عقل کسی کو لگانے والی لگانے یا پھندے کو کہتے ہیں اور خدا نے عقل کو یہی ذمہ داری سونپی ہے کہ وہ خواہشات کو لگانم لگانے کا کر اپنے قابو میں رکھے جیسا کہ رسول اسلام ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الْعُقْلَ عِقْلٌ مِّنَ الْجَهَلِ، وَالنَّفْسُ مِثْلُ أَخْبَثِ الدَّوَابِ﴾ (۱)

”عقل“ جہالت سے بچانے والی لگان ہے اور نفس خبیث ترین چوپائے کی طرح ہے“

روایات میں اسی مضمون کی طرف کثرت سے اشارے موجود ہیں بطور نمونہ حضرت علیؓ

(۱) بخاری الانوار ج ۱ ص ۲۶۶۔

کے مندرجہ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں:

☆ ﴿فَكُرْكِ يَهْدِي إِلَى الرِّشاد﴾ (۱)

”تمہاری فکر تھیں رشد و بہادیر کی طرف رہنمائی کرتی ہے“

☆ ﴿لِلنُّفُوسِ خَوَاطِرُ الْهُوَىٰ، وَالْعُقُولُ تَزَجُّرُ وَتَنْهَىٰ﴾ (۲)

”نفس کے اندر مختلف قسم کی خواہشات ابھرتی رہتی ہیں اور عقل ان سے منع کرتی رہتی ہے“

☆ ﴿لِلْقُلُوبِ خَوَاطِرُ سُوءٍ وَالْعُقُولُ تَزَجُّرُ مِنْهَا﴾ (۳)

”دلوں کے اندر برے خیالات بیدا ہوتے ہیں اور عقل ان سے باز رکھتی ہے“

☆ ﴿النُّفُوسُ طَلْقَةٌ، لَكِنَّ أَيْدِيَ الْعُقُولِ تَمْسَكُ اعْتِهَا﴾ (۴)

”نفس تو بالکل آزاد ہوتے ہیں لیکن عقولوں کے ہاتھ انکی لگام تھامے رہتے ہیں“

☆ ﴿ثُمَّرَ الْعُقْلُ مُقتَ الدُّنْيَا وَقُمْعُ الْهُوَىٰ﴾ (۵)

”عقل کا پھل دنیا کی نارانچگی اور خواہشات کی تارابی ہے“

محضیر یہ کہ انسانی زندگی میں اسکی عقل کا کارنامہ یہ ہے کہ وہ خواہشات کو اپنے محدود تقاضوں کے تحت کنٹرول کرتی ہے اور اس کی ہوس کو سرکشی اور بغاوت سے روکتی رہتی ہے اور انسان کو اس کی خواہشات کی تکمیل میں بے لگام نہیں رہنے دیتی لہذا جس کی عقل جتنی کامل اور پختہ ہوتی ہے وہ اپنی خواہشات پر اتنی ہی مہارت اور آسانی سے غالبہ حاصل کر لیتا ہے۔

(۱) غر راحمہ ج ۲ ص ۵۸۔

(۲) تحف الحقول ص ۹۶۔

(۳) غر راحمہ ج ۲ ص ۱۲۱۔

(۴) غر راحمہ ج ۱ ص ۱۰۹۔

(۵) غر راحمہ ج ۲ ص ۳۲۲۔

حضرت علیؑ :

(۱) **﴿العقل الكامل قاهر الطبع السوء﴾**

”عقل کامل بری طبیعتوں پر غالب رہتی ہے“

اور یہی نہیں بلکہ خواہشات پر کنزوں ہی انسان کی عقل سلیم کی پہچان ہے۔

حضرت علیؑ :

(۲) **﴿حفظ العقل بمخالفة الهوى والعزوف عن الدنيا﴾**

”خواہشات کی مخالفت اور دنیا سے بے رغبتی کے ذریعہ عقل حفظ رہتی ہے“

امام محمد باقرؑ :

(۳) **﴿لا عقل كمخالفة الهوى﴾**

”خواہشات کی مخالفت سے بہتر کوئی عقل نہیں ہے“

حضرت علیؑ :

(۴) **﴿من جانب هواء صح عقله﴾**

”جس نے اپنی خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کر لی اسکی عقل صحیح و سالم ہو جائے گی“

ان احادیث سے بھی یہ روشن ہوتا ہے کہ عقل اور خواہشات دونوں ہی انسان کی زندگی کے دو اہم ستون ہیں ان میں سے خواہشات، انسانی حیات کے سفینہ کی نقل و حرکت اور اسکی تعمیر و ترقی میں پتوار کا فریضہ ادا کرتے ہیں اور عقل اسکو بغاوت و سرکشی اور فتنہ و فساد کے خطرناک تشیب و فراز سے

(۱) بخار الانوار ج ۸ ص ۹۷۸۔

(۲) غر راثم ج ۱ ص ۳۲۵۔

(۳) بخار الانوار ج ۸ ص ۱۶۳۔

(۴) بخار الانوار ج ۱ ص ۱۲۰۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

نکال کر ساحل تک پہنچانے کی اہم ذمہ داری ادا کرتی ہے۔۔۔ لہذا ہر انسان کے لئے جس طرح جسم و روح ضروری ہیں اسی طرح اس کے لئے ان دونوں کا وجود بھی ضروری ہے۔

عقل اور دین

انسانی زندگی میں دین بھی وہی کردار ادا کرتا ہے جو عقل کا کردار ہے یعنی جس طرح عقل، خواہشات کو مختلف طریقوں سے اپنے قابو میں رکھتی ہے اسی طرح دین بھی انھیں بیکنے سے بچاتا رہتا ہے یعنی عقل اور دین کے اندر ہر طرح کی فکری اور عملی یکسا نیت اور مطابقت پائی جاتی ہے کیونکہ دین ایک الہی فطرت ہے جیسا کہ آیہ کریمہ میں ارشاد ہے:

﴿فِطْرَةُ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ (۱)

”دین وہ فطرت الہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور خلقت الہی میں کوئی

تمددیلی نہیں ہو سکتی ہے یقیناً یہی سیدھا اور منکم دین ہے“

وہ فطرت جو انسان کے اوپر حکراں ہوتی ہے اور عقل بھی اسی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے وہ ”دین“ ہے جسکے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حیات بشری کو دوام بخشنا اور حیات بشری کے ذریعہ اسے قائم دوام حفظ کیا ہے اسی خواہشات کو کمزول کرنے کے سلسلہ میں عقل کی امداد کرتا ہے اور خود بھی اسی ذمہ داری کو ادا کرتا ہے مختصر یہ کہ عقل اور دین ایک ہی سکے کے دروخ ہیں۔

حضرت علیؑ :

﴿العقل شرع من داخل، والشرع عقل من خارج﴾ (۲)

”عقل بدن کی اندر و نی شریعت اور شریعت بدن کے باہر موجود عقل کا نام ہے“

(۱) سورہ روم آیت ۳۰۔

(۲) کتاب جوان: آقا نے محمد تقی ظہفی (ج ۱ ص ۲۶۵)۔

امام موسیٰ کاظمؑ :

(إنَّ اللَّهَ عَلَى النَّاسِ حِجْتَيْنِ: حِجْةُ الظَّاهِرَةِ وَحِجْةُ الْبَاطِنَةِ، فَإِمَّا الظَّاهِرَةُ

فَالرَّسُلُ وَالْأَنْبِيَاءُ وَالْأَنْمَاءُ (ع) وَإِمَّا الْبَاطِنَةُ فَالْعُقُولُ) (۱)

”لوگوں پر خداوند عالم کی دو حجتیں (دلیلیں) ہیں ایک ظاہری حجت اور دوسری پوشیدہ اور باطنی حجت و دلیل۔ ظاہری دلیل انبیاء اور ائمہ ہیں جبکہ باطنی حجت عقل ہے“

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:

(حجَّةُ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ النَّبِيِّ، وَالْحِجَّةُ فِيمَا بَيْنَ الْعِبَادِ وَبَيْنَ اللَّهِ الْعُقُولُ) (۲)

”بندوں کے اوپر خداوند عالم کی حجت اسکے انبیاء ہیں اور خداوند عالم اور اسکے بندوں کے

درمیان، عقل حجت ہے“

عقل کے تین مراحل

انسانی زندگی میں عقل کے تین اہم کردار ہوتے ہیں:

۱۔ معرفت الہی۔

۲۔ خداوند عالم نے جو کچھ اپنے بندوں پر واجب کیا ہے اسکی اطاعت کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی

صحیح معرفت کا نتیجہ اسکی اطاعت اور بندگی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

۳۔ تقویے الہی: یہ خداوند عالم کی اطاعت و بندگی کا دوسرا راخ ہے کیونکہ خداوند عالم کی

اطاعت و بندگی کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ واجبات کو بحالانا اور محمرات سے پرہیز کرنا اور تقوی درحقیقت نفس کو محمرات سے باز

(۱) بخار الانوار ج ۱ ص ۱۳۷۔

(۲) اصول کافی ج ۱ ص ۲۵۔

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

رکھنے کا نام ہے۔ اور شاید مدرجہ ذیل روایت میں بھی عقل کے ذکر ہے تینوں مرحلوں کی وضاحت موجود ہے:

رسول اکرم ﷺ:

(فَقِيمُ الْعُقْلِ عَلَىٰ ثَلَاثَةِ أَجْزَاءٍ، فَمَنْ كَانَ فِيهِ كَمْلُ عُقْلِهِ، وَمَنْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ فَلَا عُقْلٌ لَّهُ: حُسْنُ الْمُعْرِفَةِ بِاللَّهِ عَزُوهُ جَلُّهُ، وَحُسْنُ الطَّاعَةِ لِلَّهِ، وَحُسْنُ الصَّبْرِ عَلَىٰ أَمْرِهِ) (۱)

”عقل کے تین حصے کے گے ہیں لہذا جسکے اندر یہ تینوں حصے موجود ہوں اسکی عقل کامل ہے اور جسکے اندر یہ موجود نہ ہوں تو اسکے پاس عقل بھی نہیں ہے!

۱۔ حسن معرفت الہی (خداوند عالم کی بہترین شناخت و معرفت اور جست آوری)۔

۲۔ اللہ کی بہترین اطاعت و بندگی۔

۳۔ اسکے احکامات پر اچھی طرح صبر کرنا۔“

خدا کے احکام پر صبر کرنے کا دوسرا نام خواہشات پر قابو پانا ہے اور اس کو تقویٰ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ خواہشات پر قابو پانا اور انھیں اپنے کمزودل میں رکھنے کیلئے جتنا زیادہ صبر درکار ہے اتنا صبر کسی اور کام کیلئے درکار نہیں ہوتا ہے۔

اب ان تینوں مرحلوں کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ معرفت اور جست آوری

عقل کی پہلی ذمہ داری معرفت اور شناخت ہے۔ کیونکہ اس دنیا کے حقائق اور اسرار سے پرده اٹھانے کا ذریعہ (آلہ) عقل ہی ہے اگرچہ اسکے تصوف اسکے مخالف ہیں اور وہ عقل کی معرفت اور

شاخت کے قائل ہی نہیں ہیں انکا کہنا ہے کہ اس دنیا کے حقوق اور خداوند عالم اور اسی طرح غیب کی معرفت کے بارے میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے۔ جبکہ اسلام عقل کی قوت تشخیص کا قائل ہے اور وہ اسے علم و معرفت کا ایک آلہ قرار دیتا ہے اور دنیا کے مادی یا غیر مادی تمام مقامات پر یا اس دنیا کے حقوق یا واجبات اور حرمات جیسے تمام مسائل میں اس کی مزید تائید کرتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اس سلسلہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا يَدْرِكُ الْخَيْرُ كَلْهُ فِي الْعُقْلِ﴾ (۱)

”ہر خیر کو عقل میں ٹلاش کیا جاسکتا ہے“

آپ ہی کا یہ ارشاد بھی ہے:

﴿إِسْتَرْشِدُوا بِالْعُقْلِ تَرْشِدُوا وَلَا تَعْصُوهُ فَتَتَدْمِوْا﴾ (۲)

”عقل سے رہنمائی حاصل کرو تو استیل چائے گا اور اسکی نافرمانی نہ کرنا اور نہ شرمندگی انحصاراً

پڑے گی“

حضرت علی :

﴿الْعُقْلُ أَصْلُ الْعِلْمِ وَدَاعِيَةُ الْفَهْمِ﴾ (۳)

”عقل، علم کی بنیاد اور فہم (غور و فکر) کی طرف دعوت دینے والی ہے“

امام جعفر صادق :

﴿الْعُقْلُ دَلِيلُ الْمُؤْمِنِ﴾ (۴)

(۱) تحقیق العقول ص ۵۳۔ بخار الانوار ج ۷ ص ۱۵۸۔

(۲) اصول کافی ج ۱ ص ۲۵۔

(۳) غر راحم ج ۱ ص ۱۰۲۔

(۴) اصول کافی ج ۱ ص ۲۵۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں
”عقل مون کی رہنمائے“

دنیا کے حقائق اور اسرار و رموز کی معرفت کیلئے عقل کی قدر و قیمت اور اہمیت کیا ہے؟ اسکو روایات میں یوں بیان کیا گیا ہے: ”خداوند عالم اپنے بندوں پر عقل کے ذریعہ ہی احتجاج (دلیل) پیش کریگا اور اسی کے مطابق ان کو جزا ایسا زادی جائیگی، اس مختصر سے جملہ کے ذریعہ انسانی زندگی میں عقل کی قدر و قیمت اور دین خدا میں اسکی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

امام موسی کاظمؑ :

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَى النَّاسِ حِجْتَيْنِ حِجْجَةُ الظَّاهِرَةِ وَحِجْجَةُ الْبَاطِنَةِ، فَأَمَّا الظَّاهِرَةُ فَالرَّسُولُ

وَالْأَنْبِيَاءُ وَالْأَئْمَةُ﴾ (۱)، وَأَمَّا الْبَاطِنَةُ فَالْعُقُولُ﴾ (۱)

”بندوں پر خداوند عالم کی دو حجتیں (دلیلیں) ہیں ایک کھلی ہوئی اور ظاہر ہے اور دوسری پوشیدہ ہے ظاہری حجت اسکے رسول، انبیاء اور ائمہ ہیں اور پوشیدہ حجت کا نام عقل ہے“
آپؑ ہی کا یہ ارشاد گرامی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَكْمَلَ لِلنَّاسِ الْحِجَاجَ بِالْعُقُولِ، وَأَفْضَى إِلَيْهِمْ

بِالْبَيَانِ، وَدَلَّهُمْ عَلَى رِبْوَيْتِهِ بِالْأَدْلَلَةِ﴾ (۲)

”خداوند عالم نے عقولوں کے ذریعہ لوگوں پر اپنی سب حجتیں تمام کر دی ہیں اور بیان سے ان کی وضاحت فرمادی اور دلیلوں کے ذریعہ اپنی ربوبیت کی طرف ان کی رہنمائی کر دی ہے“

لبذا عقل، انسان کے اوپر خداوند عالم کی حجت اور دلیل ہے جسکے ذریعہ وہ اپنے بندوں کا فیصلہ کرتا ہے اور اگر ہم وادر اک کی اسی صلاحیت کی بناء پر اسلام نے عقل کو اس اہمیت اور عظمت سے

(۱) بخار الانوار ج ۱ ص ۱۳۲۔

(۲) بخار الانوار ج ۱ ص ۱۳۲۔

ذنو ازا ہوتا تو وہ کبھی بھی جنت اور دلیل نہیں بن سکتی تھی اور اس کے مطابق فیصلہ ممکن نہیں تھا۔
یہی وجہ ہے کہ روایات میں آیا ہے کہ خداوند عالم عقل کے مطابق ہی جزا یا سزا دیگا۔

۲۔ اطاعت خدا

جب فہم و ادراک اور نظری معرفت کے میدان میں عقل کی اس قدر اہمیت ہے۔۔۔ تو اسی نظری معرفت کے نتیجہ میں عملی معرفت پیدا ہوتی ہے جسکی بنابر انسان کیلئے کچھ واجبات کی ادائیگی اور محramat سے پرہیز واجب ہو جاتا ہے۔

چنانچہ جس نظری معرفت کے نتیجہ میں عملی معرفت پیدا ہوتی ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ انسان خداوند عالم کے مقام ربو بیت والو ہیت کو پہچان لے اور اس طرح اسکی عبودیت اور بندگی کے مقام کی معرفت بھی پیدا کر لے اور جب انسان یہ معرفت حاصل کر لیتا ہے تو اس پر خداوند عالم کے احکام کی اطاعت و فرمائبرداری واجب ہو جاتی ہے۔

یہ معرفت، عقل کے خصوصیات میں سے ایک ہے اور یہی وہ معرفت ہے جو انسان کو خدا کے اوامر کی اطاعت اور نواہی سے پرہیز (واجبات و محramat) کا ذمہ دار اور اسکی ادائیگی یا مخالفت کی صورت میں جزا اوسرا کا مستحق قرار دیتی ہے اور اگر معرفت نظری کے بعد یہ معرفت عملی نہ پائی جائے تو پھر انسان کے اوپر اوامر اور نواہی الہیہ نافذ (لا گو) نہیں ہو سکتے یعنی نہ اسکے اوپر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور نہ ہی اسکو جزا اوسرا کا مستحق قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی بیان کی طرف مندرجہ ذیل روایات میں اشارہ موجود ہے:

امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے:

﴿لَمَا خَلَقَ اللَّهُ الْعَقْلَ اسْتَنْطَفَهُ ثُمَّ قَالَ لَهُ أَقْبِلْ فَاقْبِلْ، ثُمَّ قَالَ لَهُ أَدْبِرْ فَادْبِرْ، ثُمَّ قَالَ لَهُ وَعَزَّتِي وَجْلَالِي مَا خَلَقْتَ خَلْقًا هُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْكَ، وَلَا كُمْلَكَ الْأَفِيمِنَ﴾

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں.....

احب، اما انی ایاک آمر و ایاک انہی و ایاک اعاقب و ایاک ائب ۱)

”یعنی جب پروردگار عالم نے عقل کو خلق فرمایا تو اسے گویا ہونے کا حکم دیا پھر اس سے فرمایا سامنے آ، تو وہ سامنے آ گئی اسکے بعد فرمایا پچھے ہٹ جاتو وہ پچھے ہٹ گئی تو پروردگار نے اس سے فرمایا کہ میری عزت و جلالت کی قسم میں نے تجھ سے زیادہ اپنی محبوب کوئی اور مخلوق پیدا نہیں کی ہے اور میں تجھے اسکے اندر کامل کروں گا جس سے مجھے محبت ہوگی۔ یاد رکھ کہ میں صرف اور صرف تیرے ہی مطابق کوئی حکم دونگا اور تیرے ہی مطابق کسی چیز سے منع کروں گا اور صرف تیرے مطابق عذاب کروں گا اور تیرے ہی اقربار سے ثواب دونگا“

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

﴿لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الْعِقْلَ قَالَ لَهُ أَدْبُرْ فَادْبُرْ، ثُمَّ قَالَ أَقْبَلْ فَاقْبَلْ، فَقَالَ عَزَّتِي وَجَلَّتِي مَا خَلَقْتَ خَلْقًا أَحْسَنْ مِنْكَ، إِيَّاكَ آمَرْ وَإِيَّاكَ انْهِيْ، إِيَّاكَ ائِبْ وَإِيَّاكَ اعاقِبْ﴾ ۲)

”جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا واپس پلٹ جاتو وہ واپس پلٹ گئی اسکے بعد فرمایا سامنے آ، تو وہ آ گئی تو ارشاد فرمایا کہ میری عزت و جلالت کی قسم: میں نے تجھ سے زیادہ حسین و ہمیل کوئی مخلوق پیدا نہیں کی ہے لہذا صرف اور صرف تیرے ہی مطابق امر و نہی کروں گا اور صرف اور صرف تیرے ہی مطابق ثواب یا عذاب دونگا“

بعینہ یہی مضمون دوسری روایات میں بھی موجود ہے۔ ۳)

ان روایات میں اس بات کی طرف کنایہ و اشارہ پایا جاتا ہے کہ عقل، خداوند عالم کی مطیع

(۱) اصول کافی ج ۱ ص ۱۰۔

(۲) بخار الانوار ج ۱ ص ۹۶۔

(۳) بخار الانوار ج ۱ ص ۹۷۔

و فرمانبردار مخلوق ہے کہ جب اسے حکم دیا گیا کہ سامنے آ، تو سامنے آ گئی اور جب کہا گیا کہ واپس پلٹ جاتو وہ واپس پلٹ گئی۔

روایات میں اس طرح کے اشارے اور کتابے ایک عام بات ہے۔

علم و عمل کے درمیان رابطہ کے بارے میں حضرت علیؓ کا یہ ارشاد ہے:

﴿العاقل اذا علم عمل، واذا عمل اخلص﴾ (۱)

”عقل جب کوئی چیز جان لیتا ہے تو اس پر عمل کرتا ہے اور جب عمل کرتا ہے تو اسکی نیت خالص رہتی ہے“

اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بنگی اور اسکے احکامات کی فرمانبرداری میں عقل کیا کرو ادا کرنی ہے اسکے بارے میں اسلامی کتابوں میں روایات موجود ہیں جمیں سے ہم نمونے کے طور پر صرف چند روایات ذکر کر رہے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ:

﴿العاقل من أطاع الله﴾ (۲)

”عقل وہ ہے جو خدا کا فرمانبردار ہو“

روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ عقل کیا ہے؟

قال : ﴿العمل بطاعة الله، ان العمال بطاعة الله هم العقلاء﴾

”فرمایا: حکم خدا کے مطابق عمل کرنا، پیشک اطاعت خدا کے مطابق چلنے والے ہی صاحبان

عقل ہیں،“ (۳)

(۱) غرائیم ج ۱ ص ۱۰۱۔

(۲) بخار الانوار ج ۱ ص ۱۶۰۔

(۳) بخار الانوار ج ۱ ص ۱۳۳۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں.....

امام جعفر صادق ” سے سوال کیا گیا کہ عقل کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

”جس سے خداوند عالم (رَحْمَن) کی عبادت کی جائے اور جنت حاصل کی جائے، راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ پھر محاویہ کے اندر کیا تھا؟ فرمایا: وہ چال بازی اور شیطنت تھی“ (۱)

حضرت علی ” ﴿اعقلکم اطوعکم﴾ (۲)

”سب سے بڑا عقل وہ ہے جو سب سے زیادہ اطاعت گزار ہو“

امام جعفر صادق :

﴿العقل من كان ذلولاً عند اجابة الحق﴾ (۳)

”عاقل وہ ہے جو دعوت حق کو بلیک کہتے وقت اپنے کو سب سے زیادہ ذلیل سمجھئے“

۳۔ خواہشات کے مقابلہ کے لئے صبر و تحمل (خواہشات کا دفاع)

یہ وہ تیسرا فضیلت ہے جس سے خداوند عالم نے انسانی عقل کو نواز اے۔ اور یہ عقل کی ایک بنیادی اور دشوار گذار نیز اہم ذمہ داری ہے جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اسکی یہ ذمہ داری اطاعت الٰہی کا ہی ایک دوسرا رخ تصور کی جاتی ہے بلکہ در حقیقت (واجبات پر عمل اور محبت سے پرہیز) ہی اطاعت خدا کے مصدق ہیں اور ان کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں واجبات پر عمل کر کے اسکی اطاعت کی جاتی ہے اور دوسری صورت میں اسکی حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کر کے خواہشات سے اپنے نفس کو روک کر اور ان پر صبر کر کے اسکی فرمانبرداری کی جاتی ہے اس بنا پر عقل کی یہ ذمہ داری اور ڈیوٹی ہے کہ وہ خواہشات نفس کو اپنے قابو میں رکھے اور انھیں اس طرح اپنے ماتحت رکھے کہ وہ کبھی اپنا سرنہ اٹھا سکیں۔

(۱) بخار الانوار ج ۱ ص ۱۶۲۔

(۲) غر راحمہ ج ۹ ص ۷۹۔

(۳) بخار الانوار ج ۱ ص ۱۳۰۔

خواہشات نفس کو کنڑول کرنے کے بارے میں عقل کی اس ڈیوٹی کے سلسلہ میں بیحد تائید کی گئی ہے۔ نمونہ کے طور پر حضرت علیؓ کے مندرجہ ذیل اقوال حاضر خدمت ہیں:

☆ ﴿العقل حسام قاطع﴾ (۱)

”عقل (خواہشات کو) کاٹ دینے والی تیز شمشیر ہے“

☆ ﴿قاتل هو اك بعقلك﴾ (۲)

”اپنی عقل کے ذریعہ اپنی خواہشات سے جنگ کرو“

☆ ﴿للتفوس خواتر لله ولهم العقول تزجر و تنهى﴾ (۳)

”نفس کے اندر ہوئی وہوس کی بنا پر مختلف حالات پیدا ہوتے رہتے ہیں اور عقل ان سے منع

کرتی ہے“

☆ ﴿للقلوب خواتر سوء والعقول تزجر منها﴾ (۴)

”دلوں پر بربے خیالات کا گذر ہوتا ہے تو عقل ان سے روکتی ہے“

☆ ﴿العقل من غالب هو انه ولم يبع آخرته بدنياه﴾ (۵)

”عقل وہ ہے جو اپنی خواہش کا مالک ہو اور اپنی آخرت کو اپنی دنیا کے عوض فروخت نہ کرے“

☆ ﴿العقل من هجر شهوته، وباع دنياه بآخرته﴾ (۶)

”عقل وہ ہے جو اپنی شہوت سے بالکل دور ہو جائے اور اپنی دنیا کو اپنی آخرت کے عوض

(۱) نجاح البلاغہ۔

(۲) گذشتہ حوالہ۔

(۳) تحقیق المحتول ص ۹۶۔

(۴) غررا حکم ج ۲ ص ۱۲۱۔

(۵) غررا حکم ج ۱ ص ۱۰۳۔

(۶) غررا حکم ج ۱ ص ۸۶۔

فروخت کرڈا لے،“

☆ ﴿العاقل عدول ذہ والجاحل عبد شهوته﴾ (۱)

”عاقل اپنی لذتوں کا دشمن ہوتا ہے اور جاہل اپنی شہوت کا غلام ہوتا ہے۔“

☆ ﴿العاقل من عصیٰ ہواه فی طاعة ربہ﴾ (۲)

”عاقل وہ ہے جو اطاعت الہی کے لئے اپنی خواہش نفس (ہوس) کی مخالفت کرے۔“

☆ ﴿العاقل من غالب نوازع اهویته﴾ (۳)

”عاقل وہ ہے جو اپنے خواہشات کی لغزشوں پر غالب رکھے۔“

☆ ﴿العاقل من أمات شهوته، والقوى من قمع لذته﴾ (۴)

”عاقل وہ ہے جو اپنی شہوت کو مردہ بنادے اور قوی وہ ہے جو اپنی لذتوں کا قلع قلع کر دے۔“

الہذا عقل کے تین مرحلے ہیں:

۱۔ معرفت خدا

۲۔ واجبات میں ایک اطاعت

۳۔ جن خواہشات نفس اور محرومات سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان سے پرہیز کرنا۔

اس باب (بحث) میں ہماری منظور نظر عقل کا یہی تیراکردار ہے یعنی اس میں ہم خواہشات کے مقابلہ کا طریقہ ان پر قابو حاصل کرنے نیز اُنہیں کنشروں کرنے کے طریقے بیان کریں گے۔ الہذا اب آپ نفس کے اندر عقل اور خواہشات کے درمیان موجود خلفشار اور کشمکش کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) غر راحم ج ۱ ص ۲۸۔

(۲) غر راحم ج ۲ ص ۸۷۔

(۳) غر راحم ج ۲ ص ۱۲۰۔

(۴) غر راحم ج ۲ ص ۵۸۔

عقل اور خواہشات کی کشمکش اور انسان کی آخری منزل کی نشاندہی
عقل اور خواہشات کے درمیان جو جنگ بھڑکتی ہے اس سے انسان کے آخری انجام کی
نشاندہی ہو جاتی ہے کہ وہ سعادت مند ہونے والا ہے یا بد بخت؟

یعنی نفس کی اندر وہی جنگ دنیا کے تمام لوگوں کو دو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیتی ہے:

۱۔ متقی

۲۔ فاسق و فاجر

اس طرح بشری عادات و کردار کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ تقویٰ و پرہیز گاری (نیک کردار)

۲۔ فتن و فجور (بد کردار)

تقویٰ یعنی خواہشات کے اوپر عقل کی حکومت اور فتن و فجور اور بد کرداری یعنی عقل
کے اوپر خواہشات کا اندھارا ج، لہذا اسی دورا ہے سے ہر انسان کی سعادت یا بد بختی کے راستے
شمال و جنوب کے راستوں کی طرح ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو جاتے ہیں اور اصحاب بیگین
(نیک افراد) اور اصحاب شمال (یعنی برے لوگوں) کے درمیان یہ جداوی بالکل حقیقی اور جو ہری
جدائی ہے جس میں کسی طرح کا اتصال ممکن نہیں ہے۔ اور یہ جداوی اسی دورا ہے سے پیدا ہوتی
ہے کیونکہ کچھ لوگ اپنی خواہشات پر اپنی عقل کی حاکم رکھتے ہیں لہذا وہ متقی، صالح اور نیک کردار
بن جاتے ہیں اور کچھ اپنی عقل کی باگ ڈورا پنی خواہشات کے حوالہ کر دیتے ہیں لہذا وہ فاسق
و فاجر بن جاتے ہیں اس طرح اہل دنیا دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں کچھ کا راستہ خدا تک پہنچتا

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

ہے اور کچھ جہنم کی آگ کی تہوں میں پہنچ جاتے ہیں۔

امیر المؤمنین نے اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿مَنْ غَلَبَ عِقْلَهُ هُوَ الْفَلْحٌ، وَمَنْ غَلَبَ هُوَ الْعَذَابُ﴾ (۱)

”جس کی عقل اسکی خواہشات پر غالب ہے وہ کامیاب و کامران ہے اور جسکی عقل کے اوپر اسکے خواہشات غلبہ پیدا کر لیں وہ رسواد لیل ہو گیا“

آپ نے ہی یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿الْعُقْلُ صَاحِبُ جَيْشِ الرَّحْمَنِ، وَالْهُوَيْ قَائِدُ جَيْشِ الشَّيْطَانِ وَالنَّفْسِ﴾

متجادلة بينهما، فـأـيـهـما يـغـلـبـ كـانـتـ فـي حـيـزـهـ (۲)

”عقل لٹکر رحمن کی پس سالا رہے اور خواہشات شیطان کے لٹکر کی سردار ہیں اور نفس ان دونوں کے درمیان کشمکش اور کھنچاؤ کا شکار رہتا ہے چنانچہ ان میں جو غالب آ جاتا ہے نفس اسکے ماتحت رہتا ہے“
اس طرح نفس کے اندر یہ جنگ جاری رہتی ہے اور نفس ان دونوں کے درمیان معلق رہتا ہے جب انہیں سے کوئی ایک اس جنگ کو جیت لیتا ہے تو انسان کافی بھی اسکی حکومت کے ماتحت چلا جاتا ہے اب چاہے عقل کامیاب ہو جائے یا خواہشات۔

حضرت علیؑ :

﴿الْعُقْلُ وَالشَّهْوَةُ صَدَانُ، مَؤْيِدُ الْعُقْلِ الْعِلْمُ، مَزِينُ الشَّهْوَةِ الْهُوَيْ وَالنَّفْسِ﴾

متازعة بينهما، فـأـيـهـما قـهـرـ كـانـتـ فـي جـانـبـهـ (۳)

”عقل اور شہوت ایک دوسرے کی ضد ہیں عقل کا مردگار علم ہے اور شہوت کو زینت بخشنے والی چیز

(۱) غر راحمہ ج ۲ ص ۱۸۷۔

(۲) غر راحمہ ج ۱ ص ۱۱۳۔

(۳) گزشتہ حوالہ۔

ہوں اور خواہشات ہیں اور نفس ان دونوں کے درمیان متذبذب رہتا ہے چنانچہ انہیں سے جو غالب آ جاتا ہے نفس بھی اسی کی طرف ہو جاتا ہے۔

یعنی نفس کے بارے میں عقل اور خواہشات کے درمیان ہمیشہ جھگڑا رہتا ہے۔ چنانچہ انہیں سے جو غالب آ جاتا ہے انسان کا نفس بھی اسی کا ساتھ دیتا ہے۔

ضعف عقل اور قوت ہوں

شہوت (خواہشات) اور عقل کی وہ بنیادی اڑائی جسکے بعد انسان کی آخری نزل (سعادت و شقاوت) میں ہوتی ہے اس میں خواہشات کا پلڑا عقل کے مقابلہ میں کافی بھاری رہتا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ عقل فہم والوں کا ایک آلہ ہے جبکہ خواہشات جسم کے اندر انسان کو تحرک بنانے والی ایک مضبوط طاقت ہے اور یہ طے شدہ بات ہے کہ عقل ہر قدم سوچ کجھ کر اٹھاتی ہے لیکن اس کے باوجود بھی اسکو نفس کی قوت محکم نہیں کہا جاتا ہے۔

جبکہ خواہشات کے اندر انسان کو کسی کام پر اکسانے بلکہ بھڑکانے کے لئے اعلیٰ درجہ کی قدرت و طاقت و افرمقدار میں پائی جاتی ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا:

﴿کم من عقل اسیر عند هوی امیر﴾ (۱)

”کتنی عقلیں خواہشات کے آمرانہ بیجوں میں گرفتار ہیں“

خواہشات انسان کو لا جائی اور دھوکہ کے ذریعہ پستیوں کی طرف یجاٹی ہیں اور انسان بھی ان کے ساتھ پھسلتا چلا جاتا ہے۔ جبکہ عقل انسان کو ان چیزوں کی طرف دعوت دیتی ہے جن سے اسے نفرت ہے اور وہ انھیں پسند نہیں کرتا ہے۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

امیر المؤمنین "فرماتے ہیں:

﴿اکرہ نفسك على الفضائل، فان الرذائل انت مطبوع عليها﴾ (۱)

"نیک کام کرنے کے لئے اپنے نفس کے اوپر زورِ ذالو، کیونکہ برا نیوں کی طرف تو تم خود

بن جاتے ہو۔"

کیونکہ خواہشات کے مطابق چلتے وقت راستہ بالکل مزاج کے مطابق گویا ڈھلان دار ہوتا ہے لہذا وہ اسکے اوپر بآسانی پستی کی طرف اترتا چلا جاتا ہے لیکن کمالات اور اچھائیوں میں کیونکہ انسان کا رخ بلند یوں کی طرف ہوتا ہے لہذا اس صورت میں ہر ایک کو زحمت اور مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقل اور شہوت کے درمیان جو بھی جگ چھڑتی ہے اس میں شہوت میں اپنے تمام لا اشکر اور بھر پور قدرست و طاقت اور اثرات کے ساتھ میدان میں اترتی ہیں اور اسکے سامنے عقل کمزور پڑ جاتی ہے۔

اور اکثر اوقات جب عقل اور خواہشات کے درمیان مقابلہ کی نوبت آتی ہے تو عقل کو ہتھیار ڈالنا پڑتے ہیں کیونکہ وہ اسکے اوپر اس طرح حاوی ہو جاتی ہیں کہ اسکو میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیتی ہیں اور اسکا پورا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے کر اسے بالکل لا چار بنا دیتی ہیں۔

عقل کے لشکر

پروردگار عالم نے انسان کے اندر ایک مجموعہ کے تحت کچھ ایسی قویں، اسباب اور ذرائع جمع کردے ہیں جو مشکل سر حلبوں میں عقل کی امداد اور پشت پناہی کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور نفس کے اندر یہ خیر و برکت کا مجموعہ انسان کی فطرت، ضمیر اور نیک جذبات (عواطف) کے عین مطابق ہے اور اس مجموعہ میں خواہشات کے مقابلہ میں انسان کو تحریک کرنے کی تمام صلاحیتیں پائی جاتی ہیں

(۱) مسند رک وسائل الشیعہ ج ۲ ص ۳۱۰۔

اور یہ خواہشات اور ہوس کو روکنے اور ان پر قابو پانے اور خاص طور سے ہوئی وہ ہوس کو کچلنے کے لئے عقل کی معاون ثابت ہوتی ہیں۔

کیونکہ (جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ) عقل تو فہم و ادراک اور علم و معرفت کا ایک آله ہے۔ جو انسان کو چیزوں کی صحیح تفہیم اور انہام و تفہیم کی قوت عطا کرتا ہے اور تھا اسکے اندر خواہشات کے سیالاب کو روکنے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی ہے۔ لہذا ایسے موقع پر عقل خواہشات کو کنڑوں کرنے اور ان پر قابو پانے کے لئے ان اسباب اور ذرائع کا سہارا لیتی ہے جو خداوند عالم نے انسان کے نفس کے اندر رودیعت کے ہیں اور اس طرح عقل کیلئے خواہشات کا مقابلہ اور انکا دفاع کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے لہذا ان اسباب کے پورے مجموعہ کو اسلامی اخلاقیات اور تہذیب و تدن کی زبان میں عقل کے لشکروں کا نام دیا گیا ہے۔ جو ہر اعتبار سے ایک اسم با منی ہے۔
نمونہ کے طور پر اسکی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

کبھی کبھی انسان مال و دولت کی محبت کے جذبے کے دباؤ میں آ کر غلط اور ناجائز راستوں سے دولت اکٹھا کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ ہر انسان کے اندر کسی نہ کسی حد تک مال و دولت کی محبت پائی جاتی ہے مگر بسا اوقات وہ اس میں افراط سے کام لیتا ہے۔ ایسے موقع پر انسانی عقل ہر نفس کے اندر موجود ”عزت نفس“ کے ذمہ سے امداد حاصل کرتی ہے چنانچہ جہاں تو ہیں اور ذلت کا اندر یہ شہر ہوتا ہے عزت نفس اسے وہاں سے دولت حاصل کرنے سے روک دیتی ہے اگرچہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ جس جگہ بھی تو ہیں اور ذلت کا خطہ ہوتا ہے عقل اسکو اس سے اچھی طرح آگاہ کر دیتی ہے لیکن پھر بھی ایسے موقع پر مال و دولت سینئے سے روکنے کے لئے عقل کی رہنمائی تہما کافی نہیں ہے بلکہ اسے عزت نفس کا تعاون درکار ہوتا ہے جسکو حاصل کر کے وہ حب مال کی ہوس اور جذبہ کا مقابلہ کرتی ہے۔

۲۔ جنسی خواہشات انسان کے اندر سب سے زیادہ توی خواہشات ہوتی ہیں اور ان کے

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں.....

دباؤ کے بعد انسان اپنی جذبات کی تسلی کے لئے طرح طرح کے غلط اور حرام راستوں پر دوڑتا چلا جاتا ہے اور اس میں بھی کوئی شک و شہید نہیں ہے کہ ایسے اکثر حالات میں عقل جنسی بے راہ روی کے غلط مقامات کا بخوبی مقابلہ نہیں کر سکتی اور اسے صحیح الفطرت انسان کے نفس کے اندر موجود ایک اور فطری طاقت یعنی عفت نفس (پاک داشتی) کی مدد حاصل کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ جب انسان کے سامنے اس کی عفت اور پاک داشتی کا سوال پیدا ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس بری حرکت سے رک جاتا ہے۔

۳۔ کبھی کبھی انسان کے اندر سر بلندی، اناستیت اور غرور و تکبر کا اتنا مارہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے سامنے دوسروں کو بالکل ذلیل اور پست سمجھنے لگتا ہے اور یہ ایک ایسی صفت ہے جس کو عقل ہر اعتبار سے برا بھیختی ہے اسکے باوجود جب تک عقل، نفس کے اندر خداوند عالم کی ودیعت کردہ قوت تواضع سے امداد حاصل نہ کرے وہ اس غرور و تکبر کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔

۴۔ کبھی کبھی انسان اپنے نفس کے اندر موجود ایک طاقت یعنی غیظ و غصب اور غصہ کا شکار ہو جاتا ہے جسکے نتیجہ میں وہ دوسروں کی توہین اور بے عزتی کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ یہ کام عقل کی نگاہ پا بصیرت میں کتنا ہی فتح اور برا کیوں نہ ہوا اسکے باوجود عقل صرف اور صرف اپنے بل بوتے پر انسان کے ہوش و حواس چھین لینے والی اس طاقت کا مقابلہ کرنے سے معدور ہے لہذا ایسے موقع پر عقل، عام طور سے انسان کے اندر موجود، رحم و کرم کی فطری قوت و طاقت کو سہارا بناتی ہے۔ کیونکہ اس صفت (رحم و کرم) میں غصہ کے برابر یا بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی قوت اور صلاحیت پائی جاتی ہے تھی وجہ ہے کہ انسان غصہ کی بنابر کوئی جرم کرنا چاہتا ہے تو رحم و کرم کی مضبوطہ زنجیریں اسکے ہاتھوں کو جکڑ لیتی ہیں۔

۵۔ اسی طرح انسان اپنی کسی اور خواہش کے اشارہ پر چلتا ہو اخداوند عالم کی محصیت اور گناہ کے راستوں پر چلنے لگتا ہے تب عقل اسکو ”خوف الہی“ کے سہارے اس گناہ سے بچالیتی ہے۔

اس قسم کی اور بے شمار مثالیں موجود ہیں جن میں سے مذکورہ مثالیں ہم نے صرف وضاحت کے لئے بطور نمونہ پیش کر دی ہیں ان کے علاوہ کسی وضاحت کے بغیر پکھا اور مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

بھی نمک حرامی کے مقابلہ میں شکر نعمت، بغض وحد کے مقابلہ کے لئے پیار و محبت اور مایوسی کے مقابلہ میں رجاء و امید کی مدد حاصل کرتی ہے۔

لشکر عقل سے متعلق روایات

معصومینؐ کی احادیث میں نفس کے اندر موجود پچھتر صفات کو عقل کا لشکر کہا گیا ہے جن کا کام یہ ہے کہ یہ ان دوسری پچھتر صفات کا مقابلہ کرتی ہیں جنہیں خواہشات اور ہوس یا حدیث کے مطابق جہل کا لشکر کہا جاتا ہے۔

چنانچہ نفس کے اندر یہ دونوں متصاد صفتیں درحقیقت نفس کے دو اندر ورنی جنگی محاذوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جن میں ایک محاڑ پر عقل کی فوجوں اور دوسری جانب جہل یا خواہشات کے لشکروں کے درمیان مسلسل جنگ کے شعلے بھر کتے رہتے ہیں۔

علامہ مجلسی (رح) نے اپنی کتاب بحوار الانوار کی پہلی جلد میں اس سے متعلق امام جعفر صادقؑ اور امام موی کاظمؑ سے بعض روایات نقل کی ہیں جن کو ہم ان کی سند کے ساتھ ذکر کر رہے ہیں تاکہ آنکہ ان کی وضاحت میں آسانی رہے۔

پہلی روایت

سعد اور حمیری دونوں نے بر قی سے انہوں نے علی بن حدید سے انہوں نے سامعہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت موجود تھا اور اس وقت آپؑ کی خدمت میں کچھ آپؑ کے چاہنے والے بھی حاضر تھے عقل اور جہل کا تذکرہ درمیان میں آگیا تو امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا کہ: عقل اور اسکے لشکر کو اور جہل اور اسکے لشکر کو پیچاں لو تو ہدایت پا جاؤ گے۔ سامعہ کہتے ہیں کہ: میں نے عرض کی میں آپؑ پر قربان، جتنا آپؑ نے ہمیں سکھا دیا ہے ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں تو امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے اپنی روحانی مخلوقات میں اپنے نور

کے عرش کے دائیں حصہ سے جس مخلوق کو سب سے پہلے پیدا کیا ہے وہ عقل ہے۔ پھر اس سے فرمایا
سامنے آ: تو وہ سامنے حاضر ہو گئی پھر ارشاد فرمایا: واپس پلٹ جاتو وہ واپس پلٹ گئی، تو ارشادِ الہی ہوا،
میں نے تجھے عظیم خلقت سے نوازا ہے اور تجھے اپنی تمام مخلوقات پر شرف بخشنا ہے پھر آپ نے
فرمایا: کہ پھر خداوند عالم نے جہل کو ظلمتوں کے کھاری سمندر سے پیدا کیا اور اس سے فرمایا کہ پلٹ جا
تو وہ پلٹ گیا پھر فرمایا: سامنے آ: تو اس نے اطاعت نہیں کی تو خداوند عالم نے اس سے فرمایا: تو نے
غزوہ و تکبر سے کام لیا ہے؟ پھر (خدا نے) اس پر لعنت فرمائی۔ اسکے بعد عقل کے پچھتر لشکر قرار دئے
جب جہل نے عقل کے لئے یہ عزت و تکریم اور عطا دیکھی تو اسکے اندر عقل کی دشمنی پیدا ہو گئی تو اس نے
عرض کی اے میرے پروردگار، یہ بھی میری طرح ایک مخلوق ہے جسے تو نے پیدا کر کے عزت اور
طااقت سے نوازا ہے۔ اور میں اسکی ضد ہوں جبکہ میرے پاس کوئی طاقت نہیں ہے لہذا جیسی فوج تو نے
اے دی ہے مجھے بھی ایسی ہی زبردست فوج عنایت فرماء۔ تو ارشادِ الہی ہوا: بالکل (عطاؤ کروں گا) لیکن
اگر اسکے بعد تو نے میری نافرمانی کی تو میں تجھے تیرے لشکر سمیت اپنی رحمت سے باہر نکال دوں گا اس
نے کہا مجھے منظور ہے تو خداوند عالم نے اسے بھی پچھتر لشکر عنایت فرمائے۔ چنانچہ عقل اور جہل کو جو
الگ الگ پچھتر لشکر عنایت کئے گئے انکی تفصیل یہ ہے:

خیر، عقل کا وزیر ہے اور اسکی ضد شر کو قرار دیا جو جہل کا وزیر ہے۔

ایمان کی ضد کفر

تصدیق کی ضد انکار

رجاء (امید) کی ضد مابیوسی

عدل کی ضد ظلم و جور

رضاء (خشنودی) کی ضد ناراضگی

لشکر کی ضد کفران (ناشکری)

لائچ کی ضدیاں
 توکل کی ضد حرص
 رافت کی ضد غلظت؟
 رحمت کی ضد غصب
 علم کی ضد جہل
 فہم کی ضد حماقت
 عفت کی ضد بے غیرتی
 زہد کی ضد رغبت (دیپھی)
 قرابت کی ضد جدائی
 خوف کی ضد جرائمت
 تواضع کی ضد تکبر
 محبت کی ضد تسرع (جلد بازی)؟
 علم کی ضد سفاہت
 خاموشی کی ضد بکواس
 سر پر دگی کی ضد استکبار
 تسلیم (کسی کے سامنے تسلیم ہونا) کی ضد سرگشی
 عنوی کی ضد کینہ
 نرمی کی ضد سختی
 یقین کی ضد شک
 صبر کی ضد جزع فزع (بے صبری کا اظہار کرنا)

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

خطا پر حشم پوشی (صفحہ) کی ضدانقام

غئی کی ضد فقر

تکفیر کی ضد سہو

حافظہ کی ضد نسیان

عطوفت کی ضد قطع (تعلق)

قیامت کی ضد حرمن

مواسات کی ضد محروم کرنا (کسی کا حق روکنا)

مودت کی ضد عداوت

وقا کی ضد غداری

اطاعت کی ضد معصیت

خپسونگ کی ضد اظہار سر بلندی

سلامتی کا ضد بلاء

حب کی ضد بغض

صدق کی ضد کذب

حق کی ضد باطل

امانت کی ضد خیانت

اخلاص کی ضد ملاوٹ

ذکاءت کی ضد کندھائی

فهم کی ضد ناکجھی

معرفت کی ضد انکار

مدارات کی ضد رسوایگی کرنا

سلامت کی ضد غیب

کتمان کی ضد افشا (ظاہر کر دینا)

نمایز کی ضد اسے ضائع کرنا

روزہ کی ضد انتظار

جهاد کی ضد بزدی (دشمن سے پیچھے ہٹ جانا)

حج کی ضد عہد شکنی

رازداری کی ضد فاش کرنا

والدین کے ساتھ یتکل کی ضد عاق والدین

حقیقت کی ضد ریا

معروف کی ضد منکر

ستر (پوشش) کی ضد برہنگی

لقیہ کی ضد ظاہر کرنا

النصاف کی ضد حیثیت

ہوشیاری کی ضد بغاوت

صفائی کی ضد گندگی

حیاء کی ضد بے حیائی

قصد (استقامت) کی ضد عدد و ان

راحت کی ضد تعب (تحکم)

آسانی کی ضد مشکل

برکت کی ضد بے برکتی

عافیت کی ضد بلا

اعتدال کی ضد کثرت طلبی

حکمت کی ضد خواہش نفس

وقارکی ضد ہلکا پن

سعادت کی ضد شقاوت

توبہ کی ضد اصرار (برگناہ)

استغفار کی ضد اغترار (دھوکہ میں مبتلا رہنا)

احساس ذمہ داری کی ضد لا پرواہی

دعا کی ضد یعنی غرور و تکبر کا اظہار

نشاط کی ضد سستی

فرح (خوشی) کی ضد حزن

الفت کی ضد فرقہ (جدائی)

سخاوت کی ضد بخل

پس عقل کے لشکروں کی یہ ساری صفتیں صرف نبی یا نبی کے وصی یا اسی بندہ مومن میں
ہی جمع ہو سکتی ہیں جس کے قلب کا اللہ نے ایمان کے لئے امتحان لے لیا ہوا! البتہ ہمارے بغیر
چاہئے والوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جسمیں ان لشکروں کی بعض صفتیں نہ پائی جائیں یہاں تک
کہ جب وہ انہیں اپنے اندر کامل کر لے اور جہل کے لشکر سے چھکارا پا لے تو وہ بھی انبیاء
اور اوصیاء کے اعلیٰ درجہ میں پہنچ جائے گا۔ بلاشبہ کامیابی عقل اور اسکے لشکر کی معرفت اور جہل
نیز اس کے لشکر سے دوری کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ خداوند عالم ہمیں اور خصوصیت سے تم

لوگوں کو اپنی اطاعت اور رضا کی توفیق عطا فرمائے۔ (۱)

دوسری روایت

ہشام بن حکم نے یہ روایت امام موسیٰ کاظم سے نقل کی ہے اور شیخ گلشنی (رہ) نے اسے اصول کافی میں تحریر کیا ہے اور اسی سے علامہ مجلسی (رہ) نے اپنی کتاب بحوار الانوار میں نقل کیا ہے۔ (۲)

یہ روایت چونکہ کچھ طویل ہے لہذا ہم صرف بقدر ضرورت اسکا اقتباس پیش کر رہے ہیں:

امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: اے ہشام عقل اور اسکے شکرود کو اور جہل اور اسکے شکرود کو پہچان لو اور ہدایت یافت لوگوں میں سے ہو جاؤ: ہشام نے عرض کی ہمیں تو صرف وہی معلوم ہے جو آپ نے سکھا دیا ہے تو آپ نے فرمایا: اے ہشام پیش خداوند عالم نے عقل کو پیدا کیا ہے اور اللہ کی سب سے پہلی مخلوق ہے۔۔۔ پھر عقل کے لئے کچھ تر شکر قرار دئے چنانچہ عقل کو جو کچھ تر شکر دئے گئے وہ یہ ہیں:

خیر، عقل کا وزیر اور شر، جہل کا وزیر ہے

ایمان، کفر

تهدیق، تکذیب

اخلاص، نفاق

رجاء، نامیدی

عدل، جور

خوشی، ناراضگی

(۱) بحوار الانوار ج ۱ ص ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ کتاب عقل و جہل۔

(۲) اصول کافی جلد اص ۱۳۔ ۲۳۔ بحوار الانوار جلد اص ۱۵۹۔

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

شکر، کفران (ناشکری)

طبع رحمت، رحمت سے مایوسی

توکل، حرص

نرم دلی، قساوت قلب

علم، جهل

عفت، بے حیاتی

زہد، دنیا پرستی

خوش اخلاقی، بد اخلاقی

خوف، جراثت

تواضع، کبر

صبر، جلد بازی

ہوشیاری، بے وقوفی

خاموشی، حذر

سر پر دگی، اشکبار

تلیم، اظہار سر بلندی

عفو، کینہ

رحمت، سختی

یقین، شک

صبر، بے صبری (جزع)

عفو، انتقام

استغنا (مالداری)، فقر

تکرر، ہبھو

حفظ، تیار

صلح، قطع علاق

قاعدت، بے انتہا لامبج

مواسات، شدیدنا (منع)

مودت، عداوت

وفاداری، غداری

اطاعت، محضیت

خضوع، اظہار سر بلندی

صحت، (سلامتی) بلاء

فهم، غبی ہونا (کم سمجھی)

معرفت، انکار

దمارات، رسوا کرنا

سلامتة الغیب، حیله و فریب

کتمان (حفظ راز)، افشاء

والدین کے ساتھ حسن سلوک، عاق ہونا

حقیقت، ریا

معروف، مکر

تلقیہ، ظاہر کرنا

انصاف، ظلم

خود سے دور کرنا، حسد

صفائی، گندگی

حیاء، وقار، حالت

میانہ روی، اسراف

راحت و آسانی، زحمت (چکن)

سهولت، مشکل

عافیت، بلا

اعتدال، کثرت، طلبی

حکمت، ہوئی

وقار، ہلکا پن

سعادت، شقاوت

توبہ، اصرار بر گناہ

اصرار، خوف

دعا، غرور و تکبر کی بنا پر (دعا سے) دور رہنا

نشاط، سستی

خوشی، حزن

الفت، جدائی

سخاوت، بخل

خشوع، عجب

سچائی، چھٹپتوڑی

استغفار، اغترار (دھوکہ میں بچتا رہنا)

زیریکی، حماقت

اے ہشام! یہ خصلتیں صرف اور صرف کسی نبی یا وصی اور یا اس بندہ مومن کے دل میں ہی جمع ہو سکتی ہیں جس کے قلب کو خداوند عالم نے ایمان کے لئے آزمایا ہو لیکن دوسرے تمام مومنین میں کوئی ایسا نہیں ہے جس میں عقل کے لشکروں کے بعض صفات نہ پائے جاتے ہوں اور اگر وہ اپنی عقل کو کامل کر لے اور جہل کے لشکروں سے چھکارا حاصل کر لے تو پھر وہ بھی انہیاء اور اوصیائے الہی کے درجہ میں پہنچ جائے گا اللہ ہم اور تم کو بھی اپنی اطاعت کی توفیق عنایت فرمائے۔

روایت کی مختصر وضاحت:

عقل و جہل کی مذکورہ روایات میں متعدد غور طلب نکات پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض نکات کی وضاحت کی جا رہی ہے۔

۱۔ ان روایات کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن و احادیث کی طرح ان روایات میں بھی کنایہ دار اور رمزیہ زبان استعمال ہوتی ہے خاص طور سے انسان کی خلقت کے بارے میں کنایات و اشارات کا پہلو بہت ہی زیادہ روشن ہے لہذا روایات اور ان کے معانی و مفہایہم کو دیکھنے کے لئے حدیث فہمی کے ذوق سلیم کی ضرورت ہے۔

۲۔ دونوں روایات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب خداوند عالم نے واپس پہنچنے (اوبار) کا حکم دیا تو عقل و جہل دونوں نے اسکی اطاعت کر لی۔ لیکن جب خداوند عالم نے سامنے آنے کا حکم دیا تو اس موقع پر صرف عقل نے اطاعت کی اور جہل نے حکم خدا سے سرچھپی کرتے ہوئے سامنے آنے سے انکار کر دیا۔

..... خواہیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

ان روایات میں جہل سے مراد خواہشات نفس ہیں جیسا کہ ان دونوں روایات سے بھی اندازہ ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں میں ہی جہل کو عقل کی ضد قرار دیا گیا ہے۔

میرا خیال تو یہ ہے (اگرچہ خدا بہتر جانتا ہے) کہ یہاں (ادبار) واپس جانے کے حکم سے مراد حکم تکوئی ہے جس کی طرف اس آیہ کریمہ میں اشارہ موجود ہے:

﴿وَإِذَا قُضِيَ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (۱)

”اور جب کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو صرف ”کن“ کہتا ہے اور وہ چیز ہو جاتی ہے“

اس حکم الہی کی پیروی اور پابندی میں عقل اور خواہشات حتیٰ کہ پوری کائنات بھی اس اعتبار سے مشرک ہیں کہ جب خداوند عالم کوئی حکم دیتا ہے تو وہ بھی اسکی اطاعت کرتے ہیں۔

﴿إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرْدَنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (۲)

”ہم جس چیز کا ارادہ کر لیتے ہیں اس سے فقط اتنا کہتے ہیں کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے“

﴿سَبَّحَنَهُ إِذَا قُضِيَ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (۳)

”وہ پاک و بے نیاز ہے جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ چیز ہو جاتی ہے“

چنانچہ جس طرح عقل اور اسکے لشکر خداوند عالم کے حکم تکوئی کی اطاعت کرتے ہیں اسی طرح خواہشات نفس نے بھی اسکے حکم کے مطابق عمل کیا ہے۔ لیکن سامنے آنے کا حکم اور اسکے مقابلہ میں ادبار (واپس جانے) کا حکم اور ہوائے نفس کا اس معاملہ میں عقل کی مخالفت کرنا یہ دونوں اس بات کا قرینہ ہیں کہ اس حکم سے احکام (اوامر) تشریعی مراد ہیں اور یہی وہ احکام شرعی ہیں جن میں عقل

(۱) سورہ بقرہ آیت ۷۴۔

(۲) سورہ مُحَمَّد آیت ۳۰۔

(۳) سورہ مریم آیت ۳۵۔

اطاعت کرتی ہے اور ہوائے نفس انکی مخالفت کرتی ہے۔

۳۔ ان دونوں روایات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عقل اور خواہشات کو دو الگ الگ مادوں

سے بنایا گیا ہے۔

جیسا کہ روایات میں بھی ہے کہ عقل خدا کی روحانی مخلوق ہے جس کو خداوند عالم نے اپنے نور اور عرش کے دامیں حصہ سے خلق کیا ہے جبکہ جہل (خواہشوں) کو خداوند عالم نے تاریکیوں کے کھاری سمندر سے پیدا کیا ہے اگرچہ حقیقی طور پر ہم یہ نہیں کہہ سکتے میں کہ عقل اور خواہشات کا پہلا مادہ (عصر اولیہ) کیا ہے۔ کیونکہ اسکا علم تو صرف انھیں ہستیوں کے پاس ہے جنھیں خداوند عالم نے تاویل احادیث کا علم و دلیعہ فرمایا ہے۔ لیکن پھر بھی ان دونوں روایات کے مطابق اس بات میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ عقل کا اصل مواد اور عصر (پہلا میہیریل) فہم و ادراک اور معرفت سے مشتق ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا ہی ایک نور ہے خواہشات کا اصل مواد اور عصر اس فہم و ادراک اور معرفت سے خالی ہے۔ بلکہ خواہشات تو حاجتوں اور مطالبات کی تاریکیوں کا ایک ایسا جمود ہیں جن کے درمیان سے فہم و ادراک کا گذرنہیں ہو پاتا جبکہ عقل تبدیل فہم اور فرستوں کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ دونوں خداوند عالم کی طرف سے انسان کی شخصیت کے بنیادی محور قرار دے گئے ہیں؟

۴۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب عقل نے دونوں احکام کی اطاعت کر لی تو خداوند عالم نے اسکا احترام کیا اور اسے عزت بخشی لیکن جہل نے کیونکہ خدا کے حکم کی مخالفت کی تھی لہذا اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرمائی اور لعنت یعنی رحمت خدا سے دور ہو جانا اور اسکی بارگاہ سے جھڑک دیا جانا، کویا روایت یہ بتا رہی ہے کہ انسان کی شخصیت کے دونیادی محور اور مرکز ہیں انہیں سے ایک اسے خداوند عالم سے قریب کرتا ہے تو دوسرا محور اسکو خدا سے دور کر دیتا ہے اور یہ دونوں محور اور مرکز یعنی عقل اور خواہشات انسان کو بالکل دو منقاذ زاویوں (راستوں اور مقاصد) کی طرف کھینچتے ہیں کیونکہ خدا نے انکو اسی طرح پیدا کیا ہے۔ چنانچہ عقل انسان کو خدا کی طرف لیجاتی ہے۔ اور خواہشات اسے خداوند

عالم سے دور کرتے رہتے ہیں۔

۵۔ دونوں روایات میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ جب خداوند عالم نے عقل کو ۵۰ لشکر عنایت فرمائے اور جہل نے بارگاہ الہی میں اپنی کمزوری کی فریاد کی تو خداوند عالم نے اسے بھی اتنے ہی لشکر عنایت فرمادے لیکن اس کے بعد اس سے یہ فرمایا:

﴿فَإِنْ عَصَيْتَ بَعْدَ ذَلِكَ أُخْرَ جِنْتَكَ وَجَنْدَكَ مِنْ رَحْمَتِي﴾

”اب اگر اسکے بعد تو نے میری نافرمانی کی تو میں تجھے تیرے لشکر سیست اپنی رحمت کے دائرہ سے باہر نکال دوں گا“

ہم اپنے قارئین کو ایک بار پھر یاد دلانا چاہتے ہیں کہ ان روایات میں اشارہ اور کناہی کی زبان استعمال ہوئی ہے۔ لہذا ضروری نہیں ہے کہ یہ گنتیگو واقعاً خداوند عالم اور عقل و جہل کے درمیان ہوئی ہو بلکہ ہم تو صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ روایت اسلامی نظریہ کے مطابق خواہشات کی قدر و قیمت اور اہمیت پر عین قوتی روشنی ذاتی ہے۔ یعنی روایت میں جہاں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ عقل کی خصوصیت اور خداوند عالم سے قریب کرتی ہے اور خواہشات خدا سے دور کرتے ہیں۔۔۔ وہیں روایت میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ اگر خواہشات، خدا کی معصیت نہ کریں تو وہ خدا کی رحمت کے متعلق رہتے ہیں لیکن جب یہ انسان کو خدا کی نافرمانی اور معصیت پر لگادیتے ہیں تو رحمت خدا سے محروم ہو جاتے ہیں۔

لہذا اسلام تمام خواہشات کو برآ نہیں سمجھتا ہے۔ اور نہ ان کو انسان کے اوپر عذاب الہی قرار دیتا ہے بلکہ جب تک انسان خداوند عالم کی نافرمانی اور گناہ نہ کر لے یہ بھی عقل کی طرح انسان کے لئے ایک رحمت الہی ہے۔ البتہ جب یہ انسان کو خداوند عالم کی اطاعت کے حدود سے باہر نکال دیں اور اسے اسکی معصیت پر لگادیں تو پھر یہی رحمت اسکے لئے عذاب زندگی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دین کی طرف جو یہ نسبت دی جاتی ہے کہ وہ خواہشات، لذتوں اور شہروتوں کا مخالف

ہے ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کے بالکل عکسِ اسلام نے ہوئی (خواہشات) اور اسکے لشکر کو اس عظمت اور شرف سے نواز اکار نہیں رحمت الہی کا مستحق قرار دیدیا ہے اور جب تک انسان گناہ کا مرتكب نہ ہوا سکے لئے اپنے خواہشات کی تسلی اور ان کی تکمیل جائز ہے اور یہ کوئی قبیح چیز نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی نظریہ تو یہ ہے کہ اگر شرافت کے دائرے کے اندر اور قاعدہ و قانون کے تحت رہ کر ان شہروں اور خواہشات کو پورا کیا جاتا رہے تو یہی انسانی زندگی کی ترقی اور کمال کا بہترین ذریعہ ہے جاتے ہیں۔

۶۔ سطیلت میں اس بات کی طرف بھی اشائے موجود ہے کہ عقل کے درخ (مرحلے) ہیں۔

پہلے مرحلے میں وہ کسی چیز کا ادراک کرتی ہے۔ اور دوسرے مرحلے میں اس کو عملی جامد پہنچاتی ہے لہذا جتنی زیادہ مقدار میں عقل کے ساتھ اسکے لشکر اور صفات جمع ہوتے رہتے ہیں اسکی عملی شکل میں اضافہ ہوتا رہتا ہے لیکن جوں جوں اسکے خصائص اور لشکروں کی تعداد گھٹتی رہتی ہے اسکے عمل کی رفتار بھی اسی طرح کم ہو جاتی ہے۔ اور خواہشات پر اس کا کنٹرول بھی ڈھیلنا پڑ جاتا ہے۔

روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”یہ تمام صفات ایک ساتھ صرف کسی نبی، وصی نبی یا اس مومن کے اندر جمع ہو سکتے ہیں جس کے دل کا امتحان خدا لے چکا ہے۔ لیکن دوسرے تمام مومنین کرام کے اندر نہیں سے کچھ نہ کچھ صفات ضرور پائے جاتے ہیں مگر ان بعض صفات سے کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ جب تک وہ اپنے کو ان تمام صفات کا حامل نہ بنالیں اور جمل کے لشکروں سے مکمل نجات حاصل نہ کر لیں تب تک وہ مومن کامل نہیں ہو سکتے ہیں اور جس دن وہ اسیں کامیاب ہو جائیں گے تو انہیں بھی انبیاء و اولیاء کے ساتھ جنت کے اعلیٰ درجات میں سکوت نصیب ہوگی“

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ عقل کے تخفیذی درخ کی تکمیل کا اثر اسکے دوسرے درخ پر پڑتا ہے اور اسکی فہم و فراست اور بصارت و بصیرت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

اس طرح اس سلسلہ کی تیوں کڑیاں مکمل ہو جائیں گی کہ

جب انسان اپنے اندر عقل کے تمام لشکر اور صفات جمع کر لے تو پھر عقل عملی منزل میں قدم

رکھنے اور خواہشات کا مقابلہ کرنے کی قوت پیدا کر لیتی ہے اور اسی سے اسکی فہم دریافت اور بصارت و بصیرت بھی کامل ہو جاتی ہے۔ اور نتیجہ انسان انبیاء اور اولیاء کے درجہ میں ہو جوئی جاتا ہے (جسکی طرف روایت نے اشارہ کیا ہے) اور یہی راستہ اور طریقہ جسکو روایت نے مدد و اور مشخص کر دیا ہے یہی اسلام کی نگاہ میں تربیت کی بہترین اساس اور بنیاد نیز کردار و عمل کی تقویت کا باعث ہے۔ کیونکہ عقل، بصیرت اور تخفیف کا نام ہے اور بصیرت کی کمزوری عقل کی تخفیف کی قوت کی بنا پر پیدا ہوتی ہے اور یہ (قوت تخفیف) عقل کی خصلتوں کی کمزوری کی وجہ سے کمزور رہتی ہے لہذا جب انسان اپنے نفس کے اندر ان تمام خصلتوں کو مکمل کر لیتا ہے تو بصیرت اور تخفیف دونوں ہی حاظ سے اسکی شخصیت مکمل ہو جاتی ہے۔

۷۔ ان روایات نے بشری کرداروں کو دو مشخص اور معین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے:

۱۔ تقوی (باعمل)

۲۔ فتن و فجور (بے عملی)

تفوی اسے کہتے ہیں جس میں عقل کی پیروی کی جائے اور ہر قدم اسی کی مرضی کے مطابق اٹھے، اور فتن و فجور کا مطلب یہ ہے کہ خواہشات اور جہل کے لشکروں کے اشاروں پر ہر عمل انجام پائے اور اسکے اوپر انہیں کا قبضہ ہو، لہذا قرب خدا کی منزل تک چینچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان جہالت کے لشکروں سے نجات حاصل کر لے اور خواہشات کی سرحدوں کو روند کر عقل کی حکومت میں داخل ہو جائے اور اسکے ہر طرز عمل اور رفتار کردار پر عقل کی حکمرانی ہو۔

۸۔ مذکورہ فہرست میں بشری طرز عمل اور کردار کے طور طریقہ کے پچھتر جوڑوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں سے ہر جوڑا اور متصاد اعمال سے مل کر بنا ہے۔ یعنی ان میں سے ایک عقل کے طرز عمل کی فہرست میں شامل ہے اور دوسرا شہوت کے طریقہ کار کی فہرست کے دائرہ میں آتا ہے۔ لہذا اس فہرست میں پچھتر عقل کے طریقہ کار اور پچھتر شہوت کے کرت قوت ذکر ہیں جن میں پہلے با ترتیب عقل

کے لشکر کے صفات ذکر ہوئے ہیں اور انکی ہر صفت کے بعد اسی کی مخالف، جہل کی صفت کا تذکرہ ہے
 ۹۔ بشریت کے طرزِ عمل اور آداب و کردار کے صفات کی ان دونوں فہرستوں کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے انسان کے نفس میں ہر آرزو کو پورا کرنے کے لئے اور اسے ہوئی وہوں سے بچانے کے لئے ایک دفاعی طاقت بھی رکھی ہے۔ اور کیونکہ انسان کے تکامل اور تحرک کے لئے اسکے نفس میں خواہشات کا وجود ضروری ہے اسی لئے خداوند عالم نے ہر خواہش کو روکنے اور اسکا مقابلہ کرنے کے لئے ایک ایک صفت (قوتِ مدافعت) و دیعۃ فرمائی ہے تاکہ ان کا تعادل ہمیشہ برقرار رہ سکے۔

۱۰۔ ایسا نہیں ہے کہ بشری طرزِ عمل کے جو یہ ایک سو بچاں صفات ہیں یہ ایک عام اور معمولی صفت یا سرسری خصوصیات ہوں جو بھی کبھی اسکے نفس پر طاری ہو جاتے ہوں بلکہ انسان کے تمام اعمال کی بنیادیں بہت گہری اور انکی جڑیں بہت وسیع حد تک پھیلی ہوئی ہیں لہذا انسان جو اچھائی یا برآئی کرتا ہے اس کا تعلق نفس کے باطن سے ضرور ہوتا ہے۔ جس کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ موجود ہے:

﴿فَالْهُمَّ هَا فِجُورُهَا وَتَقْوَا هَا﴾ (۱)

”اور پھر اسے بدی اور تقویٰ کی ہدایت کر دی“

لہذا تقویٰ اور بدی میں سے ہر ایک کا سرچشمہ نفس ہی ہے اور یہ انسان کے طرزِ عمل میں کہیں باہر سے نہیں آتا ہے

۱۱۔ عقل کے لشکر (صفات) کی فہرست میں غور و فکر سے کام لینے والا شخص بآسانی ان کی دو قسمیں کر سکتا ہے:

(۱) سورہ شمس آیت ۸۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

۱۔ اکسانے اور مہیز کرنے والی صفات۔

۲۔ روکنے والے قواعد (ضوابط)

اکسانے والے صفات، نفس کو نیک اعمال پر ابھارنے اور مہیز کرنے والے صفات کو کہا جاتا ہے۔ جیسے ایمان، معرفت، رحمت اور صداقت۔

ضوابط وہ اسباب ہیں جن کے ذریعہ نفس کے اندر رکنے اور باز رہنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ جیسے عفت، زہد، صبر، قناعت اور حیاء۔

اکسانے والے صفات ان تمام عادات و صفات کا مجموعہ ہیں جو انسان کی شخصیت میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور کسی بھی کار خیر یا رحمت و معرفت میں اسے جو ضرورت ہوتی ہے وہ اس کو پورا کرتے ہیں

لیکن ضوابط (قواعد) انسان کی شخصیت کو پستی میں گرنے سے محفوظ رکھتے ہیں اس طرح یہ مہیز کرنے اور بچانے والے صفات ایک ساتھ مل کر ہی انسان کی شخصیت کی تغیر اور اسکی حفاظت کا کام انجام دیتے ہیں اور اس سلسلہ میں عقل کے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

اب اسکی مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

انسانی زندگی میں عقل و قسم کے عمل انجام دیتی ہے۔

۱۔ انسان کو ان مقاصد اور منزلوں کی طرف تحریک اور مہیز کرنا جو اس کی ترقی اور کمال کے لئے ضروری ہیں۔

۲۔ پر خطر جگہوں پر انسان کو لغزشوں سے محفوظ رکھنا۔ مثال کے طور پر انسان خداوند عالم کی طرف سیر و سلوک کی منزلیں طے کرتا ہوا منزل سعادت و کمال تک پہنچتا ہے ایسے مرحلہ میں عقل کا اہم کردار یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کو ذکر و عبادت الٰہی اور اسکی محبت کی دعوت دیتی ہے اور اپنی انا نیت

سے خداوند عالم کی طرف یہ سفر اور حرکت انسانی زندگی کی ایک اہم بنیادی ضرورت ہے۔

اس طرح مؤمنین کی آپسی محبت اور اخوت و برادری کے ذریعہ انسان کی شخصیت کو چار چاند لگ جاتے ہیں جس کو اسلام نے ولاء، اخوت و برادری اور پیار و محبت کا نام دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں تمام مؤمنین ایک دوسرے سے میل محبت رکھیں اور ایک دوسرے کا تعاون کریں اور ہر شہروالے دوسرے شہروالوں کے کام آئیں تھائی اور انفرادیت سے سماجیات اور معاشرہ کی طرف قدم اٹھانا بھی انسان کی ایک اہم ضرورت ہے۔

یہ دونوں مثالیں تو عقل کے ثابت کاموں کے بارے میں تھیں مگر انسان ان دونوں راستوں میں خطاوں گزش کا شکار ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اثانتیت (ذاتیات) سے خدا کی طرف بلند پروازی کے دوران اچانک اوپر سے نیچے کی طرف یعنی (خدا سے ذاتیات) کی طرف گزنا شروع کر دیتا ہے اور یہ سب گناہ کرنے نیز خواہشات اور شیطانی و سوسوں اور ہوس کے جال میں پھنسنے کی وجہ سے ہوتا ہے اسی طرح کبھی بھی انسان اپنے ذاتی مقادیتی خود پسندی یا دوسروں سے بغض وحدی کی چیز کی لائچ کی بنابر سماج اور معاشرے پر فدار ہے اور اسکے لئے بے شمار قربانیاں پیش کرنے کے باوجود قوم اور معاشرے پر اپنی ذات کو فوقیت دینے لگتا ہے، ایسے موقع پر عقل بہت موڑ کردار کرتی ہے یعنی:

۱- ذاتیات اور اثانتیت سے اللہ کی طرف اور انفرادیت (تھائی) سے سماج اور معاشرے کی طرف انسانی حرکت اور سفر میں۔

۲- اللہ سے اثانتیت کی طرف اور امت اور قوم میں غرق رہنے کے بجائے ذاتیات (شخص فوائد) کی جانب اسی طرح ایثار سے استھیار و خود پسندی کی طرف واپسی کے تمام مرحل میں بھی عقل انسان کو خواہشات کی پیروی اور ان کے ساتھ پھیل جانے اور گمراہ ہونے سے روکتی رہتی ہے۔

جب انسان آزاد ان طور پر خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے ان کے دھارے میں بہہ کر

خواہشیں! احادیث اہمیت کی روشنی میں.....

خدا کی طرف جانے کے بجائے انسانیت کی طرف جاتا ہے، قوم کے لئے قربانی پیش کرنے کے بجائے ذاتی مفادات اور ایثار کے بجائے اپنی ذات کی طرف واپس پہنچنے لگتا ہے تبھی عقل اسکار است روک لیتی ہے اگرچہ یہ دوسری بات ہے کہ تباہ عقل کے اندر اتنی صلاحیت اور طاقت نہیں ہے کہ وہ خدا اور قوم وملت کی طرف انسانی حرکت یا انسانیت اور ذاتیات کی وجہ سے گمراہ ہوتے وقت اپنے بل بوتے پر تباہ ان دونوں مرضیوں کو سر کر لے لہذا وہ مجبوراً ان صفات اور عادات کا سہارا لیتی ہے جن کو خداوند عالم نے انسان کی عقل کی پشت پناہی اور امداد کے لئے نفس کے اندر ودیعت فرمایا ہے۔

ان صفتتوں اور عادتوں کی دو قسمیں: ہیں کچھ صفات وہ ہیں جو انسانیت سے خدا کی طرف اور ذاتی مفادات سے قوم و ملت پر فدا ہونے تک انسانی سفر اور حرکت کے دوران اس کی شخصیت کی معاون و مردگار ہوتی ہیں اور بعض دوسرے صفات اس کو خواہشات نفس کا مقابلہ کرنے اور ان پر قابو پانے کی قوت و طاقت عطا کرتے ہیں۔ جیسے خدا سے فطری لگاؤ اسی طرح محبت خدا اور ذکر و عبادت الہی سے فطری لگاؤ اور یہ جذبہ انسان کو خدا کی طرف اسی طرح ٹھینچتا ہے جس طرح سماجیات اور قوم و ملت سے دلچسپی اور ان کی محبت اور بھائی چارگی کا جذبہ انسان کو قوم و ملت کی طرف لیجا تا ہے۔

عقل کی ان عادتوں کو کسی کام پر ”ابھارنے یا اسکانے اور رہیز کرنے والی طاقت“ کہا جاتا ہے جبکہ ان کے علاوہ کچھ ایسی صفات بھی ہیں جو انسان کی عقل کو ان معاملات میں کنٹرول کرنے اور اسے باز رکھنے والی طاقتیں کہی جاتی ہیں۔ جیسے حیاء انسان کو بد کرداری سے روکتی ہے یا علم و بردباری اسے غصہ سے باز رکھتا ہے تو عفت اور پاکدامنی، جنسی بے راہ روی کا سد باب کرتی ہے۔ اور قاعدت، حرص اور لالج سے محفوظ رکھتی ہے۔ وغیرہ غیرہ۔۔۔

انہیں صفات کے مجموعہ کو انسانی حیات کے آداب (رفتار و گفتار اور کردار) میں ضوابط کا نام دیا جاتا ہے۔

یہی ضوابط، عصم (بچانے اور محفوظ کرنے والے) صفات بھی کہے جاتے ہیں کیونکہ یہ

انسان کو گراہی وغیرہ سے محفوظ رکھتے ہیں اور اگر یہ عصمتیں (بچانے والی قوتیں) انسان کے اندر نہ ہوتیں تو عقل کسی طرح بھی اپنے بل بوتے پر خواہشات نفس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی اور ان عصم (بچانے والی صفات) کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان کی قوتیں اور صلاحیتیں مختلف ہیں جن کے متعدد اسباب ہیں اسکی تفصیل ہم انشاء اللہ آئندہ میان کریں گے۔

۱۲۔ جن صفات اور خصوصیات کو ہم نے عقل کا لشکر قرار دیا ہے اور وہ عقل کی پشت پناہی کا کردار کرتے ہیں ان کا صحیح فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب یہ عقل اور دین کے تابع ہوں لیکن اگر خدا نخواستہ یہ عقل اور دین کی حکومت سے باہر نکل جائیں تو پھر یہ انسان کے لئے مفید ہونے کے جائے نقصان دہ ہو جاتے ہیں جیسے رحم دلی انسان کے لئے ایک اچھی اور بہترین صفت ہے لیکن جب یہی صفت عقل اور دین کے دارہ سے باہر نکل جائے تو یہی نقصان دہ ہو جاتی ہے جیسے مجرمین کے ساتھ رحم دلی سے پیش آنے کو عقل اور دین دونوں نے منع کیا ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

(فَوْلَا تَأْخُذْ كُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ) (۱)

"او رَجَمْهُمْ ان کے او پر هرگز ترس نہ آئے"

اسی طرح اتفاق ایک اچھی صفت ہے مگر جب یہ عقل اور دین کے راستے سے مخالف ہو جاتی ہے تو تعمیر کے بجائے تخریب کرنے لگتی ہے اسی لئے دین اور عقل دونوں نے ہی ایسے موقع پر اس سے منع کیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

(فَوْلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدْ مَلُومًا مَحْسُورًا) (۲)

"او رسانے ہاتھوں کو بالکل کھلا ہوا چھوڑ دو کہ آخر میں ملوں اور حالی ہاتھ بیٹھنے رہ جاؤ"

۱۳۔ جہل کے لشکر چاہے جتنے قوی کیوں نہ ہوں مگر اسکے باوجود وہ انسان کے ارادہ کے اوپر

(۱) سورہ نور آیت ۲۔

(۲) سورہ اسراء آیت ۲۹۔

غلبہ حاصل نہیں کر سکتے ہیں اور اس سے اسکی قوت ارادی نہیں چھین سکتے ہیں اور بالآخر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے فیصلہ کا اختیار اسکے ارادہ کے ہی اختیار میں رہتا ہے البتہ کل ملا کر جہل کی نو میں اتنا کر سکتی ہیں کہ وہ انسان کے ارادہ کے اوپر کسی طرح کا دباؤ ڈال دیں اور وہ دباؤ اتنا زیادہ ہو جو اس ارادہ کو عمل کے لئے تحریک کر دے، لیکن پھر بھی یہ انسان سے اس کی قوت ارادہ اور اسکی آزادی واختیار کو سلب نہیں کر سکتے ہیں۔۔۔ اگرچہ اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ عقل یا جہل کے صفات سے ارادہ کسی حد تک متاثر ضرور ہوتا ہے۔

۱۲۔ یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے کہ عقل کے لشکروں کی قوت و طاقت یا کمزوری کا تعلق انسان کی اچھی یا بُری تربیت سے ہوتا ہے اگر واقعہ کسی کی اچھی تربیت ہو اور وہ مقی انسان ہو جائے تو عقل کی یہ خصلتیں قوی ہو جاتی ہیں اور خواہش نفس اور شہوتیں خود بخود کمزور پڑ جاتی ہیں۔

اسی طرح اسکے برعکس یہ بھی ممکن ہے کہ خواہشات کی انہی پیریوں اور غلط تربیت یا سماج کی وجہ سے جب انسان بگڑ جاتا ہے تو شہتوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور عقل کے لشکر (صفات) کمزور پڑ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بعض حلال خواہشات کی تحریک سے بھی اکثر منع کیا ہے تاکہ انسان ان لذتوں (اور خواہشات) کے بہاؤ کے ساتھ غلط راستوں پر نہ بنتے پائے جیسا کہ رسول اکرم نے اسی بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿من أكل ما يشتهي لم ينظر الله إليه حتى ينزع أو يترك﴾ (۱)

”جو شخص اپنی دل پسند چیز کھاتا ہے تو جب تک اسے ترک نہ کر دے یا اس سے دور نہ ہو جائے خداوند عالم اسکی طرف نظر بھی نہیں کرتا ہے“

اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر انسان کھانے پینے میں اپنی ہر خواہش پوری کرتا ہے اور اپنے پیٹ

کے اوپر کمزوری نہ رکھے تو حلال کھاتے کھاتے ایک نہ ایک دن وہ حرام کھانا شروع کر دیگا۔ (کیونکہ وہ اپنی پسند کا بندہ ہے) اور حرام خوری کرنے والے انسان پر رحمت الہی نازل نہیں ہوتی اور خدا اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا ہے۔

علماء اخلاق نے خواہشات کو لطیف اور سبک بنانے کے لئے کچھ طریقے بیان کئے ہیں جیسا کہ ابراہیم خواص نے کہا ہے کہ دل کی پانچ دوائیں ہیں:

۱۔ قرأت قرآن۔ ۲۔ خالی پیٹ (رہنا) ۳۔ نماز شب۔

۴۔ سحر کے ہنگام گرید بکا (تفرع) ۵۔ صالحین کی ہمیشتی۔

کسی اور کا یہ قول ہے کہ خداوند عالم نے دلوں کو اپنے ذکر کا مسکن (گھر) بنایا تھا۔ مگر وہ شہروں کا اڈہ بن گئے اور دلوں کے اندر سے یہ خواہشات انسان کو ہلاکر رکھ دیئے والے خوف یا تڑپادیئے والے شوق کے بغیر نہیں نکل سکتی ہیں۔ (۱)

خواہشات کو نرم و لطیف اور کمزور کرنے اور عقل کے لکھروں کی امداد کرنے والی اس صفت کی طرف امیر المؤمنین " نے خطبہ متعین میں یہ ارشاد فرمایا ہے: (قد أحجا عقله وأمات نفسه)
”اس نے اپنی عقل کو زندہ کر دیا اور اپنے نفس کو مردہ بنادیا“

اسلام میں تربیت وہی ہے جس کی طرف مولائے کائنات نے اشارہ فرمایا ہے کہ: اس کے ذریعہ خواہشات کی بڑی سے بڑی خصلتیں مختصر اور لطیف ہو جاتی ہیں جن کی تعداد روایات میں ۷۵ بیان کی گئی ہے۔ اسکے علاوہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ وقت ضرورت یہ عقل کی ۵۷ صفتیں اور خصلتوں کی امداد اور پشت پناہی بھی کرتی رہتی ہے۔

۱۵۔ جب عقل کو اپنی خصلتوں کی جانب سے مکمل پشت پناہی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر

(۱) ازم الہوی لالہ بن الجوزی ص ۷۰۔

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں ۱۳۲.....

خواہشات کے اوپر عقل کا کنٹرول اور حکومت قائم ہو جاتی ہے اور وہ ان کے اوپر اچھی طرح سلطنت کر لیتی ہے اور انسان کو حفظ کر کے خواہشات کی طاقت کو بالکل ناکارہ بنادیتی ہے جیسا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے:

﴿العقل الكامل قادر للطبع السوء﴾ (۱)

”عقل كامل بري طبائعون پر غالب رہتی ہے“

اس طرح عام لوگوں کے خیالات کے برخلاف انسان درحقیقت صرف اپنی خواہشوں پر کنٹرول کر کے ہی قوی اور طاقتوں ہوتا ہے جبکہ عام لوگ تو خواہشات اور ہوٹی وہوں کی حکومت اور غلبہ کو طاقت اور قوت سمجھتے ہیں مگر اسلام کی نگاہ میں خواہشات کو اپنے ماتحت رکھنے کا نام غلبہ اور قوت و طاقت ہے اور خواہشات کی حکومت اور اسکی ماتحتی میں چلنے والے کو طاقت اور غلبہ نہیں کہا جاتا۔

رسول اکرم ﷺ:

﴿ليس الشديد من غالب الناس، ولكن الشديد من غالب نفسه﴾ (۲)

”طاقتوروہ نہیں ہے جو لوگوں کے اوپر غلبہ حاصل کر لے بلکہ طاقتوروہ ہے جو نفس کو اپنے قابو

میں رکھے“

آپؐ ہی کا یہ ارشاد گرامی ہے:

﴿ليس الشديد بالصرعة، إنما الذي يملك نفسه عند الغضب﴾ (۳)

”کشتی اور پہلوانی کے ذریعہ انسان طاقتوروہ نہیں بنتا ہے بلکہ طاقتوروہ ہے جو غصہ کے وقت

اپنے نفس پر اختیار رکھے“

(۱) بخار الانوار ج ۸ ص ۹۔

(۲) ذم الہوی ۳۹۔

(۳) مسند احمد و تیقی۔

آپ ہی کا یہ ارشاد گرامی ہے:

﴿أشجع الناس من غالب هواه﴾ (۱)

”سب سے زیادہ بہادر وہ ہے جو اپنی خواہشات پر غلبہ حاصل کر لے“

عقل کامل کے فوائد اور اثرات

جب خواہشات کے اوپر ہر اعتبار سے عقل کا تسلط قائم ہو جاتا ہے اور اسے انسان کی رہنمائی اور ہدایت کے تمام اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں تو یہی عقل بے شمار فوائد اور برکتوں کے سرچشمہ میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہیں سے انسانی زندگی میں بے شمار نقلابات پیدا ہوتے ہیں اب انسانی حیات میں عقل کے فوائد کیا ہیں ان کو ہم یہاں روایات کے ذیل میں اختصار کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اور ان کی تفصیلات کو ترک کر رہے ہیں۔

۱- حق کے اوپر استقامت

حضرت علیؑ: ﴿ثمرة العقل الاستقامة﴾ (۲)

”عقل کا پہلی استقامت (ثابت تدبی) ہے“

﴿ثمرة العقل لزوم الحق﴾ (۳)

”عقل کا پہلی حق کے ساتھ دائی وابستگی ہے“

۲- دنیا سے دشمنی رکھنا کامل عقل کا شر ہے

حضرت علیؑ:

(۱) بخار الانوار ج ۰۷ ص ۶۷۵۔

(۲) غراہم ج اص ۳۲۰۔

(۳) گذشتہ جوالہ۔

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

﴿ثمرة العقل مقت الدنيا، وقمع الهوى﴾ (۱)

”عقل کا پھل دنیا کو ناپسند رکھنا اور خواہشات کو اکھاڑ پھینکنا ہے“

۳۔ خواہشات پر کامل تسلط

حضرت علیؑ :

﴿اذا كمل العقل نقصت الشهوة﴾ (۲)

”جب عقل کامل ہو جاتی ہے تو خواہشیں مختصر ہو جاتی ہیں“

﴿منْ كَمِلَ عَقْلَهُ اسْتَهَانَ بِالشَّهْوَاتِ﴾ (۳)

”جسکی عقل کامل ہو جاتی ہے وہ خواہشوں کو تھیر بنا دیتا ہے“

﴿العقل الكامل قاهر للطبع السوء﴾ (۴)

”عقل کامل بری طبیعتوں پر کنٹرول رکھتی ہے“

۳۔ حسن عمل اور سلامتی کروار

﴿مِنْ كَمِلَ عَقْلَهُ حَسْنُ عَمَلِهِ﴾ (۵)

”جسکی عقل کامل ہو گئی اس کا عمل حسین ہو گیا“

عصمتیں

روایات کے ذیل میں عقل کے صفات (شکروں) کی وضاحت کے بعداب ہم خواہشات

(۱) غررا حکم ج ۱ ص ۳۲۳۔

(۲) غررا حکم ج ۱ ص ۲۲۹۔

(۳) غررا حکم ج ۱ ص ۱۸۰۔

(۴) بخار الانوار ج ۷ ص ۹۔

(۵) گذشتہ جوالہ۔

کا مقابلہ کرنے کے طریقہ کے علاوہ ان کے علاج کا طریقہ بھی بیان کریں گے۔

جیسا کہ ہم عرض کرچکے ہیں کہ عقل کے اندر اتنی قوت اور صلاحیت نہیں پائی جاتی ہے کہ وہ تن تہا خواہشات کا مقابلہ کر سکے۔ اور اگر کبھی ایسا موقع آ جائے تو عقل کو ان کے سامنے بہر حال گھٹنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ لیکن چونکہ خداوند عالم نے خواہشات کا مقابلہ کرنے کے لئے عقل کو اسکے معاون و مددگار صفات (اور لشکروں) سے نوازا ہے لہذا عقل کو ان کا مقابلہ کرنے یا انہیں کنٹرول کرنے میں کسی قسم کی زحمت کا سامنا نہیں ہوتا ہے اور یہ لشکر خود بخود بڑھ کر خواہشات کا راستہ روک لیتے ہیں اور ان کو بے راہ روی سے بچائے رکھتے ہیں۔

جن صفات اور لشکروں کی امداد کے سہارے عقل خواہشات پر کنٹرول کر کے انہیں اپنے قابو میں رکھتی ہے انھیں اخلاقی دنیا میں عصم (محافظین عقل) کہا جاتا ہے۔ لہذا عقل کے ان صفات کی صحیح تعلیم و تربیت اور پروش اور نفس کے اندر ان کی بقاء و دوام ہی خواہشات نفس کے مقابلہ اور علاج کا سب سے بہترین اسلامی، اخلاقی اور تربیتی طریقہ کار ہے۔

کیونکہ ان عصموں (محافظوں) کا فریضہ یہ ہے کہ وہ انسان کو گناہوں میں آلووہ تہ ہونے دیں اور اسے حتی الامکان خواہشات کے چنگل سے محفوظ رکھیں۔ چنانچہ اگر نفس کے اندر خداوند عالم کے عطا کردہ یہ محافظ (عصموں) نہ ہوتے تو عقل تن تہا کبھی بھی خواہشات کے حملوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی، لیکن اب چونکہ اسکے ساتھ ان محافظین کی مکہ اور پشت پناہی موجود ہے لہذا وہ آسانی کے ساتھ انسانی خواہشات کے اوپر ہر لحاظ سے قابو پالیتی ہے اور ان کو اپنے کنٹرول میں رکھتی ہے۔

یہ عصموں (محافظین عقل) مختلف حالات سے گذرتی رہتی ہیں یعنی کبھی یہ قوی ہو جاتی ہیں اور کبھی بالکل کمزور پڑ جاتی ہیں۔ چنانچہ جب یہ بالکل طاقتور ہوتی ہیں تو انسان کو ہر قسم کی برائی سے بچائے رکھتی ہیں اور اسے گناہ نہیں کرنے دیتیں لیکن اگر خدا نخواستہ یہ کمزور ہو جائیں تو پھر انسان کی ہوں اور خواہشات نفسانی اس پر غالب آ جاتے ہیں اور وہ انھیں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

یہ عصمتیں تقویٰ کے ذریعہ مخصوص ہوتی ہیں اور گناہوں اور برائیوں کی وجہ سے کمزور پڑ جاتی ہیں بلکہ گناہوں کا اثر ان کے اوپر اس حد تک ہوتا ہے کہ یہ بالکل چاک چاک اور پارہ پارہ ہو کر رہ جاتی ہیں جسکے بعد انسانی خواہشات اسکے اوپر اس طرح نوٹ پڑتے ہیں کہ وہ بالکل بے یار و مددگار ہو جاتا ہے اور کوئی اسکا بچانے والا حافظ اور تنگہ بان باقی نہیں رہ جاتا۔ جیسا کہ دعاۓ کمیل کے اس جملے میں اسکی طرف اشارہ موجود ہے:

﴿اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي الذُّنُوبَ الَّتِي تَهْتَكُ الْعَصْمَ﴾

”بِارَالْهَمَّ مِيرَے ان گناہوں کو بخش دے جو عصموں کو چاک چاک کر دیتے ہیں“

دوسری بات یہ کہ تقویٰ اور عصموں کے درمیان جو آپسی رابطہ ہے وہ طرفینی (دو طرف رابطہ) ہے یعنی اگر تقویٰ سے ان عصموں کو مدد ملتی ہے تو دوسری جانب یہ عصمتیں تقویٰ کی تقویت میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

اس طرح گناہوں اور عصموں کے درمیان بھی دو طرف اثرات پائے جاتے ہیں یعنی جس طرح گناہ، عصموں کو کمزور یا پارہ کر دیتے ہیں اسی طرح اگر عصمت باقی نہ رہ جائے تو انسان بڑی آسانی کے ساتھ خواہشات کے چنگل میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

یہ عصمتیں نفس کے اندر ہی پیدا ہوتی ہیں اور ان کی بنیاد میں اور جزیں فطرت کی تھوں میں اتری ہوتی ہیں اور خداوند عالم نے انسان کے نفس اور اسکی فطرت کے اندر ان (عصموں) کے خزانے جمع کر کر کے ہیں جو خداوند عالم کی طرف سے معین کردہ فریضہ کی ادائیگی میں عقل کو سہارا دیتے ہیں۔

جبکہ کچھ ماہرین سماجیات کا یہ خیال ہے کہ یہ عصمتیں نفس کے اندر پہلے سے موجود نہیں تھیں بلکہ جس سماج اور معاشرے میں انسان زندگی سر کرتا ہے وہ انہیں سے یہ عصمتیں بھی سیکھتا ہے اور درحقیقت یہ سماج ہی کے ذریعہ اسکے نفس کے اندر منتقل ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ مختلف قسم کے سماج اور معاشروں کے انتباہ سے انکی قوت و طاقت اور مقدار کم یا زیاد ہوئی رہتی ہے۔

اس نظریہ میں اتنی کمزوریاں پائی جاتی ہیں جن کا کوئی بھی جواب ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ذاتی خصلتوں (اور اعمال) کا تعلق فطرت کی گہرائیوں سے ہوتا ہے البتہ ان کے اوپر معاشرتی اور سماجی ماحول اثر انداز ضرور ہوتا ہے اور ان کو معاشرہ یا سماج سے جدا کر دینا ممکن نہیں ہے۔ مگر یہ سوچنا بالکل غلط ہے کہ ذاتی عادات و اطوار سماجیات سے بالکل الگ ہوتے ہیں لیکن ہم دوسری قسم کو سماج پر اثر انداز ہونے والے کے عنوان سے قبول کر لیں اور انہیں کے لئے پہلی خصلت کو چھوڑ دیں کیونکہ ذاتی خصوصیات کو بالکل کا عدم قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی کسی بھی اچھے یا بے معاشرے سے ان کو جدا کیا جا سکتا ہے۔

ان دونوں صفاتیوں اور صفات (اور طرزِ تفکر) کے درمیان یہ فرق ہے کہ ذاتی صفاتیں ہر دور اور ہر تمدن میں تمام انسانوں کے درمیان بالکل یکساں طور پر دکھائی دیتی گی جبکہ سماجی رسم و رواج ہر روز پیدا ہوتے رہتے ہیں اور مختلف اسباب کی بہار پر کچھ دن کے بعد ختم ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض علاقوں یا ملکوں میں کچھ ایسے رسم و رواج پائے جاتے ہیں جن کو دوسرے ممالک میں کوئی جانتا بھی نہیں ہے۔

مثال کے طور پر خداوند عالم پر ایمان رکھنا ہر انسان کے اندر ایک ذاتی اور فطری چیز ہے جبکہ کفر والحاد ایک سماجی پیداوار ہے جو فطرت ایمان اور حتیٰ خداوند عالم کے خلاف سرکشی اور بغاوت کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

اگرچہ ایمان اور کفر دونوں ہی کا وجود تقریباً تاریخ انسانیت کے ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے۔ لیکن اسکے باوجود وہ انسان کے درمیان بے حد فرق ہے کیونکہ ایمان خدا کا وجود تو انسانی تمدن، تاریخ اور زندگی میں ہر جگہ مل جائے گا اور کوئی بشری تاریخ بھی اس سے ہرگز خالی نہیں ہے۔ حتیٰ کے سورج، چاند، اور بتوں کی عبادت کا سرچشمہ بھی دراصل یہی ایمان ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا رخ صحیح فطرت کی طرف ہونے کے بجائے کسی دوسری طرف ہو گیا ہے۔

لیکن الحاد کا وجود کسی تہذیب یا فتنہ سماج کے اندر نہیں دکھائی دیتا چنانچہ نہ جانے انسان کے اوپر ایسے کتنے دور گزرے ہیں جن میں الحاد کا باقاعدہ کہیں کوئی وجود اور سراغ نہیں پایا جاتا جس کو کسی

خواہشیں! احادیث اہل بیت کی روشنی میں

تہذیب و تدن اور عقل و منطق کی پشت پناہی بھی حاصل رہی ہو۔

لیکن ایمان کا وجود آپ کو پوری کائنات میں ہر جگہ نظر آئے گا مگر الہار کبھی کبھی کچھ عرصہ تک ادھر ادھر اپنا سرا بھارتا ہے اور ایک دن خود بخود نابود ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سیاست اور تہذیب و تدن نیز فکر انسانی کی تاریخ میں اس کا سب سے زیادہ عروج مارکسیم کے دور میں ہوا جب باقاعدہ ایک سپر پا اور حکومت کی پشت پناہی نے اس نظریہ کو عام کرنے کی کوشش کی مگر دنیا نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اچانک اس کے غبارے کی ہوا تکل گئی اور اب کوئی شخص مارکس کا نام لینے والا بھی نہیں ہے۔

لیکن خداوند عالم پر ایمان کی صور تحال اسی نہیں ہے۔ لہذا جو شخص خداوند عالم پر ایمان اور الہاد (اسکے انکار) کے درمیان فرق محسوس نہ کر سکے اس نے خود اپنے نفس کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔

عصموں کے بارے میں مزید گفتگو

کچھ عرصہ پہلے میں نے عصمت کے بارے میں چند صفات قلمبند کئے تھے جو ہماری اس بحث سے مربوط ہیں لہذا مناسب سمجھا کہ اسکے کچھ مغاید اقتباسات اس مقام پر شامل کردے جائیں تاکہ گذشتہ گفتگو تشریح نہ رہ جائے۔

ہم نے عرض کیا تھا کہ انسان کے اوپر اسکی خواہشات کی حکومت بہت مضبوط اور مستحکم ہوتی ہے جسکی وجہ سے اسکے نقصانات بھی بیخود خطرناک ہوتے ہیں لہذا جب تک انسان اپنی خواہشات کو اچھی طرح اپنے قابو میں کر کے متعادل اور محدود نہ بنادے وہ زندگی میں خواہشات کے خطرات سے بھی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا ہے چنانچہ ہر انسان کے سر پر یہ خطرات ہمیشہ منڈلاتے رہتے ہیں لہذا کوئی نہ کوئی ایسا اخلاقی اور تربیتی نظام درکار ہے جو انسان کو اسکی انفرادی اور سماجی زندگی میں ہر جگہ خواہشات کے طوفان کا مقابلہ کرنے اور انہیں قابو میں رکھنے نیز اسکے نقصانات سے بچنے کی صلاحیت عطا کر دے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ نظام تربیت کیا ہے؟ جسکی پابندی کے بعد انسان اپنے

خواہشات کے فریب سے محفوظ رہ سکتا ہے؟

اہل دنیا کے درمیان اس بارے میں چند نظریات پائے جاتے ہیں:

پہلا نظریہ رہبہانیت کا ہے جس میں خواہشات کے مقابلہ کا یہ طریقہ بتایا گیا ہے کہ خواہشات کو نفس کے اندر اس طرح کچل دیا جائے کہ وہ اس میں گھٹ کر رہ جائے اور اسکے ساتھ ساتھ حقیقی زندگی کے حصول کی خاطر قصہ انگیز اور بھڑکانے والی باتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔ رہبہانیت میں یہ نظریہ بالکل عام ہے اور اسکی جزوں ان کی قدیم تاریخ کے اندر وورود وورتک پھیلی ہوئی ہیں۔

اس مکتب فکر (نظریہ) کا خلاصہ یہ ہے کہ خواہشات کو ہر قسم کے قند سے دور کرنا جائے اور دنیاوی لذت و آرام سے پر ہیز کر کے ان سے دوری اختیار کی جائے۔ کیونکہ انسان کا خاصہ یہ ہے کہ وہ برائی پر اصرار کرتا ہے اور چونکہ خواہشات اور فتنوں کے درمیان رابطہ پایا جاتا ہے اور انسان کی سلامتی اسی میں ہے کہ اسے فتنوں سے دور کر دیا جائے۔

لہذا خواہشات سے دوری اور دنیا کے فریبوں اور لذتوں سے کنارہ کشی میں ہی انسانیت کی بھلائی ہے اور اس نظام کا حاصل یہ ہے کہ خواہشات اور لذتوں کو بالکل ترک کر کے دنیا سے ایک دم کنارہ کشی اختیار کر لی جائے اور اسے ترک کئے بغیر اس مقصد تک رسائی ممکن نہیں ہے۔

تہذیب و تمدن کے افکار کے درمیان یہ ایک مشہور و معروف نظریہ ہے جس کے اثرات موجودہ دور کی باقی ماندہ میسیحیت میں بھی پائے جاتے ہیں۔

لیکن اسلام نے اس طرزِ تہذیب کی بہت سختی سے مخالفت کی ہے کیونکہ اسکی نگاہ میں خواہشات کو کچل دینا یادِ دنیا کی لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لینا انسانی مشکلات کا حل نہیں ہے۔

بلکہ خداوند عالم نے اسکی خلقت کے وقت اسکی جو فطرت بنا دی ہے وہ اسی کے مطابق آگے قدم بڑھاتا ہے جس کی مزید وضاحت کے لئے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مسْجِدٍ، وَ كُلُوا وَاشْرِبُوا وَ لَا تُنْسِرُوا لِلَّهِ لَا

یُحِبَّ الْمَسْرِفِينَ ﴿۱﴾

”اے اولاد آدم ہر نماز کے وقت اور ہر مسجد کے پاس زینت ساتھ رکھو اور کھاؤ پیو مگر اسراف
نہ کرو کہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے“
دوسری آیہ کریمہ:

﴿قُلْ مَنْ حَرَمَ زِيَّةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادَهُ وَالظِّيَافَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ
لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نَفْصُلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ
يَعْلَمُونَ ﴾۲﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشُ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ وَالإِثْمُ وَالْبَغْيُ بِغَيْرِ الْحَقِّ
وَأَنْ تَشْرُكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾﴾۲﴾

”دیگر آپ پوچھئے کہ کس نے اس زیست کو جس کو خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا
ہے اور پاکیزہ رزق کو حرام کر دیا۔ اور بتائیے کہ یہ چیزیں روز قیامت صرف ان لوگوں کے لئے ہیں جو
زندگانی دنیا میں ایمان لائے ہیں ہم اسی طرح صاحبان علم کے لئے مفصل آیات بیان کرتے
ہیں۔ کہہ دیجئے کہ ہمارے پروردگار نے صرف بد کاریوں کو حرام کیا ہے چاہے وہ ظاہری ہوں یا باطنی
اور گناہ اور ناحق ظلم اور بلا دلیل کسی چیز کو خدا کا شریک بنانے اور بلا جانے یوں مجھے کسی بات کو خدا کی
طرف منسوب کرنے کو حرام قرار دیا ہے“

محضہ تیر کہیا آیہ کریمہ:

﴿يَا بَنِي آدَمْ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَكُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرُبُوا وَلَا تَسْرُفُوا
هُرَانِسَانٌ كُوَيْدَعْوَتْ دَرَرَتْ دَرَرَتْ رَهِيْ ہے کَوَهْ دَنِیَاوِی لَذَّتُوں سَعْدَ فَأَمْدَهْ اَهْمَاءَ بُسْ شَرْطَ یَہْ

(۱) سورہ اعراف آیت ۳۰۔

(۲) سورہ اعراف آیت ۳۲۔ ۳۳۔

ہے کہ اسرا ف نہ کرے۔ اسکے بعد دوسری آیت میں ان لوگوں کی ندمت ہے جنہوں نے خداوند عالم کی حلال کردہ پاک و پاکیزہ چیزوں کو حرام (ممنوع) کر دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادَهُ وَالظِّيَابَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾

آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ دنیا اور اسکی تمام نعمتوں اور سہوتیں در اصل مومنین کے لئے ہیں لیکن غیر مومنین کو بھی ان سے استفادہ کی اجازت دیدی گئی ہے لیکن آخرت کی تمام نعمتوں صرف اور صرف مومنین کے لئے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةٌ يَوْمُ الْقِيَامَةِ﴾

آیت نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ خداوند عالم نے صرف اس دنیا کی پوشیدہ اور آشکار تمام برائیوں اور گناہوں سے منع کیا ہے اور اسکے علاوہ ہر چیز جائز قرار دی ہے۔

لہذا اسلام، دنیا سے قطع تعلق کرنے والے نظریات کو ٹھکر کر خدا کی حلال اور پاکیزہ نعمتوں سے لطف انور ہونے کا حکم دیتا ہے اور جن لوگوں نے دنیا سے اپنا ناط توڑ کر خدا کی حلال کردہ اور پاکیزہ روزی کو حرام کر رکھا ہے ان کے اس عمل کی سخت ندمت کرتا ہے۔ اللہ کی انہیں پاک و پاکیزہ نعمتوں میں سے ایک نجت امتحان و آزمائش بھی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں کو آزماتا رہتا ہے۔ اسکے باوجود خداوند عالم کی طرف سے یہ اجازت ہرگز نہیں ہے کہ تم ان چیزوں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لیں اور یا ان سے بالکل دور ہو جائیں بلکہ حکم الہی تو یہ ہے کہ صرف برائیوں سے محفوظ رہیں اور حدو دالہی سے آگے قدم نہ بڑھائیں۔

چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک بار ایک آدمی یہ کہہ رہا تھا:

﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَتْنَةِ﴾

”بَارَ الْهَمَّ مِنْ فَتْنَةٍ سَتَّرَتْ تَيْرَى بَنَاهُ چَاهَتَا هُوَ“

اس جگہ حضرت علیؓ بھی موجود تھے جب آپؓ نے اس کی زبان سے یہ کلمات سننے تو فرمایا مجھے

..... ۱۳۲ خواہشیں! احادیث اہلیتؑ کی روشنی میں

محسوس ہو رہا ہے کہ تم اپنی اولاد اور مال سے بھی خدا کی پناہ مانگ رہے ہو کیونکہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾

”بیشک تھارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں“

لہذا یہ نہ کہو کہ میں فتنوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں بلکہ اس طرح کہا کرو۔

﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ مُضَلَّاتِ الْفَتْنَةِ﴾ (۱)

”بارالہما میں گمراہ کن فتنوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں“

مولائے کائنات کا یہ ارشاد گرامی ہے:

﴿لَا يَقُولُنَّ أَحَدُكُمْ: إِنَّمَا أَعُوذُ بِكَ مِنِ الْفَتْنَةِ، لَاَنَّهُ لَيْسَ أَحَدُ إِلَّا وَهُوَ

مشتملٌ عَلَىٰ فَتْنَةٍ، وَلَكِنَّ مَنْ اسْتَعَذَ فَلَيَسْتَعِدَّ مِنْ مُضَلَّاتِ الْفَتْنَةِ، فَإِنَّ اللَّهَ سَبَّحَهُ

يقول: ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (۲)

”تم یہ ہرگز نہ کہو! بارالہما میں فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں کیونکہ تھارے درمیان کوئی ایک

بھی ایسا نہیں ہے جسکا دار و مدار فتنہ پر نہ ہو لہذا جس کو خدا سے پناہ چاہئے وہ گمراہ کن فتنوں سے اللہ کی
پناہ طلب کرے“ کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد گرامی ہے:

”یا وَرَکْحُو؟ بیشک تھارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں“

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خواہشات کو قابو میں رکھنے اور کنٹرول کرنے کے بارے میں اسلام

نے جو حکم دیا ہے اس کا نتیجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے اس کے ذریعہ خواہشات کو کنٹرول کرنے

کے لئے ایک جدید نظریہ اور نظام تربیت پیش کیا ہے اور اس نظریہ کو عصمتون کا نظام کہا جاتا ہے۔

(۱) بخار الانوار ج ۹۳ ص ۲۲۵۔

(۲) سورہ انفال آیت ۲۸۔

کیونکہ عصمتوں (چانے والی خصلتوں) کی مثال ایسی ہی ہے جیسے بجلی یا آگ کا کام کرتے وقت ہم دستانے یا واٹر پروف کپڑے پہن لیتے ہیں اور کسی خطرے کے بغیر بڑی آسانی سے اسکا ہر کام کر لیتے ہیں اسی طرح اگر انسان چاہے تو عصمتوں کے سہارے دنیا کی رنگینیوں اور فتوں کے درمیان بڑی آسانی سے زندگی گذار سکتا ہے اور ان کی موجودگی میں اسے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچ گا۔ لہذا جس طرح صرف آگ کی حرارت یا بجلی کے خطرات کی بنا پر ان کا استعمال ترک کر دینا صحیح نہیں ہے اور دوسروں کو اس سے منع کرنا بھی غلط ہے کیونکہ دستانے اور واٹر پروف لباس وغیرہ کے سہارے ان سے ہر کام لیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح لوگوں کو دنیا کی آزمائشوں سے دور رکھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کے مال و اولاد بھی ایک قسم کی آزمائش اور فتنہ ہیں لہذا ہر شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ان گمراہ کن اور آزمائش طلب مقامات پر ان عصمتوں سے اچھی طرح استفادہ کرے جو اسے ان سے محفوظ رکھیں۔ کیونکہ اگر یہ عصمتیں کسی کی ذاتی یا سماجی زندگی میں تکمیل کی منزل تک پہنچ جائیں تو پھر انسان اپنی خواہشات اور ہوئی وہوں کا مختار کل بن جاتا ہے جس کی طرف روایت میں صریحاً اشارہ موجود ہے کہ دنیا میں دو طرح کے انسان پائے جاتے ہیں کچھ وہ ہیں جن کی خواہش اور ہوئی وہوں ان پر غالب ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی خواہشات پر ان کا مکمل کنٹرول ہے لہذا کیونکہ خواہشات پر کنٹرول کرنا ممکن ہے اسی لئے اسلام میں دنیا کے راحت و آرام سے منع نہیں کیا گیا ہے البتہ اتنا ضروری ہے کہ جسے دنیا سے دل چھپی ہے وہ خواہشات اور ہوئے وہوں پر مکمل کنٹرول کر لے اسکے بعد چاہے جس نعمت دنیا کو استعمال کرے، ہدایت اور ہواۓ نفس کے درمیان یہی معیار اور حد فاصل ہے۔

امام جعفر صادقؑ: ﴿مَنْ مُلِكَ نَفْسَهُ إِذَا غَضِبَ، وَإِذَا رَهِبَ، وَإِذَا أَشْتَهَى، حَرَمَ اللَّهُ جَسَدَهُ عَلَى النَّارِ﴾ (۱) ”جو شخص غصہ، خوف اور خواہشات ابھرنے کی حالت میں اپنے نفس کو

قاوی میں رکھے گا خداوند عالم اسکے جسم کو جہنم پر حرام کرو یگا۔“

﴿مِنْ مَلْكِ نَفْسِهِ إِذَا رَغْبَ، وَإِذَا رَهْبَ، وَإِذَا اشْتَهَىٰ، وَإِذَا غَضَبَ، وَإِذَا رَضِيَّ﴾

حرّم اللہ جسدہ علی النار ﴿۱﴾

”جو شخص رغبت، خوف اور خواہشات ابھرنے اور غصہ یا خوشی کی حالت میں اپنے نفس کو قابو

میں رکھے خداوند عالم اسکے جسم کو جہنم پر حرام کرو یگا۔“

عصمتوں کی فتنمیں

ہر انسان کے اندر تین طرح کی عصمتوں پائی جاتی ہیں:

۱۔ کچھ عصمتوں ایسی ہیں جن کو خداوند عالم نے انسانی فطرت کی تکوینی خلقت اور تربیت کی گھرائیوں میں دویعت فرمایا ہے جیسے حیا، عفت اور رحم دلی وغیرہ۔۔۔ تبکی وجہ ہے کہ انسان اور حیوان دونوں کے اندر یکساں طور پر جنسی خواہشات موجود ہیں البتہ ان کے درمیان اتنا فرق ضرور ہے کہ حیوانوں میں یہ جذبہ بالکل ہی واضح اور ظاہر ہے جبکہ انسان کے اس جذبہ کے اوپر حیاء و عفت کے پردے پڑے ہوئے ہیں تبکی وجہ ہے کہ حیوانوں کو اسکی تسلیم میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی لیکن انسان کو اسکی تسلیم سے بہت ساری جگہوں پر پریز کرتا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ انسان کی جنسی کمزوری کی بناء پر نہیں ہے۔ بلکہ حیاء و شرم و عفت جیسی عصمتوں اسکے لئے مانع ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ جنسی خواہش کو متعادل، لطیف اور کمزور بنا دیتی ہیں اور اس پر روک لگا کر اسے مختلف طریقوں سے ابھرنے نہیں دیتیں۔

اسی طرح جذبہ رحمت (رحم دلی) سے کافی حد تک انسان کا غصہ مٹھندا ہو جاتا ہے تبکی وجہ

ہے کہ اگرچہ انسان اور حیوان دونوں کے اندر ہی غصہ کا مادہ پایا جاتا ہے مگر حیوان کے اندر اسکے آگے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی لیکن انسان کے بیہام اسکے اوپر رحمت (رحم دلی) کا سامبان ہے جس سے وہ بآسانی معتدل ہو جاتا ہے۔

۲۔ کچھ عصمتیں وہ ہیں جن کو انسان اپنی ذاتی صلاحیت اور محنت سے حاصل کرتا ہے اور ہر انسان کی زندگی میں اسکی تربیت ان عصموں کے حصول میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ جیسے ذکر الہی، نماز، روزہ، تقویٰ وغیرہ۔۔۔ کیونکہ نماز براہمی سے روکتی ہے، ذکر الہی سے شیطان دور ہو جاتا ہے، روزہ جہنم کی پس پر ہے۔ اور تقویٰ ایسا لباس ہے جو انسان کو گناہوں اور برائیوں کے مہلک ڈمک سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلِيَاسْتَقْوِيَ ذَلِكَ خَيْرٌ﴾ (۱)

”لیکن تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے“

۳۔ عصموں کی تیسری قسم وہ ہے جسے خداوند عالم نے انسان کی معاشرتی زندگی میں ودیعت کیا ہے جیسے دیندار سماج اور معاشرہ یا شادی بیانہ وغیرہ۔۔۔ کیونکہ دیندار سماج اور معاشرہ بھی انسان کو برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور شادی (شوہر اور زوجہ) دونوں کو بے شمار برائیوں سے بچالتی ہے۔ فی الحال ہم آپ کے سامنے نفس کے اندر اللہ کی ودیعت کردہ ان عصموں کے دو مجموعوں (خوف و حیا) کی وضاحت پیش کر رہے ہیں۔

خوف الہی

خداوند عالم نے انسان کے اندر جو عصمتیں ودیعت فرمائی ہیں ان کے درمیان خوف الہی

(۱) سورہ اعراف آیت ۲۶۔

(۱) سورہ اعراف آیت ۲۶

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

سب سے اہم اور بڑی حصت ہے جس کو حدیث میں عقل کا ایک شکر قرار دیا گیا ہے اور یہ خواہشات کو کنٹرول کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَأَمَّا مِنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسُ عَنِ الْهُوَى فَإِنَّ الْجَنةَ هِيَ الْمَأْوَى﴾ (۱)
”اور جس نے رب کی بارگاہ میں حاضری کا خوف پیدا کیا ہے اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکنے کے سے روکا جنت اسکا مٹھکانا اور مرکز ہے“

اس آئیہ کریمہ سے بالکل صاف روشن ہے کہ خوف الہی اور نفس کو خواہشات سے روکنے کے درمیان ایک قریبی رابطہ پایا جاتا ہے۔

اسی آیت کے بارے میں امام صادقؑ سے روایت ہے کہ:

﴿مَنْ عَلِمَ أَنَّ اللَّهَ يَرَاهُ وَيَسْمَعُ مَا يَقُولُ، وَيَعْلَمُ مَا يَعْمَلُهُ مِنْ خَيْرٍ أَوْ شَرٍ، فَلِيَحْذِرْهُ
ذَلِكَ عَنِ الْقَبِيبِ، فَذَلِكَ الَّذِي خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ، وَنَهَى النَّفْسُ عَنِ الْهُوَى﴾ (۲)
”یعنی جسے یہ علم ہو جائے کہ خداوند عالم اسے دیکھ رہا ہے اور اسکی ہرباتستا ہے اور اسکے ہر اچھے یا بے عمل پر اسکی نظر ہے تو یہی خیال اسکو برائی سے روک دیگا اور اسی انسان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے رب سے خوفزدہ ہو گیا اور اس نے اپنے نفس کو اپنی ہوس (خواہشات) سے باز رکھا“

امیر المؤمنینؑ :

﴿الْخُوفُ سِجْنُ النَّفْسِ مِنَ الذَّنَوبِ، وَرَادِعُهَا عَنِ الْمَعَاصِي﴾ (۳)

(۱) سورہ نازعات آیت ۲۹، ۳۰۔

(۲) اصول کافی ج ۲ ص ۱۷۔

(۳) میزان الحکمت ج ۲ ص ۱۸۳۔

”خوف الہی انسان کے نفس کو گناہوں اور برائیوں سے بچانے والا حصار ہے“

رسول اکرم ﷺ:

﴿سَبْعَةٌ يُظَلَّهُمُ اللَّهُ يَوْمَ لَا ظِلَّ لِالظَّالِمِ، الْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مَعْلَقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلٌ تَحَبَّبَ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَ عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شَمَالَهُ مَا تَنْفَقُ يَمِينَهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًّا فَقَاعِدَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتٌ مَنْصَبٍ وَجَمَالٌ فَقَالَ أَنِّي أَخَافُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ﴾ (۱)

”سات افراد کے اوپر اس دن رحمت الہی سایہ گلن ہو گی جس دن اسکے علاوہ اور کوئی سایہ موجود نہ رہے گا:- امام عادل۔ ۲۔ وہ جوان جسکی نشوونما عبادت الہی میں ہوئی ہو۔ ۳۔ جسکا دل مسجدوں سے وابستہ ہو۔ ۴۔ خداوند عالم کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے جو اسی کے نام پر جمع ہوں اور اسکی وجہ سے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں (یعنی ان کی ہر محبت اور دشمنی خدا کے لئے ہو)۔ ۵۔ جو شخص اس طرح چھپا کر صدقہ دے کہ اگر ایک ہاتھ سے دے تو دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ ۶۔ جو گوشہ تھائی میں ذکر الہی کرے اور اسکی آنکھ سے آنسو نکل آئیں۔ ۷۔ وہ مرد جسے کوئی حسین و جیل اور صاحب منصب عورت اپنی طرف دعوت دے اور وہ اس سے یہ کہدے کہ مجھے خدا سے ذرگلتا ہے۔“

گویا خوف الہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو اسکی سب سے خطرناک خواہش اور ہوس یعنی جسی جذبہ سے بھی روک دیتی ہے اور انسان گناہوں اور برائیوں سے بچ جاتا ہے

حضرت علیؑ :

﴿الْعَجْبُ مِمَنْ يَخَافُ الْعِقَابَ فَلِمْ يَكْفُ، وَرَجُلُ الشَّوَابِ

(۱) صحیح بخاری بحث و جوب نماز جماعت باب ۸، بحث و جوب زکات باب ۸، کتاب رقاد باب ۲۳ (باقی آنکھ صفحہ پر)

فلم یتب و یعمل) (۱)

”اس شخص پر حیرت ہے جسے سزا کا خوف ہو مگر پھر بھی برائی سے نہ رکے اور ثواب کی امید رکھتا ہوا اور اسکے باوجود توہبہ کر کے نیک عمل انجام نہ دے“
امام محمد باقرؑ :

(لَا خوف كخوف حاجز ولا رجاء كرجاء معين) (۲)

”برائیوں سے روکنے والے خوف سے بہتر کوئی خوف نہیں اور بینکیوں میں معاون ثابت ہونے والی امید سے بہتر کوئی امید نہیں ہے“
مولائے کائناتؑ :

(نعم الحاجز من المعاصي الخوف) (۳)

”برائیوں سے روکنے والی سب سے بہترین چیز کا نام خوف ہے“

خوف ایک پناہ گاہ

یہ کتنی بحیب بات ہے کہ جو خوف اور ذر، اضطراب سے پیدا ہوتا ہے اسی خوف سے اضطراب پیدا ہو جاتا ہے اور اگرچہ یہ امن و امان کے مقابل میں بولا جاتا ہے مگر اس کو اسلام نے انسان کے لئے امان اور ذہمال بنادیا ہے۔ کیونکہ خوف، انسان کو گناہوں اور برائیوں سے نہیں روکتا بلکہ درحقیقت یہ اسے ہلاکت اور بر بادی سے بچانے والی ذہمال کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس خوف

کتب محدثین باب ۲۷ صحیح مسلم در کتاب زکات بباب ۲۸ الوداع الفرج نے بھی اپنی کتاب ذم الہوی میں ص ۲۷۳ پر اس روایت کو قتل کیا ہے۔

(۱) بخار الانوار ج ۷ ص ۲۲۷۔

(۲) بخار الانوار ج ۸ ص ۱۶۲۔

(۳) میزان الحکمت ج ۳ ص ۱۸۲۔

کو انسان پہلی نظر میں خطرناک محسوس کرتا ہے وہی خوف انسان کی زندگی کو امن و امان عطا کرنے والی ایک رحمت ہے۔

اسی بارے میں حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

۱۔ ﴿الخوف امان﴾ (۱)

”خوف ایک امان ہے“

۲۔ ﴿ثمرة الخوف الامان﴾ (۲)

”خوف کا پھل امان ہے“

۳۔ ﴿خف ربك راج رحمة، يو منك ممات خاف، و بذلك

مارجوت﴾ (۳)

”خدا سے ڈرتے رہو اور اسکی رحمت کی امید رکھو تو جس سے بھی تم خوفزدہ ہو گے وہ تمہیں اس سے بچائے رکھے گا اور جس کی امید ہے وہ تمہیں حاصل ہو جائے گا“

﴿لا ينفعي للعاقل ان يقيم على الخوف اذا وجد الى الامن سبلا﴾ (۴)

”کسی صاحب عقل و خرد کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ امن و امان کا راستہ مل جانے

کے بعد خوف کی منزل میں پڑا رہے“

روایات میں جس خوف کا تذکرہ ہے اس سے مراد عذاب اللہی سے امان ہے، اور امان سے مراد، عذاب خدا کا خوف ہے اور یہ اسلامی تہذیب و تدبیر کے ایک مقابل اور حصیں ہیں۔ جس کا

(۱) میران الحکمت ج ۳ ص ۱۸۶۔

(۲) گذشتہ حوالہ۔

(۳) گذشتہ حوالہ۔

(۴) گذشتہ حوالہ۔

مطلوب یہ ہے کہ دنیا کا خوف آختر کے لئے امن و امان ہے اور دنیا کا امن و امان اور بے فکری آختر میں خوف بن جائے گا۔

امیر المؤمنینؑ نے یہ مفہوم پیغمبر اسلام کے بھی فٹک نہ رہنے والے چشمہ فیاض سے اخذ فرمایا ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ خداوند عالم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَعِزْتِي وَجَلَّتِي لَا جَمْعٌ عَلَى عَبْدِي خُوفِينَ وَلَا جَمْعٌ لِهِ أَمْنِينَ، فَإِذَا الْمُنْتَنِي

فِي الدُّنْيَا الْخَفِيَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَإِذَا أَخْفَافِي فِي الدُّنْيَا أَمْنَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (۱)

”میری عزت و جلالت کی قسم میں اپنے کسی بندے کو دخوف یا دوامان (ایک ساتھ) نہ دو زگا پس اگر وہ دنیا میں مجھ سے امان میں رہا تو قیامت میں اسے خوف میں بٹلا کر دو زگا اور اگر وہ دنیا میں مجھ سے خوفزدہ رہا تو آختر میں اسے امن و امان عطا کر دو زگا“

چند واقعات

ہر انسان کو برائیوں اور گناہوں سے بچانے میں خوف الہی کیا کردار ادا کرتا ہے؟ اسکی مزید وضاحت کے لئے ہم چند واقعات پیش کر رہے ہیں جن میں سے بعض واقعات روایات میں بھی موجود ہیں۔

۱۔ ابن جوزی کا بیان ہے کہ مجھ سے عثمان بن عاصم تھی نے بیان کیا ہے کہ ان سے ابو عمر صحیب بن عاصم تھی نے بیان کیا تھا کہ: ”حی“ نامی ایک جگہ کا ایک آدمی حج کے لئے گھر سے نکلا ایک رات پانی کے ایک چشمہ پر اس نے ایک عورت کو دیکھا جسکے بال اسکے کانوں پر بکھرے ہوئے تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا تو اس نے کہا کہم نے میری طرف سے منہ کیوں پھر لیا؟ میں نے جواب دیا کہ مجھے خداوند عالم سے ڈر لگتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنا آنفل سر پر

ڈال کر کہا: تم بہت جلدی خوف زدہ ہو گئے جبکہ تم سے زیادہ تو اسے ذرنا چاہئے جو تم سے گناہ کا خواہشمند ہے۔

پھر جب وہ وہاں سے واپس پلٹی تو میں اسکے پیچھے پیچھے ہولیا اور وہ عرب دیہاتیوں کے کسی خیمے میں چلی گئی چنانچہ جب صبح ہوئی تو میں اپنی قوم کے ایک بزرگ کے پاس گیا اور ان سے پورا ماجرا بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس جوان لڑکی کا حسن و جمال اور چال ڈھال ایسی تھی: تو وہیں ایک بوڑھا آدمی بیٹھا تھا وہ فوراً بول پڑا خدا کی قسم وہ میری بیٹی ہے۔ میں نے کہا کیا آپ اس سے میری شادی کر سکتے ہیں؟ اس نے جواب دیا اگر تم اسکے کفو ہوئے تو ضرور کر دوں گا۔ میں نے کہا: خدا کا ایک مرد ہوں اس نے کہا مجیب کفو ہے چنانچہ وہاں سے چلنے سے پہلے ہی میں نے اس سے شادی کر لی اور ان سے یہ کہدیا کہ جب میں حج سے واپس پلٹیوں گا تو اسے میرے ساتھ رخصت کرو یا چنانچہ جب میں حج سے واپس پلٹیا تو اسے بھی اپنے ساتھ کوفہ لے آیا اور اب وہ میرے ساتھ رہتی ہے اور اس سے میرے چند بیٹیاں اور بیٹیاں ہیں۔ (۱)

۲۔ مکہ میں ایک حسین و جیل عورت اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی اس نے ایک دن آئینہ میں اپنی صورت دیکھ کر اپنے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہوئے اپنے شوہر سے کہا، ذرا ہتاۓ آپ کی نظر میں کیا کوئی ایسا ہے جو اس حسن و جمال کو دیکھ کر نہ سکتے پائے؟

شوہرنے کہا ہاں کیوں نہیں، پوچھا کون ہے؟ جواب دیا عبد بن عیسیر، عورت نے کہا: اگر تم مجھے اجازت دو تو میں آج اسے بہکار دکھاؤں گی؟ کہا: جاؤ تمہیں اجازت ہے۔ چنانچہ وہ گھر سے نکلی اور مسئلہ پوچھنے کے بہانے اسکے پاس پہنچی اس نے اسے مسجد الحرام کے اندر تھائی میں ملنے کا موقع دے دیا، تو اس نے اسکے سامنے چاند کی طرح چمکتے ہوئے اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دی، تو اس

نے کہا: اے کنیر خدا، عورت بولی: میں آپ کے اوپر فریفته ہو گئی ہوں لہذا اس معاملہ میں آپ کی رائے کیا ہے؟ اس نے کہا میں تم سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں اگر تم نے میری تقدیق کردی تو میں تحسیں اپنی رائے بتاؤں گا، وہ بولی جو کچھ تم پوچھو گے میں صحیح جواب دوں گی۔ کہا: ذرا یہ بتاؤ اگر ملک الموت تھا را ری رو حبض کرنے کے لئے آئیں تو اس وقت تھمہیں اچھا لگے گا کہ میں تھا ری یہ تمنا پوری کر دوں؟ وہ بولی بخدا ہرگز نہیں۔ کہا: تم نے صحیح کہا ہے۔ پوچھا اگر تھمہیں تھا ری قبر میں اتنا ردیا جائے اور سوال کرنے کے لئے بخایا جائے تو اس وقت تھمہیں اچھا معلوم ہو گا کہ میں تھا ری یہ تمنا پوری کر دوں؟ وہ بولی بخدا نہیں، کہا تم نے صحیح جواب دیا۔ پھر پوچھا یہ بتاؤ کہ جب روز قیامت تمام لوگوں کے ہاتھ میں نامہ اعمال دئے جارہے ہوں گے اور تم کو یہ معلوم نہ رہے کہ تھا را نامہ عمل دا کیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا با کیں ہاتھ میں (یعنی نامہ عمل خراب ہے یا اچھا) اس وقت کیا تم یہ پسند کر دو گی کہ میں تھا ری یہ تمنا پوری کر دوں؟ بولی بخدا نہیں۔ پھر سوال کیا بتاؤ جب سب کو میزان کے اوپر کھڑا کیا جا رہا ہو گا اور تھمیں یہ معلوم نہ ہو کہ تھا را نامہ عمل وزنی ہے یا ہلکا تو کیا تھمہیں اس وقت خوشی ہو گی کہ میں تھا ری یہ تمنا پوری کر دوں؟ بولی بخدا نہیں۔ کہا تم نے صحیح جواب دیا۔ پھر پوچھا اگر تھمیں سوال اور جواب کے لئے خدا کے سامنے کھڑا کیا جائے اور میں تھا ری یہ تمنا پوری کر دوں تو کیا اس وقت تم کو اچھا لگے گا؟ بولی بخدا نہیں۔ کہا تم نے صحیح کہا ہے، تو اس نے کہا: اے کنیر خدا، ذرا خدا سے ذرا واس نے تم کو نعمت دے کر تھا رے اوپر احسان کیا ہے یہ سن کرو وہ اپنے گھر واپس آگئی شوہرنے پوچھا کہو کیا کر کے آئی ہو؟ وہ بولی تم فضول ہو اور ہم سب کے سب فضول ہیں اور اسکے بعد وہ مستقل نماز، روزہ اور عبادت میں مشغول ہو گئی وہ کہتا ہے کہ اس کا شوہر یہ کہتا رہتا تھا کہ بتاؤ عبد بن عمر سے میری کیا دشمنی تھی؟ جس نے میری بیوی کو بر باد کر دیا وہ کل تک تو ایک بیوی کی طرح تھی اور اب اس نے اسے راہبہ

بناً لـ۔ (۱)

۳۔ ابو سعد بن ابی امام نے روایت کی ہے ایک مرد ایک عورت سے محبت کرتا تھا، اور وہ بھی اسے چاہنے لگی ایک دن یہ دونوں کی جگہ ایک دوسرے سے ملے تو عورت نے اسے اپنی طرف دعوت دی، اس نے جواب دیا: میری موت میرے قبضہ میں نہیں ہے اور تمہاری موت بھی تمہارے بس سے باہر ہے ایسا نہ ہو کہ ابھی موت آجائے اور ہم دونوں گناہ کار اور مجرم کی صورت میں خداوند عالم کے دربار میں پہنچ جائیں، بولی: تم تھی کہہ رہے ہو، چنانچہ اسی وقت دونوں نے توبہ کر لی اور اسکے بعد دونوں راہ راست پر آگئے۔ (۲)

۴۔ خارجہ بن زید کا بیان ہے کہ بنی سلیمان کے ایک شخص نے مجھ سے اپنا یہ ماحرا بیان کیا ہے کہ میں ایک عورت کا عاشق ہو گیا تھا اور جب بھی وہ مسجد سے نکل کر جاتی تھی میں بھی اسکے پیچے چل دیتا تھا اور اسے بھی میری اس حرکت کا علم ہو گیا۔ چنانچہ اس نے ایک رات مجھ سے کہا تھیں مجھ سے کچھ کام ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ بولی: کیا کام ہے؟ میں نے جواب دیا تمہاری محبت۔ اس نے کہا کہ اسے گھائے والے دن (روز قیامت) پر چھوڑ دو، اسکا بیان ہے کہ: خدا کی قسم اس نے مجھے رلا دیا جسکے بعد میں نے پھر یہ حرکت نہ کی۔ (۳)

۵۔ بنی عبد القیس کے ایک بزرگ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے قبیلہ والوں سے سنا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو اپنی طرف دعوت دی تو وہ بولی تم نے حدیث سنی ہے اور قرآن پڑھا ہے تم پڑھے لکھے ہو، پھر مرد نے عورت سے کہا کہ: محل کے دروازے بند کر دو، تو اس نے دروازے بند کر دئے مگر جب وہ مرد اسکے نزدیک ہوا تو وہ عورت بولی کہ ابھی ایک دروازہ کھلا رہ گیا

(۱) ذم البوی لابن جوزی ص ۲۶۵-۲۶۶۔

(۲) ذم البوی لابن جوزی ص ۲۶۸۔

(۳) ذم البوی لابن جوزی ص ۲۷۲۔

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں.....

ہے جو مجھ سے بند نہیں ہو سکا۔ اس نے کہا کون سا دروازہ؟ جواب دیا: وہ دروازہ جو تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان کھلا ہے یہ کہاں نہیں لگایا۔ (۱)

۶۔ این جوزی کا بیان ہے کہ نہیں یہ اطلاع ملی کے بصرہ کی زاہدہ عابدہ خاتون ایک مہمی مرد (۲) کے چنگل میں پھنس گئی ہے، کیونکہ وہ بہت خوبصورت تھی اور جو کوئی اسے شادی کا پیغام دیتا تھا تو وہ منع کر دیتی تھی چنانچہ مہمی کو یہ خبر ملی کہ وہی عورت حج کرنے جاری ہے، تو اس نے تین سو اونٹ خریدے اور یہ اعلان کر دیا کہ جو حج کرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ مجھ سے اونٹ کرائے پر لے سکتا ہے۔ چنانچہ اس عورت نے بھی اس سے کرایہ پر ایک اونٹ لے لیا۔ ایک دن راستہ میں وہ رات کے وقت اسکے پاس آیا اور کہا یا تم مجھ سے شادی کرو، ورنہ! عورت نے جواب دیا: تم پرواۓ ہو زرا خدا کا خوف کرو، تو اس نے کہا: ذرا کافی کھول کر سنو، خدا کی قسم میں کوئی اونٹوں کا سار بان (اونٹ والا) نہیں ہوں بلکہ میں تو اس کام کے لئے صرف اور صرف تمہاری وجہ سے نکلا ہوں، لہذا جب عورت نے اپنی آبرو خطرے میں دیکھی تو کہا کہ اچھا جاؤ یہ دیکھو کہ کوئی جاگ تو نہیں رہا ہے؟ اس نے کہا کوئی نہیں جاگ رہا ہے وہ پھر بولی ایک بار اور دیکھا چنانچہ وہ گیا اور جب واپس پلٹ کر آیا تو کہا: ہاں سب کے سب سوچکے ہیں تو عورت نے کہا: تجھ پرواۓ ہو، کیا رب العالمین کو بھی نیزاً گئی ہے؟ (۳)

حیاء

عقل کے لشکر کی ایک اور صفت ”حیاء“ بھی ہے یہ بھی انسان کو تباہی اور بر بادی سے بچانے میں اہم کردار کرتی ہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کو خداوند عالم یا اسکے بندوں کی حیاء نہ ہو تو وہ گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسے اسکی عقل بھی نہیں روک پاتی ہے۔ ایسے حالات میں

(۱) ذم البوی لابن جوزی ص ۲۷۳۔

(۲) محدث: ایک ثبوت منقول کا نام، ذم البوی لابن جوزی ص ۲۷۴۔

صرف حیاء ہی اسکو گناہ سے بچاتی ہے۔

حیاء (چاہے جس مقدار میں ہواں) کے اندر عصمت کے مختلف درجات پائے جاتے ہیں جیسے اعزاء و اقرباء سے شرم و حیاء میں جو عصمت پائی جاتی ہے وہی غیروں سے حیاء کے وقت ایک درجہ اور بڑھ جاتی ہے اسی طرح انسان جس کا احترام کرتا ہے اور اسکی تعظیم کا قائل ہے اسکے سامنے حیاء کی وجہ سے اسکے اندر اس سے اعلیٰ درجہ کی عصمت پیدا ہو جاتی ہے۔

آخر کار پر وردگار عالم سے حیاء کرنے کی وجہ سے انسان عصمت کے سب سے بلند درجہ کا مالک ہو جاتا ہے۔ لہذا اگر انسان اپنے نفس کے اندر خداوند عالم کی حیاء پیدا کر لے اور اس کو اچھی طرح اپنے وجود میں رفع کر لے اور خدا اور اسکے فرشتوں کو ہمیشہ اپنے اوپر حاضر و ناظر رکھے تو اس احساس کے اندر اتنی اعلیٰ درجہ کی عصمت پائی جاتی ہے جو اس کو ہر طرح کی نافرمانی، گناہ اور لغزشوں سے بچاسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے حیاء

یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی انسان کے دل میں خداوند عالم کا خیال موجود ہو اور وہ اسے حاضر و ناظر بھی کبھر رہا ہو اور اسے یہ بھی یاد ہو کہ خداوند عالم کے علاوہ اسکے میمن کردہ فرشتے بھی اس سے اتنا نزدیک ہیں کہ خداوند عالم نے ان سے اسکا جو عمل پوشیدہ رکھتا ہے اسکے علاوہ اسکا کوئی عمل ان سے پوشیدہ نہیں ہے اور پھر بھی وہ گناہ کا مرتكب ہو جائے چنانچہ مجبراً کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانب ابوذرؓ کو جو وصیت فرمائی تھی اس میں یہ بھی ہے کہ اے ابوذر خداوند عالم سے شرم و حیاء کرو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میرا حال تو یہ ہے کہ جب میں بیت الخلاء کے لئے جاتا ہوں تو اپنے دونوں فرشتوں سے شرم و حیاء کی بنا پر اپنے چہرے پر کپڑا ذوال لیتا ہوں۔

حیاء کا وہ ارفع و اعلیٰ درجہ جو خداوند عالم نے اپنے رسول کو عنایت فرمایا ہے وہ دنیا میں بہت کم افراد کو نصیب ہوا ہے۔ مختصر یہ کہ جب انسان کے نفس کے اندر اور اسکے شعور و ادراک میں اچھی

خواہیں! احادیث الہبیت کی روشنی میں

طرح حیائے الہی جلوہ فکن ہو جاتی ہے تو پھر اسے گناہوں، برائیوں نیز ہوں کے مہلک خطرات کے سامنے پر انداخت نہیں ہونے دیتی ہے۔

جب اپنے چیسے دوسرے انسانوں سے شرم و حیاء کی بناء پر انسان نہ جانے کتنے ایسے کام نہیں کرتا ہے جنہیں ان کی عدم موجودگی یا تہائی میں انجام دے لیتا ہے تو اگر اسکے اندر خداوند عالم سے حیاء کا مادہ پیدا ہو جائے تو پھر خداوند عالم کی ناپسندیدہ چیزوں سے وہ بدرجہ اولیٰ پر ہیز کریگا اور اسکے لئے ملاء عام (علی الاعلان) اور گوشہ تہائی میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا۔ اس لئے کہ خداوند عالم ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اور یہ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص، بندوں سے کوئی بات پوشیدہ رکھ لے لیکن خداوند عالم سے اسکی کوئی بات ہرگز پوشیدہ نہیں رہ سکتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ:

﴿بِاَبَاذْرَاسْتَحْ مِنَ اللَّهِ، فَأَنِي وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَظْلَلُ حِينَ أَذْهَبُ إِلَىٰ﴾

الغائب متقنعًا بشوبی استحی من الملکین الذين معی ﴿۱﴾

”اے ابوذر، خداوند عالم سے حیاء کرو، کیونکہ اس ذات کی قسم جسکے قبضہ میں میری جان ہے میں جب بھی بیت الغباء کے لئے جاتا ہوں تو اپنے ہمراہ دونوں فرشتوں سے شرم و حیاء کی وجہ سے اپنے چہرہ کوڈھانپ لیتا ہوں“

رسول اکرم ﷺ:

﴿اَسْتَحْ مِنَ اللَّهِ اسْتَحْيَاكَ مِنْ صَالِحٍ جِبْرِيلَ، فَإِنْ فِيهَا زِيَادَةٌ لِّلْقَيْنِ﴾ ﴿۲﴾

”خداوند عالم سے اس طرح شرم و حیاء کرو جس طرح تم اپنے نیک اور صالح پڑوی سے

(۱) بخار الانوار ج ۷ ص ۸۳ و کنز اعمال ج ۵۷ ص ۵۷۵۔

(۲) بخار الانوار ج ۷ ص ۸۰۰۔

شرماتے ہو کیونکہ اس سے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔“

آپ ہی سے یہ بھی مردی ہے:

﴿لِيَسْتِحْيَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَلَكِيَّهُ الَّذِينَ مَعَهُ، كَمَا يَسْتَحْيِي مِنْ رِجْلِيْنِ صَالِحِيْنَ
مِنْ جِبْرِيلَهُ، وَهُمَا مَعَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ (۱)

”اپنے فرشتوں سے تم اسی طرح شرم و حیا کرو جس طرح تم اپنے دو صالح اور نیک
پڑوسیوں سے شرماتے ہو کیونکہ یہ فرشتے رات دن تہمارے ساتھ رہتے ہیں۔“

خداوند عالم سے ہر حال میں شرم و حیا کے بارے میں امام کاظمؑ سے نقل ہوا ہے:

﴿إِسْتَحْيُوا مِنَ اللَّهِ فِي سَرَايْرِكُمْ، كَمَا تَسْتَحْيُونَ مِنَ النَّاسِ فِي عَلَانِيَّتِكُمْ﴾ (۲)

”تہائی میں خداوند عالم سے اسی طرح شرم و حیا کیا کرو جس طرح لوگوں کے سامنے تھیں
جی آتی ہے۔“

محضیر یہ کہ اگر کسی کے اندر خداوند عالم سے حیا کا عرفان پیدا ہو جائے تو وہ عصمت کے بلند
ترین درجہ پر فائز ہو سکتا ہے اور اسکے لئے ماءِ عام یا گوشہ تہائی میں کوئی فرق نہیں ہے اسکے لئے
روایات میں مختلف تعبیرات ذکر ہوئی ہیں۔

حضرت علیؑ :

﴿الْحَيَاةُ يَصْدَّ عَنِ الْفَعْلِ الْقَبِحِ﴾ (۳)

”حیا برائیوں سے روک دیتی ہے۔“

آپ ہی نے یہ بھی فرمایا ہے:

(۱) میزان الحکمت ج ۲ ص ۵۶۸۔

(۲) بخار الانوار ج ۸ ص ۳۰۹۔

(۳) میزان الحکمت ج ۲ ص ۵۶۳۔

﴿عَلَىٰ قَدْرِ الْحَيَاةِ تَكُونُ الْعَفَةُ﴾ (۱)

”حیا کی مقدار کے برابر ہی عفت بھی ہوتی ہے“

رسول اکرم ﷺ:

﴿إِسْتَحْيُوا مِنَ اللَّهِ حَقَ الْحَيَاةِ، فَقَيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: وَمَن يَسْتَحْيِي مِنَ اللَّهِ حَقَ الْحَيَاةِ؟ فَقَالَ: مَنْ إِسْتَحْيَيَ مِنَ اللَّهِ حَقَ الْحَيَاةِ فَلَيَكْتُبْ أَجْلَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَلَيَزَهَدْ فِي الدُّنْيَا وَزِينَتِهَا، وَيَحْفَظْ الرَّأْسَ وَمَاحْوَىٰ وَالْبَطْنَ وَمَا وَعَىٰ﴾

”خداوند عالم سے ایسی حیا کرو جو حیا کرنے کا حق ہے سوال کیا گیا خداوند عالم سے حیا کرنے کا جو حق ہے اسکا کیا طریقہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ جو خداوند عالم سے واقعاً حیا کرنا چاہتا ہے وہ اپنی موت کو اپنی دونوں آنکھوں کے سامنے مجسم کر لے (اپنی پیشانی پر لکھ لے) اور دنیا اور اس کی زیتوں سے اجتناب کرے اور اپنے سر اور جو پکھا اس میں ہے اور اپنے پیٹ اور جو اسکے اندر بھرا ہے ان سے محفوظ رہے“ (۲)

امام موسیٰ کاظمؑ :

﴿رَحْمَ اللَّهُ مِنْ إِسْتَحْيَيَ مِنَ اللَّهِ حَقَ الْحَيَاةِ، فَحَفْظُ الرَّأْسَ وَمَاحْوَىٰ وَالْبَطْنَ وَمَا وَعَىٰ﴾ (۳)

”اللَّهُ تَعَالَى اس بندے پر حرم کرے جسکو اس سے واقعاً حیا آتی ہو اور اسی لئے وہ اپنے سر کے وسوسوں اور پیٹ کی شہتوں سے اپنے کو محفوظ رکھے“

روایت میں سر اور معدہ کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اکثر شہوتیں انہیں دونوں جگہوں سے

(۱) گذرست حوالہ۔

(۲) بحار الانوار ج ۰۷ ص ۳۰۵۔

(۳) بحار الانوار ج ۰۷ ص ۳۰۵۔

جسم لیتی ہیں مثلاً اگر آنکھیں شہوت کا ایک دروزہ اور کان دوسرا دروازہ ہے تو معدہ (پیٹ) شہوت کی پیدائش کا پہلا مرکز اور شرم گاہ دوسرا مرکز ہے۔

لہذا جب انسان کے اندر شرم و حیاء پیدا ہو جاتی ہے تو پھر ذہن و دماغ کے برعے خیالات (سر کے وسوسے) اور پیٹ کی شہوت کے سارے راستے خود بخوبی بند ہو جاتے ہیں اور انسان ان کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

آپ ہی سے مردی ہے:

﴿مِنْ أَفْضُلِ الْوَرَعِ أَنْ لَا تَبْدِي فِي خَلْوَاتِكَ مَا تَسْتَحِي مِنْ اظْهَارِهِ فِي

عَلَانِيَّةٍ﴾ (۱)

”سب سے بڑا اورع اور پارسائی یہ ہے کہ جس کام کو تم کھلم کھلا کرنے سے شرما تے ہوا سے تہائی میں بھی انجام نہ دو“

بارگاہ خدا میں قلت حیا کی شکایت

متعدد دعاوں میں یہ ملتا ہے کہ انسان خداوند عالم کی بارگاہ میں اس سے حیا کی قلت کی شکایت کرتا ہے جو ایک بہت ہی لطیف اور عجیب بات ہے کہ انسان خداوند عالم کی بارگاہ میں یہ شکایت کرے کہ اسکے اندر خود ذات پرور دگار سے شرم و حیاء کی قلت پائی جاتی ہے جس میں خدا قاضی ہے کیونکہ اسکا فیصلہ اسی کے اوپر چھوڑ دیا گیا ہے شکایت کرنے والا خداونسان (انا، میں) ہے اور جس کے خلاف شکایت کی گئی ہے وہ نفس ہے اور شکایت (مقدمہ) کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ نفس اس خدا کے سامنے بے حیائی پر اتر آیا ہے جو خود اس مقدمہ میں قاضی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ گویا انسان خدا کی بارگاہ میں اپنے نفس کی یہ شکایت کر رہا ہے کہ وہ خود خدا سے حیاء نہیں کرتا ہے بطور نمونہ دعائے

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں.....

ابو حزہ ثمال (رح) کے یہ بحلاط ملاحظہ فرمائیں:

﴿أَنَا يَاربُّ الَّذِي لَمْ أَسْتَحِيْكَ فِي الْخَلَاءِ، وَلَمْ أَرَأْقِبْكَ فِي الْمَلَأِ، أَنَا صَاحِبُ الدَّوَاهِيْعُ الْعَظِيمِ، أَنَا الَّذِي عَلَىٰ سِيدَهُ اجْتَرَىٰ... إِنَّا لِلَّهِيْ سُرُّتُ عَلَىٰ فَمَا اسْتَحِيْتُ، وَعَمِلْتُ بِالْمَعَاصِي فَتَعَذَّبْتُ، وَاسْقَطْتُنِي مِنْ عَيْنِكَ فَمَا بَالِيْتُ﴾ (۱)

”پروردگارا! میں وہی ہوں جس نے تھائی میں تجوہ سے حیانیں کی اور مجھ میں تیرا خیال نہیں کیا میرے مصائب عظیم ہیں میں نے اپنے مولا کی شان میں گتابخی کی ہے۔۔۔ میں وہی ہوں ۔۔۔ جس کی تو نے پرده پوشی کی تو میں نے حیانیں کی، گناہ کئے ہیں تو برہعتاً ہی چلا گیا اور تو نے نظرؤں سے گرا دیا تو کوئی پروانیں کی“

امام زین العابدینؑ کی مناجات شاکین (شکایت اور فریاد کرنے والوں کی مناجات) میں بھی خداوند عالم کی بارگاہ میں اپنے نفس اور گناہوں سے پرہیز نہ کرنے کی شکایت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

﴿إِلَهِي أَشْكُوكَ الْيَكَ نَفْسًا بِالسَّوءِ أَمَارَةٌ، وَالِّيْ الْخَطِيْبَةِ مَبَادِرَةٌ، وَبِمَعَاصِيكَ مَوْلَعَةٌ، وَلِسَخْتَكَ مَتَعَرَّضَةٌ﴾ (۲)

”خدا میں تجوہ سے اس نفس کی شکایت کر رہا ہوں جو برا کسوں کا حکم دیتا ہے اور خطاؤں کی طرف تیزی سے دوڑتا ہے اور تیری معصیتوں پر حریص ہے اور تیری ناراضگی کی منزل میں ہے۔۔۔“

(۱) دعائے ابو حزہ ثمال۔

(۲) مناجات الجان: مناجات الشاکین۔

دوسری فصل

جو شخص اپنی ہوئی وہوس کو
خداوند عالم کی مرضی پر ترجیح دیتا ہے۔

۱۔ ہوی اور ہوں کے معنی

۲۔ اسکے خصائص اور صفات

۳۔ اسکے طریقہ علاج کو

حدیث قدسی کے پہلے جملے کی وضاحت کے ذیل میں بیان کرنے کے بعد، اب ہم آپ کے سامنے اس حدیث کے دوسرے اور تیسرا جملے "جو شخص خداوند عالم کی مرضی پر اپنی خواہش اور ہوں کو مقدم کرتا ہے" اور اسکے برخلاف "جو انسان مرضی خدا کو اپنی مرضی اور اپنی خوشی پر فوقیت اور ترجیح دلتا ہے" کی وضاحت پیش کر رہے ہیں۔

جو شخص اپنی ہوں کو خداوند عالم کی مرضی پر فوقیت دلتا ہے۔ اس (دوسرے) جملہ کی وضاحت متعلقہ حدیث قدسی میں کچھ اس طرح کی گئی ہے۔

عن رسول اللہ يقول اللہ تعالیٰ :

﴿وَعَزَّتِي وَجْلًا لِي، وَعَظَمْتِي، وَكَبِيرِيَّاتِي، وَنُورِي، وَعَلَوِي، وَارْتَفَاعِ مَكَانِي
لَا يُؤْثِرُ عَبْدٌ هُوَ اهْمَلٌ عَلَىٰ هُوَ اهْمَلٌ إِلَّا شَتَّتَ أَمْرَهُ، وَلَبَسَتْ عَلَيْهِ دُنْيَا هُوَ، وَشَغَلَتْ قَلْبَهُ بِهَا، وَلَمْ
أُوْتِهِ مِنْهَا إِلَّا مَا قَدَرْتَ لَهُ﴾ (۱)

(۱) مددۃ الدائی ص ۹۷۔ اصول کافی ج ۲ ص ۲۳۵۔ ان دونوں سے علامہ مجلسی (رحم) نے بخار الانوار ج ۰ ص ۸۷۔ حدیث ۱۱۳ اور ج ۰ ص ۸۵ تیزص ۸۶ پر اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اس سے پہلے بھی ہم نے کتاب کے مقدمہ میں اس حدیث کے بعض جوابی نقل کئے ہیں۔

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

”میری عزت و جلالت، عظمت و کبریائی، نور و رفعت اور میرے مقام و منزالت کی بلندی کی قسم، کوئی بندہ بھی اپنی ہوئی وہوس کو میری مرضی اور خواہش پر ترجیح نہیں دیگا مگر یہ کہ میں اسکے معاملات کو درہم برہم کروں گا اسکے لئے دنیا کو بنا سوار دوں گا اور اسکے دل کو اسی کا دلدارہ بنادوں گا اور اسکو صرف اسی مقدار میں عطا کروں گا جتنا پہلے سے اسکے مقدار میں لکھ دیا ہے“

حدیث قدسی کے اس فقرہ میں تین اہم نکات پائے جاتے ہیں:

۱۔ جو لوگ اپنی خواہش کو مرضی خدا پر ترجیح دیں گے انہیں خداوند عالم تین قسم کی سزا میں دیگا:

الف۔ ان کے معاملات مشتبہ اور درہم برہم ہو جائیں گے۔

ب۔ دنیا ان کی نگاہ میں آراستہ ہو جائے گی۔

ج۔ ان کا دل، دنیا کا دیوانہ ہو کرہ جائے گا۔

۲۔ مذکورہ سزاوں کے تذکرہ سے پہلے اس حدیث شریف میں متعدد طرح کی عظیم قسمیں

کھائی گئی ہیں (جیسے میری عزت، جلالت، عظمت، کبریائی، نور اور میرے مقام و منزالت کی رفعت کی قسم) جن سے اُس بات کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جسکا تذکرہ ان کے بعد کیا گیا ہے۔

۳۔ حدیث شریف میں جس طرز کلام کا انتخاب کیا گیا ہے اس سے دائرہ کلام بالکل محصور

اور محدود ہو جاتا ہے کیونکہ پہلے جملہ یعنی ﴿لا یؤثر عبد هو اه... الاشتت أمره﴾ میں نہیں اور

دوسرے جملہ ﴿الاشتت أمره﴾ میں اثبات کا لہجہ موجود ہے لہذا اس حصر کے معنی یہ ہیں کہ جب کبھی

بھی انسان اپنی ہوں کو خداوند عالم کی مرضی پر ترجیح دیگا تو وہ کسی بھی طرح خداوند عالم کی ان سزاوں

سے نہیں فیکرتا ہے اب آپ حدیث قدسی میں مذکور، ان تینوں سزاوں کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ اسکے امور کو درہم برہم کروں گا

جو لوگ خود اپنی مرضی کے مطابق چلتے ہیں اور خداوند عالم کی مرضی کا کوئی خیال نہیں کرتے

ہیں ان کو خداوند عالم سب سے پہلی سزا یہ دیتا ہے کہ ان کے معاملات درہم برہم کردیتا ہے اور ان کے

ہر کام میں بے ثباتی، تزلزل اور بے ترتیبی آ جاتی ہے کیونکہ وہ ان سے طریقہ کار، راہ و روش، مقصد اور وسیلہ کی یکسانیت اور یکسوئی کو سلب کر لیتا ہے۔ جسکے نتیجہ میں وہ ہوا میں کتنی پتگ یا کسی تنگ کی طرح ہر طرف اڑتے رہتے ہیں اور ہوا کا ہر جھونکا انکو ایک نئی سمت کی طرف ڈھکیل دیتا ہے۔ کیونکہ لوگ عام طور سے دو طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ منظم اور ٹھوس شخصیت کے مالک۔

۲۔ بے نظم اور بے ترتیب

ٹھوس شخصیت

ٹھوس اور منظم شخصیت اسی شخصیتوں کو کہا جاتا ہے جو کسی ایک حاکم کے ماتحت رہتی ہیں جب کہ تزلزل، مضطرب اور بد حواس قسم کے افراد متعدد اسباب و عوامل کے آکر کاربئے رہتے ہیں۔

چنانچہ پہلے طریقہ کار کو تو حیدری طریقہ اور دوسرے طریقہ کو شرک کا نتیجہ کہا جاتا ہے کیونکہ جو شخص تو حیدر الہی کا نمونہ ہوتا ہے۔ وہ ہر اعتبار سے خداوند عالم کے ارادہ، حکمت اور اسکے احکام کا تابع ہوتا ہے اور ہر لحاظ سے اسی کی مشیت اور مرضی کے سامنے سرتسلیم خم کئے رہتا ہے۔

اسی طرح ہر خوشی اور مصیبت میں وہ حکم الہی کا پابند رہتا ہے اور خداوند عالم کی خوشنودی ہی اس کا اصل مقصد ہے اور اسکے علاوہ اسے کسی دوسری چیز کی خواہش نہیں ہوتی اور وہ ہر طرح سے اس کے فرمان کے سامنے سرتسلیم خم کئے رہتا ہے اور اسکی نظر صرف اپنے اس پاک مقصد پر مرکوز رہتی ہے اور وہ اسکی طرف روای دوال رہتا ہے۔ اور کیونکہ احکام الہی کا نظام صرف ایک ہی مرکز سے متصل ہے اور اس میں مکمل طور سے یکسانیت پائی جاتی ہے لہذا اس پر عمل کرنے کے بعد ہر انسان کی شخصیت مقدس ہو جاتی ہے اور اس میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے یعنی کبھی مختلف قسم کی سیاسی یا سماجی رد و بدل اور احتل پتھل کی وجہ سے جنگ اور لڑائی کی نوبت آ جاتی ہے جسکی بنابر انہیں اسلحہ انھا ناپڑتا ہے۔ اور کبھی صور تھال یہ ہو جاتی ہے کہ اسلحہ کو ز میں پر رکھنا پڑتا ہے مگر حالات کے اس پورے اتار چڑھاؤ کے

خواہیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

پاوجو دانسان کی شخصیت کے اندر کسی طرح کا اختلاف یا روبدل پیدا نہیں ہوتی اور اسکی شخصیت کی کیسا نیت اور توحید کے سرچشمہ سے پیدا ہونے والی ترتیب و یگانگت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے اور اسی کو (توحید عملی) کہا جاتا ہے جو توحید نظری کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے کیونکہ یہ صورت حال دراصل انسان کی زندگی میں توحید نظری کے پرتو کا ہی نتیجہ ہے۔

توحید عملی کی اس منزل پر پہنچنے کے بعد انسان اپنے نفس کے اندر اور باہر موجود تمام حاکموں جیسے ہوئی وہوس اور طاغوت وغیرہ کی ماحقیت سے خارج ہو جاتا ہے اور احکام الٰہی کے دائرہ حکومت میں داخل ہو جاتا ہے اس طرح تھا حکم الٰہی ہی اسکے ہر عمل کا حاکم و مختار ہوتا ہے اور اسکی رفتار و گفتار اور کردار و عمل میں ہر جگہ توحیدی رنگ نظر آتا ہے اور وہ پیغمبر ﷺ کی اس حدیث شریف کا مصدقہ بن جاتا ہے:

(لَا يَوْمَنْ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هُوَاهُ تَبِعًا لِمَا جَنَّتْ بِهِ) (۱)

”تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی ہر خواہش اس دین کی تابع نہ بن جائے جو میں لے کر آیا ہوں“

جبکہ شرک کی صورت حال اس کے برخلاف ہوتی ہے کیونکہ شرک آجائے کے بعد انسان سو فیصد خداوند عالم کے احکام کا پابند نہیں رہتا بلکہ وہ خدا کے ساتھ ساتھ خواہش نفس اور طاغوت وغیرہ کی پیروی بھی شروع کر دیتا ہے اور جب انسان توحید کے قلمب کی چار دیواری سے باہر نکل جاتا ہے تو پھر ہوں اور طاغوت اس کے سر پر سوار ہو جاتے ہیں اس کی بنیادوں کو ہلاک کر کر کہ دیتے ہیں اور گویا سے بالکل تباہ و برباد کر دیتے ہیں اس بارے میں قرآنی تعبیرات ملاحظہ فرمائیے:

(اللَّهُ وَلِيُ الَّذِينَ آمَنُوا... وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ لِيَاوْهُمُ الطَّاغُوتُ) (۲)

(۱) جامع الکبیر طبری۔

(۲) سورہ بقرہ آیت ۲۵۷۔

”اللہ صاحبِ جان ایمان کا سر پرست ہے۔۔۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے سر پرست طاغوت

ہیں“

جسکا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مومن ہیں ان کا صرف ایک ولی و سر پرست ہے ایک ذریعہ اور ایک ہی سرچشمہ ہے اور صرف اسی سے ان کو نسبت ہے لیکن مشرکین مختلف لیدروں اور حاکموں کے آل کار اور تابع ہوتے ہیں انہیں جو ذریعہ اور وسیلہ بھی نظر آ جاتا ہے وہ اسی کے پیچے لگ لیتے ہیں اسی لئے ان کے واسطے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكُمُ الطَّاغُوتُ﴾

”اور جو لوگ کافر ہیں ان کے سر پرست طاغوت ہیں“ (اس میں لفظ اولیاء جمع ہے) یہاں تک یہ بالکل واضح ہو گیا کہ جو شخص، بخوبی شخصیت کا مالک ہوتا ہے اس پر صرف شرعی قانون کی حکومت چلتی ہے اور وہ مرضی خدا کا پابند ہوتا ہے ایسے افراد کی غور و فکر، شرم و حیا اور خوف و ہراس کے بغیر اپنی شرعی ذمہ داریوں پر عمل کرتے ہیں کیونکہ یہ خوف و ہراس، شرمندگی اور اضطرابی حالت انسان کی اندر وہی کٹگش اور تنذیب کی دلیل ہے جو نفس کے اندر وہی یا بیرونی اسباب کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے لہذا جب انسان کسی ایک طاقت کا پابند اور پیرو ہوتا ہے اور اسکی نظر ہمیشہ ایک ہی مرکز پر رہتی ہے تو اس پر ان چیزوں کا اثر نہیں پڑتا ہے۔

ایسے افراد کی پہچان یہ ہے کہ وہ ثقہ، قابلِ اطمینان، ثابت قدم، بخوبی رائے، پاکیزہ نفس صاف و شفاف ضمیر کے مالک، شجاع اور تہائی یا چاہئے والوں اور مددگاروں کی قلت اور دشمنوں کی کثرت کے باوجود اپنے موقف پرائل رہتے ہیں۔ امیر المؤمنین^(۱) نے فرمایا ہے:

﴿لَا يَزِيدُنَى كُثْرَةُ النَّاسِ عَزَّةً، وَلَا تُفْرُقُهُمْ عَنِّي وَحْشَةً﴾ (۱)

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

”لوگوں کی کثرت سے نہ میری عزت اور استحکام میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ ان کے مفرق
ہو جانے سے مجھے کوئی وحشت ہوتی ہے“

دوسرے یہ کہ ان لوگوں کے ان خصائص اور صفات پر وقتی سکون و اطمینان، زحمت و مشکلات
رزم و بزم، فتح و نصرت یا ناکامی اور شکست کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے اور وہ پرچم توحید کے سایہ میں سدا
بھار رہتے ہیں۔

عمار بن یاسر

خداوند عالم جناب عمار یاسر پر حمتیں نازل فرمائے وہ ایک مثالی، ٹھوس اور عظیم شخصیت کے
مالک تھے۔ جنگ صفين میں آپ نے حضرت علیؑ کی رکاب میں اس وقت معاویہ سے جنگ کی تھی
جب آپ کی عمر، نوے برس سے زیادہ تھی آپ نذر، بہادر، ثابت قدم، جنگ کے شعلوں میں
کو دجانے والے اور امام کے ایسے جاندار ساتھی تھے جن کے دل میں حضرت علیؑ کی حقانیت اور
معاویہ کے حق اور باطل ہونے کے بارے میں ایک لمحہ کے لئے بھی شک پیدا نہیں ہوا۔
یہی وجہ ہے کہ صفين کی جنگ کے دوران ہی حضرت علیؑ کے سامنے آپ نے پروردگار
عالم سے یہ دعا کی:

﴿اللَّهُمَّ إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّ رَضَاكَ فِي أَنْ أَقْذِفَ بِنَفْسِي فِي
هَذَا الْبَحْرِ لِفَعْلَتِي، اللَّهُمَّ إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّ رَضَاكَ أَنْ أَصْبِعُ ضَبْبَةً سَيِّفِي فِي
بَطْنِي ثُمَّ أَنْحِنِي عَلَيْهَا حَتَّى يَخْرُجَ مِنْ ظَهَرِي لِفَعْلَتِي، اللَّهُمَّ وَإِنِّي أَعْلَمُ مَمَاعِلَمَتِي
أَنِّي لَا أَعْمَلُ الْيَوْمَ عَمَلاً هُوَ أَرْضَى لِكَ مِنْ جَهَادِ هَؤُلَاءِ الْفَاسِقِينَ، وَلَوْ أَعْلَمُ الْيَوْمَ
عَمَلاً أَرْضَى لِكَ مِنْهُ لِفَعْلَتِي﴾ (۱)

(۱) صفين: نصر بن مزاحم ۳۱۹-۳۲۰ تحقیق داکٹر عبدالسلام ہارون۔

اے کے امور کو درہم برہم کر دوں گا۔

۱۷۱

”بارالہ تو جانتا ہے کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ اس سمندر میں کوچانے میں تیری خوشی اس خوشنودی ہے تو میں یقیناً کوچاؤں گا۔ بارالہ تو جانتا ہے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیری خوشی اس میں ہے کہ میں اپنی توارا پنے بیٹ پر کھکر اس کے اوپر اتنا جھک جاؤں کہ وہ میری کر کے پار نکل جائے تو میں یہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔۔۔ بارالہ تو نے مجھے جو علم دیا ہے اسکی بنا پر مجھے معلوم ہے کہ آج تجھے ان فاطمین سے جہاد کرنے سے زیادہ میرا کوئی عمل پسند نہیں ہے (الہذا میں ان سے جہاد کر رہا ہوں) اور اگر مجھے اس سے زیادہ تیرا پسندیدہ عمل معلوم ہو جائے تو میں اسکو ضرور انجام دوں گا“

اماء بن حکم فزاری کا بیان ہے کہ ہم صفین کے میدان میں حضرت علیؑ کے لشکر میں جناب عمار یا سر کی سپہ سالاری میں دوپہر کے وقت سرخ چادر کے سامنے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت ایک شخص (جو سب کے چہرے غور سے دیکھ رہا تھا) آیا اور اس نے کہا کیا تمہارے درمیان عمار یا سر ہیں؟

جناب عمار نے کہا: میں عمار ہوں۔

اس نے کہا! ابوالیقظان؟

جواب دیا: جی ہاں۔

پھر اس نے کہا: کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے، فرمائیے یہیں سب کے سامنے عرض کروں یا تھائی میں، جناب عمار بولے جو تم چاہو۔ اس نے کہا تھیک ہے سب کے سامنے ہی عرض کئے دیتا ہوں جناب عمار نے کہا بتاؤ کیا کام ہے؟

کہا! میں جب اپنے گھر سے نکلا تھا تو مجھے اپنی حقانیت اور اس قوم (لشکر معاویہ) کی گمراہی کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا اور مسلسل میری یہیں کیفیت تھی مگر آج رات عجیب اتفاق ہوا کہ جب صحیح ہوئی تو ہمارے موزون نے ﴿اَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللَّهِ﴾ کی صدا بلند کی اور ان کے موزون نے بھی اسی طرح اذان دی جب نماز شروع ہوئی تو ہم سب نے ایک ہی

طرح نماز پڑھی ایک ہی طرح دعا کی، ایک ہی کتاب (قرآن مجید) کی تلاوت کی اور ہمارے رسول بھی ایک ہیں، یہیں سے میرے دل میں کچھ شک پیدا ہوا۔ چنانچہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میں نے بقیہ وقت کیسے گذارا ہے، صحیح ہوئی تو میں امیر المؤمنین کے پاس گیا اور ان کی خدمت میں پورا ماجرا بیان کر دیا تو انہوں نے فرمایا: کیا تم عمار بن یاسر سے ملے ہو؟ میں نے عرض کی نہیں، فرمایا جاؤ ان سے ملاقات کرو اور جو کچھ وہ کہیں اس پر عمل کرنا۔ لہذا اسی کام کے لئے میں آپ کی خدمت حاضر ہوا ہوں تو جناب عمار یاسر (رح) نے اس سے کہا: کیا تم ہمارے مقابلہ میں موجود اس سیاہ پرچم والے لشکر کے سپہ سالار کو جانتے ہو؟ وہ عمرو بن العاص ہے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر میں نے اس سے تم بار جنگ کی ہے اور آج اس سے یہ میری چوتھی جنگ ہے۔ اور یہ جنگ ان جنگوں سے کچھ بہتر نہیں ہے بلکہ بدتر ہی ہے بلکہ اس کا شروع فساد ان سب سے زیادہ ہے، کیا تم بدر واحد اور حنین میں تھے یا تمہارے والد ان میں موجود تھے کہ انہوں نے تم سے ان جنگوں کے کچھ حالات بتائے ہوں؟ اس نے کہا نہیں آپ نے کہا کہ بدر واحد حنین کے دن ہم سب رسول اللہ کے پرچم تلنے جمع تھے اور وہ لوگ، مشرکین کے جنڈے کے نیچے اکٹھا تھے۔ کیا تم اس لشکر اور اہل لشکر کو دیکھ رہے ہے؟ خدا کی قسم! معاویہ کے ساتھ یہ جتنے لوگ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ہم سے لڑنے آئے ہیں۔ یہ سب ایک تھیلی کے پڑے بڑے ہیں اور میر ادل تو یہ چاہتا ہے کہ ان سب کو ایک ساتھ ٹکڑے ٹکڑے کر داول۔

خدا کی قسم ان سب کا خون ایک چڑیا کے خون سے زیادہ حلال ہے۔ کیا تم چڑیا کا خون بہانا حرام سمجھتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں بلکہ حلال ہے تو جناب عمار نے کہا: بس سمجھ لو کہ ان کا خون بھی اسی طرح حلال ہے۔ کیا میری بات تمہارے لئے واضح ہو گئی؟ اس نے کہا: جی ہاں آپ نے درست وضاحت فرمائی جناب عمار نے کہا: لہذا اب جسے چاہو منصب کر سکتے ہو پھر جب وہ شخص واپس چلنے لگا تو جناب عمار نے اسے واپس بلا�ا اور اس سے یہ کہا کہ ان لوگوں نے ہم پر اپنی تلوار کا وار کیا تو تم میں سے بعض افراد شک و شبہ کا شکار ہو گئے اور یہ کہنے لگے کہ اگر یہ لوگ حق پر نہ ہوتے تو ہمارے خلاف جنگ کے

لئے نہ لکھتے، خدا کی قسم ان کے پاس بھی کے ایک آنسو کے برابر بھی حق موجود نہیں ہے۔ اللہ کی قسم اگر وہ ہم پر اپنی تلواروں سے حملہ کریں یہاں تک کہ وہ ہمیں سعفاتِ ہجر (ایک مقام کا نام) تک پہنچا دیں تو بھی مجھے یہی معلوم ہو گا کہ میں حق پر ہوں اور وہ باطل پر ہیں اور خدا کی قسم اس وقت تک امن و امان قائم نہیں ہو سکتا ہے جب تک فریقین میں سے کوئی ایک فریق اپنے حق ہونے کا منیر نہ ہو اور وہ یہ گواہی نہ دے کہ اس کا مخالف فریق برحق ہے اور ان کے مقتولین اور مردے جلتی ہیں اور دنیا کے دن اس وقت تک پورے نہیں ہو سکتے جب تک وہ یہ اقرار نہ کر لیں کہ ان کے مردے اور مقتولین جہنمی اور زندہ رہنے والے اہل باطل ہیں۔ (۱)

کھوکھلا اور بے ہنگام انسان (شخصیت)

کھوکھلے اور بے ہنگام لوگوں کے نفس میں اندر ورنی کھکھش اور بیقراری کا آغاز سب سے پہلے عقل اور خواہشوں کی خانہ جنگی سے ہوتا ہے کیونکہ خواہشوں انسان کے نفس کو اسکی عقل کی ماحتوی اور کنٹرول سے باہر لکانے کی درپر رہتی ہیں جس سے آدمی کا نفس دو متصادِ دھڑکوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

اس داخلی جنگ کے نتیجہ میں انسان کی مشکلات اور رحمتیں بہت زیادہ ہو جاتی ہیں کیونکہ انسان کے اوپر اسکے ضمیر، فطرت اور عقل کی حکومت بہت سخت ہوتی ہے اور یہ اسباب اسکے اندر ہوں کے نفع (داخلے) کا حتی سے مقابلہ کرتے ہیں اور اسکی مسلسل یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ انسان کی شخصیت کو تقویت دیکرے اسکی پہلی حالت اور فطرت کی طرف لوٹا دیں اس مرحلہ میں انسانی نفس کے اندر ایک خلفشار اور خانہ جنگی کی صورت حال رہتی ہے جسکی بنا پر اسے سختِ زحمتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب انسان کی عقل اس کی رفتار و کروار کو کنٹرول کرنے اور اسے استقامت عطا کرنے سے عاجز ہو جاتی ہے اور انسان کے لئے اسکے نفس کا اندر ورنی خلفشار اور خانہ جنگی بھی ناقابل برداشت

..... خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں ۱۷۳

ہو جاتے ہیں تو پھر وہ اپنی فطرت سے فرار کی کوشش کرنے لگتا ہے جوان مشکلات کا منفی اور غلط راہ حل ہے بلکہ اسکا صحیح راہ حل تو یہ ہے کہ اپنی عقل و فطرت کو پھر سے زندہ کر کے اسے استحکام بخشنے اور اسکے احکامات کے مطابق عمل کرے۔

لیکن اسکے بجائے صورتحال یہ ہو جاتی ہے کہ انسان خواہشات کی سلطنت کے سامنے پر ڈال دیتا ہے اور ان مشکلات سے نجات پانے کے لئے اپنی فطرت سے فرار کی کوشش کرتا ہے؟ اور نشہ، جوا، جرام یا جنیات کے دامن میں پناہ تلاش کرتا ہے۔

مزید تجھب کی بات تو یہ ہے کہ انسان اپنی ہوس سے اپنی ہوس ہی کی طرف فرار کرتا ہے اور ایک جرم سے دوسرے جرم کی طرف بھاگتا ہے ورنہ اگر وہ اپنی ہوس کے برخلاف قدم اٹھائے اور خواہش نفس اور ہوس سے خدا کی طرف آگے بڑھے تو بآسانی ان سے نجات پا کر سکون حاصل کر سکتا ہے جسکی طرف قرآن مجید نے ان الفاظ میں متوجہ کیا ہے:

﴿فَفَرِّوْا إِلَىٰ اللَّهِ أُنْيَى لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ﴾ (۱)

”لہذا بخدا کی طرف دوڑ پڑو کہ میں کھلا ہوا ذرا نے والا ہوں“

لہذا جب تک انسان خداوند عالم کی پناہ حاصل نہ کر لے وہ اپنی ہوس کے سامنے لاچا را اور مجبور ہی رہتا ہے اسی لئے وہ مشکلات اور زحمتوں نیز اپنی زندگی کے درمر سے نجات پانے کے لئے نشہ اور جنیات کا رخ کرتا ہے جسکے بارے میں قرآن کریم کی یہ تعبیر کتنی صحیح ہے کہ:

﴿نَسُوا اللَّهُ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ﴾ (۲)

”انہوں نے خدا کو بھلاڑا لاؤ خدا نے خود ان کو بھی نظر انداز کر دیا“

کیونکہ جو لوگ اپنی فطرت اور ضمیر سے فرار کر کے شراب یا جوئے وغیرہ کی طرف بھاگتے

(۱) سورہ ذاریات آیت ۵۰۔

(۲) سورہ حشر آیت ۱۹۔

بیس در اصل وہ اپنے کو بھلا دینا چاہتے ہیں اور انسان کا یہ فرار ذکر (یاد) سے نیان (بھول) کی طرف چک جو خود فرار سے بدتر ہے۔

بالآخر انسان کے نفس اور اسکی شخصیت کے اندر ہوئی وہوس کا مقابلہ کرنے والی آخری طاقت کا نام ضمیر ہے جو حتی الامکان اپنی کوشش بھر انسان کو اسکی ہوس اور شیطان کے خونخوار بھجوں سے بچانے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ جب ضمیر بھی خواہشات کے سامنے تھیارہال دیتا ہے تو بھر انسانی وجود کے اندر اسکے خواہشات کا مقابلہ کرنے والا آخری قلعہ بھی منہدم ہو جاتا ہے اور یہی اس جنگ کا پہلا مرحلہ ہے جسکے بعد انسان داعی و درسر اور تنقیح کا شکار ہو جاتا ہے۔

جب خواہشات ہر اعتبار سے قبیل ہو جاتے ہیں اور انسان کے اوپر ان کی سلطنت کا نفوذ ہو جاتا ہے اور وہ پورے طور پر ان کے دائرة اختیار کے اندر آ جاتا ہے۔۔۔ تب بھی اسے اپنے خیالات کے برخلاف اس اندر ونی خلافت اور خانہ جنگی سے نجات نہیں مل پاتی بلکہ نفس کے اندر ہی خود ان خواہشات کے درمیان ایک اور خانہ جنگی اور خلافت اور شروع ہو جاتا ہے بلکہ اس بار اس کا انداز اور زیادہ خطرناک اور سخت ہوتا ہے کیونکہ انسان اس مرحلہ میں مختلف قسم کے خواہشات نفس (اور ہوس) کے درمیان تذبذب کا شکار رہتا ہے لہذا اس کا خلافت اور پہلے مرحلہ کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہو جاتا ہے اور اگر اسکی در درسری اور ذہنی پریشانی گذشتہ مرحلہ سے زیادہ نہ ہو تو بہر حال اس سے کم ہرگز نہیں ہوتی ہے کیونکہ اس مرحلہ میں بھی گذشتہ مرحلہ کی طرح اسکے معاملات بالکل متفرق اور درہم برہم ہو جاتے ہیں البتہ ان دونوں کے درمیان یہ فرق ضرور ہوتا ہے کہ پہلے مرحلہ میں انسان کی مشکلات کے دوران اسکی عقل اور خواہشات کے درمیان مکمل اور ہوا تھا لیکن اس مرحلہ میں خود اسکی خواہشات اور ہوس کے درمیان مکمل اور رہتا ہے کیونکہ اسکی ہر خواہش (ہوس) دوسری خواہشات کے مقابلہ میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتی ہے اسی لئے ان کے درمیان یہ جنگ جاری رہتی ہے۔

اس سلسلہ میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ جب کبھی انسان جذبہ انتقام اور غصہ یا محبت دنیا اور عہدہ کی محبت کے درمیان تذبذب کا شکار ہوتا ہے تو حکومت، عہدہ اور پوسٹ کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ دشمنوں کے ساتھ زرم رویہ سے پیش آئے مگر جذبہ انتقام یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے مقابلہ میں آنے والے ہر دشمن کا قلع قمع کر دے۔۔۔ اور ہمیں بخوبی یہ معلوم ہے کہ یہ زمی اور مدارات، حلم کی قسم نہیں ہے (جو عقل کے لشکروں میں سے ہے) بلکہ یہ درحقیقت ایک ہوس کو دوسری ہوس پر ترجیح دینے کا نتیجہ ہے۔

۲۔ کبھی عہدہ یا حکومت کی لاچ اور سماجی مقام یا عظمت و وقار جیسے وجد بات اور خواہشات کے درمیان ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ انسان کی سماجی عزت و وقار اس سے کچھ خاص اقدار و آداب کی پابندی کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ دوسرے خواہشات ان سے کنارہ کشی کے خواہاں ہوتے ہیں جیسے جنسی خواہش، الہذا ان سیاسی یا سماجی عہدوں اور کرسیوں تک پہنچنے کے لئے اپنے جنیات پر کنٹرول کرنا، یہ کسی عفت کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک خواہش (ہوس) کو دوسری ہوس پر ترجیح دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جنسی ہوس دوسرے خواہشات (عہدہ کی لاچ) پر غالب آجائی ہے جسکے نتیجہ میں ارباب حکومت کے یہاں بھی جنسی اسکینڈل رونما ہو جاتے ہیں اور انہیں بد نام کر کے رکھ دیتے ہیں۔

۳۔ کبھی انسان کی عہدے کی محبت اور اپنی جان کے خوف کا نوالہ بن کر رہ جاتا ہے کیونکہ عہدہ کی تمنا اس سے دوسروں پر حملہ کرنے انہیں قتل و غارت کرنے اور خطرات میں کو دپڑنے کا مطالبہ کرتی ہے لیکن جان کا خطرہ اس کو حفاظتی انتظامات اور احتیاطی تدبیر اور پھوک پھوک کر قدم اٹھانے پر اکساتا ہے۔

و مختلف قسم کی خواہشات کی بناء پر انسانی نفس کے اندر ورنی خلفشار اور خانہ جگلی کی یہ تین مثالیں آپکے سامنے حاضر ہیں ان کے علاوہ بھی مختلف خواہشات کے درمیان نہ جانے ایسے کتنے حادثات ہر روز رونما ہوتے رہتے ہیں جو انسانی زندگی کے لئے ایک عام بات ہیں اور اس میں متعدد خواہشات اور جذبات ایک دوسرے سے ٹکرا کر اسے اپنی سمت کھینچنا چاہتے ہیں اور انسان خوف اور لاچ، حب جاہ، بجل و حسد، جنیات اور غصہ و انتقام نیز حب مال جیسے خواہشات کے کھنچاؤ کی بنا پر، تتر

اُسکے امور کو درہ هم برہم کر دوں گا۔

۱۷۷

بڑھ کر رہ جاتا ہے جسکے بعد وہ اپنے ذہنی بوجھ اور مشکلات کے دلدل میں اور زیادہ در درسری کا شکار ہو جاتا ہے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَعْذِبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزَهَّقُ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ (۱)

”بُشِّ اللَّهُكَ ارَادَهُ سُبْحَنِي ہے کہ انہیں کے ذریعہ ان پر زندگانی دنیا میں عذاب کرے اور حالت کفری میں ان کی جان نکل جائے“

یہی معاملات کا درہ هم برہم ہوتا ہے جس کی طرف حدیث قدسی میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ہوس کے عذاب

جب انسان اپنی ہوس کا شکار ہو جاتا ہے تو اسکے خواہشات کا گمراہ بھی اسکے لئے وہاں جان بن جاتا ہے جبکہ اس کے بخوبی میں پہنچنے کے بعد انسان جس دوسرے در درسر اور زحمت میں بنتا ہوتا ہے وہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ عذاب خود اس ہوس سے مربوط ہوتا ہے لہذا انسان کی ہوس اور خواہش جیسی ہو گی اس کا ویسا ہی عذاب اور در در سامنے آئے گا جیسے حرص، لالج اور حسد جیسے خواہشات اگر ہمارے نفس کے اندر جگہ بنالیں تو ان کی خواہش ہمیں ایک الگ مصیبت میں بنتا کر دے گی اور یہ طے شدہ بات ہے کہ جو شخص اپنے معاملات کو ان خواہشات کے حوالے کر دیگا وہ ان مصائب سے نجات نہیں پاسکتا ہے۔ خواہشات کے چنگل میں رہ کر انسان جس عذاب اور وہاں جان میں بنتا ہوتا ہے اسکی طرف اس روایت میں اشارہ موجود ہے جسے شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الارشاد (۱) میں ”امیر المؤمنین“ سے نقل کیا ہے:

(۱) سورہ توبہ آیت ۵۵۔

(۲) ارشاد مفید ص ۱۵۹۔

﴿ما أَعْجَبْ أَمْرُ الْإِنْسَانِ، إِنْ سَخَّ لَهُ الرِّجَاءُ أَذْلَّهُ الْطَّمَعُ، وَإِنْ هَاجَ بِهِ الْطَّمَعُ أَهْلَكَهُ
الْحَرَصُ، وَإِنْ مَلَكَهُ الْيَأسُ قَتْلَهُ الْأَسْفُ، وَإِنْ سَعَدَ نَسِيَ التَّحْفِظُ، وَإِنْ نَالَهُ خَوْفٌ
حَيْرَةُ الْحَذْرُ، وَإِنْ اتَّسَعَ لَهُ الْآمِنَةُ أَسْلَمَتْهُ الْغَرْةُ﴾ (الغفلة) وَانْ أَصَابَتْهُ...﴾

”اس انسان کے معاملات کتنے تجھ آور ہیں کہ اگر اسے امید کی کرن نظر آنے لگے تو طبع اسکو ذیل کر دیتی ہے اور اگر اسکی لائج بھڑک اٹھئے تو حرص اسے ہلاک کر دیتی ہے اور اگر اس پرنا امیدی کا غالبہ ہو جائے تو افسوس اسے قتل کر دیتا ہے اور اگر وہ کامیاب اور خوشحال ہو جائے تو پھر (دین کی) پابندی کو بھول جاتا ہے، اگر اسے خوف لاقن ہو جائے تو دہشت تھیرو مرگرو ان کر دیتی ہے اور اگر ہر طرف امن و سکون رہے تو غفلت (دھوکہ) میں گرفتار ہو جاتا ہے اگر کسی مصیبت میں بتلا ہو جائے تو بے صبری اور آہ و فریاد ذیل کر دیتی ہے اگر کہیں سے مال جائے تو دولت اسے بااغی بنا دیتی ہے اگر وہ فاقہ کے چنگل میں پھنس جائے تو بلا میں اسکے شامل حال ہو جاتی ہیں اور اگر بھوک لاغر بنا دے تو کمزوری بڑھا کر دیتی ہے اور اگر کھانے پینے میں افراط کر بیٹھے تو پرخوری سے اس کا سانس رک جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ اسکے لئے ہر تھیم مضر ہے اور ہر زیادہ روی (افراط) مفسد ہے اور اس (افراط) کے بعد ہر خیر شر بن جاتا ہے اور ہر شر اسکے لئے ایک آفت ہے“

مختصر یہ کہ دنیا کے بارے میں پرمیں ہونا ہر انسان کو طبع کی ذات کے حوالہ کر دیتا ہے اور طبع (لائج) ہلاکتوں کے سپرد کر دیتی ہے کسی چیز سے مایوسی کے بعد وہ کف افسوس ہی ملتا رہتا ہے اور کوئی خوف پیدا ہو جائے تو وہ دہشت کے منہ میں جھونک دیتا ہے اس طرح ہر خواہش اور ہوں ایک نئی خواہش اور ہوں کے حوالے کر دیتی ہے اور آخرا کروہ ہلاکت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے۔

دنیا اپنے خواہشمند کے لئے ایک وبال جان

انسان کے دنیاوی عذاب کا پہلا رخ اور پہلا مرحلہ تو اسکے خواہشات (ہوں) ہیں مگر درمری منزل میں خود یہ دنیا اسکے لئے عذاب بن جاتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ دنیا خواہشات (ہوں) کا کھلا

میدان، ان کی آخری منزل، انکے حصول کا سرچشمہ، ان کی آماجگاہ اور انکو ابھارنے اور ان کی پروردش کی جگہ ہے لہذا جب خداوند عالم کسی انسان کو خواہشات نفس کی پیرودی کرنے کی وجہ سے عذاب میں بٹتا کرتا ہے تو اس پر یہ عذاب لامحال، طلب دنیا کے ذریعہ ہی ہوتا ہے کیونکہ انسانی ہوس اور دنیا طلبی کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہیں ہے بلکہ یہ ایک مسلم حقیقت ہے اور اسلامی افکار کے اہم مسائل کا حصہ ہے جس کی ہم بیہاء وضاحت کر رہے ہیں۔

اگر کوئی انسان اپنے ضروریات زندگی اور ضروریات دین اور تکامل کے لئے دنیا حاصل کرے تو اس حصول دنیا اور حتیٰ دنیا میں کوئی چیز شر اور عذاب نہیں ہے جس کی تصدیق اسلام میں موجود ہے کیونکہ اسلام کا یہ کہنا ہے کہ اس دنیا میں کوئی چیز شر نہیں ہے بلکہ سب خیر ہی خیر ہے اسی لئے اس نے دنیا حاصل کرنے اور رزق تلاش کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کرنے کو شریعت کا جزء قرار دیا ہے کیونکہ اسلام کی نگاہ میں دنیا اولیاء خدا کا میدان تجارت (منڈی) اور اسکے محیین کی مسجد ہے:

﴿مَتَّجِرُ أُولَيَاءِ اللَّهِ وَمَسْجِدُ أَحْبَاءِ اللَّهِ﴾ (۱)

”(دنیا) اللہ کے اولیاء کا میدان تجارت اور اسکے محیین کی مسجد ہے“

لہذا یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ دنیا شر اور عذاب ہو

اس دنیا میں محنت و مشقت کرنا اور رزق تلاش کرنا شریعت اسلامیہ کا جزو ہے جس کی تائید کے لئے قرآن مجید کی اس آیت میں مہر تصدیق ثابت ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ (۲)

”جب نماز تمام ہو جائے تو روئے زمین پر پھیل جاؤ اور فضل الہی تلاش کرو“

لہذا جب یہ سب خیر ہے تو شر اور عذاب کا وجود کہاں رہے گا؟

(۱) نیج البلاغہ حکمت ۱۳۱۔

(۲) سورہ جمعہ آیت ۱۰۔

خواہشیں! احادیث اپلیت کی روشنی میں

لبذا جب تک یہ دنیا خداوند عالم تک پھوٹھے کا ذریعہ اور اسکی مرضی حاصل کرنے کا وسیلہ ہو اور اس سے بڑھ کر خود خدا تک جانے کا ارادہ ہو تو یہ پوری دنیا اور اس میں ہونے والی ہر کوشش خیری خبر ہے۔۔۔

لیکن اگر انسان کی محنت و مشقت اور اسکی حرکت کا رخ خداوند عالم اور اسکی مرضی حاصل کرنے کے بجائے دنیا کی طرف مڑ جائے تو یہ اسلام کی نظر میں ناقابل برداشت بات ہے۔ اور اسے اس نے شر قرار دیا ہے اور اسی کو خداوند عالم انسان کے لئے عذاب دنیا بنا دیتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ دنیا انسان کی نظر میں خدا تک پھوٹھے کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہونے کے بجائے خود ایک مستقل مقصد میں تبدیل ہو جائے تو پھر انسان اپنی گمراہی کی وجہ سے خدا کی طرف جانے کے بجائے دنیا کی طرف چل دیتا ہے اور اسکی نظر میں ذات خدا کے بجائے دنیا کی رنگینیوں پر گکی رہتی ہیں اور جب وہ دنیا میں گھر ارہ جائے تو اس کا ہر عمل باطل اور محنت بیکار نیز اسکی ترقی اور تکالیل معطل ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ تنزلی، لغزش اور خسارہ کا شکار ہو جاتا ہے۔

بلکہ کبھی کبھی انسان خداوند عالم سے مخفف ہو کر اس حد تک آگے بڑھ جاتا ہے کہ وہ خداوند عالم سے جنگ کی شاخان لیتا ہے اور حکم کھلا خدا اور رسول کی دشمنی کا اعلان کرتا ہے۔ بہر حال چاہے جو کچھ بھی ہو اگر یہ دنیا انسان کے لئے خدا تک پھوٹھے کا وسیلہ ہونے کے بجائے منزل مقصود میں تبدیل ہو جائے اور انسان کی کل دوڑ دھوپ دنیا طلبی تک محدود رہے تو پھر یہی دنیا انسان کیلئے دردسر اور عذاب جان بن جاتی ہے۔

جو دنیا، انسان کی خواہشند ہوتی ہے اور جس دنیا کا خواہشند انسان ہوتا ہے ان دونوں کے درمیان بہی فرق ہے کہ انسان کی خواہشند دنیا اسے خدا تک پھوٹھے کا راستہ ہونے کے بجائے اس کے پیچھے بھاگتا ہے تو یہی دنیا خدا تک پھوٹھے کا راستہ ہونے کے بجائے اس کے لئے سنگ راہ بن کر

اسکے امور کو درہم کر دوں گا۔

۱۸۱

عذاب اور وبال جان بن جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ سے روایت ہے:

﴿لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ الْدُّنْيَا أَمْرَهَا بِطَاعَةِ رَبِّهَا، فَقَالَ لَهَا خَالِفَى مِنْ طَلْبِكِ وَوَافِقِي﴾ (۱)

من خالفت، فھی علیٰ ماعهد البیها اللہ وطبعه اعلیٰ (۱)

”جب خداوند عالم نے دنیا کو خلق فرمایا تو اس سے ارشاد فرمایا کہ جوچھے طلب کرے (تیرا خواہ شند ہو) اسکی مخالفت کرنا اور جو تیر اخلاف ہو اسکی موافقت کرنا لہذا یہ دنیا خداوند عالم سے کئے ہوئے عہد کے مطابق اپنی طبیعت پر باقی ہے“

روایت میں بطور کنایہ اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص قبر دنیا میں پڑ جائے اور اسی کو اپنا سب کچھ سرمایہ اور مقصد قرار دیدے تو خداوند عالم اسی دنیا کو اسکے لئے عذاب بنا دیتا ہے اور جو شخص دنیا سے دل نہ لگائے اور اسکی مخالفت کرتا رہے تو پورا دگار اسکے لئے دنیا کو چھین اور سکون میں بدل دیتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ:

﴿أَوْحَى اللَّهُ إِلَى الدُّنْيَا: أَخْدُمْنِي مِنْ خَدْمَنِي، وَأَتَعْبِي مِنْ خَدْمَتِي﴾ (۲)

”اللہ تعالیٰ نے دنیا کی طرف یہ وحی فرمائی جو میری خدمت کرے اسکی خدمت گزار بنتا اور

جو تیری خدمت کرے اسکے لئے عذاب بن جانا“

اس روایت میں بھی گذشتہ روایت کی طرح یہ کنایہ موجود ہے کہ اگر انسان کا مقصد خداوند عالم کو خوش کرنا ہو، تو یہ دنیا اسکی خدمت کے لئے خلق کی گئی ہے لیکن جب اسکا مقصد خدا کے بجائے دنیا ہو جائے تو پھر اسکے لئے دنیا کی خدمت کرنا ضروری ہے اور دنیا کی خدمت کرنا کسی عذاب

(۱) بحار الانوار ج ۰۷ ص ۳۱۵۔

(۲) بحار الانوار ج ۰۸ ص ۲۰۳۔

اور در در سر سے کم نہیں ہے۔

رسول اکرم ﷺ سے ہی یہ بھی روایت ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ جَلَ جَلَالَهُ أَوْحَى (إِلَيْ) الدُّنْيَا أَنْ اتَّعِبِي مِنْ خَدْمَكَ وَأَخْدُمْكَ مِنْ

رفضت﴾ (۱)

”خداوند عالم نے دنیا کی طرف یہ وحی فرمائی کہ جو تیری خدمت کرے اسے عذاب میں بچتا کر دینا اور جو بچے چھوڑ دے اسکی خدمت کرنا“

اس روایت کا بھی انداز اور الجھ بعینہ وہی ہے بلکہ اگر کوئی روایات کے انداز بیان سے واقف

ہوتا سے بخوبی محسوس ہو گا کہ اس روایت میں گذشتہ روایات کے بالمقابل پچھزیادہ صراحت موجود ہے۔

حضرت علیؑ سے مردی ہے:

﴿مَنْ خَدَمَ الدُّنْيَا اسْتَخْدَمْتُهُ وَمَنْ خَدَمَ اللَّهَ خَدَمَهُ﴾ (۲)

”جو شخص دنیا کی خدمت کریگا وہ اسے اپنا نو کر دیائے رکھے گی اور جو شخص خداوند عالم کی

خدمت (اطاعت) کریگا تو خداوند عالم دنیا کو اس کا خدمت گزار بنا دیگا“

اللہ تعالیٰ نے جناب موئیؑ کی طرف یہ وحی فرمائی:

﴿مَا مِنْ خَلْقٍ أَحَدٌ عَظَمْهَا (۳) فَقَرَّتْ عَيْنَهُ، وَلَمْ يَحْقِرْهَا أَحَدٌ إِلَّا انْتَفَعَ

بها﴾ (۳)

”یعنی میری مخلوقات کے درمیان کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے کہ جس نے دنیا کو بڑا سمجھا

(۱) بخار الانوار ج ۳ ص ۱۲۱۔

(۲) غر راحم ج ۲ ص ۲۲۷۔

(۳) یعنی دنیا۔

(۴) بخار الانوار ج ۳ ص ۱۲۱۔

ہوا اور اسکی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوئی ہوا اور کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس نے اسکو ذلیل سمجھا ہو اور اس نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا ہو۔

کتب احادیث میں اس قسم کی روایات بہت زیادہ ہیں مگر یہ دوسری بات ہے کہ ان روایات میں کائنات کے بارے میں اُنہی سنتوں کی وضاحت جس انداز میں پیش کی گئی ہے اگر کوئی اس سے والف نہ ہو تو یہ روایات اسکے لئے کچھ مہم ہیں لیکن جو لوگ زبان و بیان حدیث سے واقفیت رکھتے ہیں اُنہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ان روایات میں جس عذاب کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے مراد وہ عذاب ہے جو خدا سے روگردانی کرنے اور دنیا سے دل لگائیں کی صورت میں اسکے سامنے آتا ہے یعنی یہ دنیا ہی اسکے لئے عذاب بن جاتی ہے لیکن اگر اسکا دل خداوند عالم کی طرف متوجہ رہے اور وہ دنیا کو خداوند عالم تک رسائی حاصل کرنے کے ذریعہ کے علاوہ کچھ اور خیال نہ کرے اور اسی نیت سے دنیا کا ہر کام کرتا رہے اور اپنا رزق کمائے تو دنیا سے نقصان نہیں پہنچا سکتی بلکہ وہ اسکے لئے فائدہ مند اور خدمت گذار ہی شابت ہوگی۔

خواہشات کی پیروی کے بعد انسان کی دوسری مصیبت

گذشتہ صفات میں ہم نے دنیا داری اور خواہشات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے پہلے عذاب کا تذکرہ کیا ہے جس میں انسان کے معاملاتِ زندگی بکھر کر رہ جاتے ہیں اور اسکی خواہشات کے آپسی بکراو کی بناء پر اسکا نفس عجیب و غریب اندر وہی خلفشار کا شکار ہو جاتا ہے۔

مگر اس تذبذب اور خلفشار کے بعد بھی یہ خواہشات انسان کو چیزوں سے نہیں رہنے دیتی بلکہ جب انسان خدا سے اپنا منہ پھیر کر انہیں خواہشات کے مطابق چلا ہے تو وہ حرص اور لاثت کے عذاب میں بھی پھنس جاتا ہے کیونکہ اگر انسان کی توجہ خدا کے بجائے دنیا کی طرف ہو تو وہ کسی چیز سے سیر نہیں ہو پاتا اور اسے چاہے جس مقدار میں دنیا مل جائے یا اسکے برعکس وہ اس سے منہ پھیرے رہے تب بھی اسکی طمع کا وہی حال رہے گا کیونکہ یہ ایک نفیا تی بات ہے اور مال و دولت وغیرہ کی کیا زیادتی سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو جتنی زیادہ فراوانی کے ساتھ

خواہشیں! احادیث الہدیت کی روشنی میں

دولت ملتی ہے اسکے اندر دنیا کی محبت اور لائق اتنی ہی زیادہ بڑھ جاتی ہے اور انسان دنیا کے پیچھے دیوانہ بنارہتا ہے اور اس کا پیغام کبھی بھی نہیں بھر پاتا اور اسکے سینہ میں محبت دنیا کی آگ پہلے کی طرح ہی جلتی رہتی ہے اور وہ کبھی سر نہیں پڑتی ہے۔

دنیا انسان کا ایک سایہ

جب انسان اس دنیا کو اپنا کو اپنا مقصد حیات بنالے تو پھر اس دنیا کے بارے میں وہی مثال مناسب ہے جو بعض روایات میں امیر المؤمنین سے مردی ہے کہ آپ نے فرمایا:

(﴿مُثَلُ الدُّنْيَا كَظُلَّكَ، أَنْ وَقْتٌ وَقَفْتَ وَقَفْتَ، وَأَنْ طَلَبْتَهُ بَعْدَهُ﴾) (۱)

”دنیا کی مثال تمہارے سایہ کی طرح ہے کہ اگر تم رک جاؤ تو وہ بھی رک جائے گا اور اگر تم اسے پکڑنا چاہو تو وہ تم سے دور بھاگے گا“

آپ کا یہ جملہ دنیا سے انسان کے رابطہ اور انسان سے دنیا کے رابطہ کے بارے میں بہت ہی بلیغ ہے کیونکہ دنیا کی لائق اور اس پر ٹوٹ پڑنے سے اسے اپنے نصیب سے زیادہ کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے کیونکہ دنیا بالکل سایہ کی طرح ہے کہ اگر ہم اسکی طرف آگے گے بڑھیں گے تو وہ ہم سے اتنا ہی آگے بڑھ جائے گا۔ کویا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنا چیخھا کرنے والے سے فرار کر جاتا ہے، لہذا اسکے پیچھے دوڑنے سے تھکن اور در در سر کے علاوہ اور کچھ ہاتھ آنے والا نہیں ہے بلکہ انسان اپنے لئے مزید مصیبت مولے لیتا ہے۔۔۔ اور بالکل یہی حال دنیا کا بھی ہے۔

لہذا دنیا کو حاصل کرنے کا سب سے بہتر راستہ یہی ہے کہ طلب دنیا کی آرزو کو مختصر کر دیا جائے اور دنیا کے اوپر جان کی بازی نہ لگائی جائے کیونکہ اس کے اوپر مرنے سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے بلکہ انسان اپنے لئے مزید مصیبت مولے لیتا ہے۔

اے کے امور کو درہم برہم کر دوں گا۔

۱۸۵

روايات کی روشنی میں عذاب دنیا کے چند نمونے

رسول اکرم ﷺ: ﴿مَا سَكَنَ حُبُّ الدُّنْيَا قَلْبًا إِلَّا التَّاطِبُ بِثَلَاثَةِ شُغُلٍ لَا يَفْدَعُ عَنَّاهُ، وَفَقْرًا لِيَدِ رَكْغَنَاهُ، وَأَمْلَ لَيْنَالَ مَنَاهُ﴾ (۱)

”دنیا کی محبت کسی دل میں نہیں آتی مگر یہ کہ وہ تم چیزوں میں بنتا ہو جاتا ہے ایسی مصروفیت جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی، ایسی فقیری جو مالداری میں تبدیل نہیں ہو سکتی اور ایسی آرزو جو کبھی پوری نہیں ہو سکتی ہے“

رسول اکرم ﷺ سے مردی ہے:

﴿مَنْ أَصْبَحَ وَالدُّنْيَا أَكْبَرُهُمْ، فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ، وَأَلْزَمَهُ قَلْبَهُ أَرْبَعَ خَصَالٍ: هَمَّا لَا يَنْقُطِعُ أَبَدًا، وَشَغْلًا لَا يَنْفَرِجُ عَنْهُ أَبَدًا، وَفَقْرًا لَا يَلْبِغُ غَنَاهُ أَبَدًا، وَأَمْلًا لَا يَلْغِي مَنْتَهَاهُ أَبَدًا﴾ (۲)

”صح ہوتے ہی جسے سب سے زیادہ دنیا کی فکر ہوا سے خدا سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے بلکہ وہ اسکے دل میں چار خصلتوں کو راح کر دے گا۔ کبھی ختم نہ ہونے والا نم، ایسی مصروفیت جس سے کبھی چھکارانہ ملے، ایسی فقیری جو استغنا تک نہ ہو سکے، ایسی آرزو جو کبھی اپنی آخری منزل نہ پا سکے“
حضرت علیؑ :

﴿مَنْ لَهُجَ قَلْبَهُ بِحُبِّ الدُّنْيَا التَّاطِبُ قَلْبَهُ مِنْهَا بِثَلَاثَةِ شُغُلٍ لَا يَغْنِيهُ، وَمَرْضٍ لَا يَنْتَرِكُهُ، وَأَمْلَ لَيْنَالَ مَنَاهُ﴾ (۳)

(۱) بخار الانوار ج ۷ ص ۱۸۸۔

(۲) میزان الحکمت ج ۳ ص ۳۱۹۔

(۳) شرح فتح البلاغہ ابی الحدید ج ۱۹ ص ۵۲، بخار الانوار ج ۳ ص ۱۳۰۔

”جس شخص کا دل دنیا کی محبت کا دلدار ہو جائے اسکا دل تمیں چیزوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔
ایسا غم جس سے افاقت ممکن نہیں ایسی بیماری جو اسے کبھی نہ چھوڑے گی ایسی آرزو جسے وہ کبھی نہیں پاسکتا“

حضرت علیؑ :

﴿من کانت الدنیا اکبر همه، طال شقاوہ و غمہ﴾ (۱)

”جسکے لئے دنیا سب کچھ ہو گی اسکی بدختی اور غم طولانی ہو جائے گی“

حضرت علیؑ :

﴿من کانت الدنیا همتہ اشتدت حسرتہ عند فراقہا﴾ (۲)

”جس کا سب سے بڑا مقصد دنیا ہوتواں سے دوری کے وقت اس کی حسرت شدید ہو جاتی ہے“

حضرت علیؑ :

﴿المتمتعون من الدنیا تبکی قلوبهم و ان فرحا، ویشتند مقتهم لانفسهم

وان اغبظوا بعض مارزقا﴾ (۳)

”دنیا سے اطف اندوں ہونے والے اگر چہ بظاہر خوش نظر آتے ہیں مگر ان کے دل رو تے

ہیں اور وہ خود اپنے نفس سے بیزار رہتے ہیں چاہے لوگ ان کے رزق سے غبٹ ہی کیوں نہ کریں“

امام جعفر صادقؑ :

﴿من تعلق قلبه بالدنیا تعلق قلبه بثلاث خصال: هم لا یعنی، و امل لا یدرك،

ور جاء لا ينال﴾ (۴)

(۱) بخار الانوار ج ۲ ص ۸۱۔

(۲) بخار الانوار ج ۱ ص ۱۸۱۔

(۳) بخار الانوار ج ۲ ص ۲۱۔

(۴) بخار الانوار جلد ۳ ص ۲۲۔

اسکے امور کو درہم پر رہم کر دوں گا۔۔۔۔۔

۱۸۷

”جس کا دل دنیا سے وابستہ ہو جائے اسکے دل کے اندر تین خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں: لازوال غم، پوری نہ ہونے والی آرزو، ہاتھ دنہ آنے والی امید“

یہ رنگ برلنگے عذاب، دنیا کے ان عذابوں کا کچھ حصہ ہیں جو خداوند عالم نے خواہشات کی پیروی کرنے والوں کے لئے آخرت سے پہلے اسی دنیا میں محیں فرمادئے ہیں مثلاً اہل ثروت کو اپنے اقਰباع یا دوروں والوں سے اپنے مال کے بارے میں جو خوف اور پریشانی لاحق رہتی ہے یہ ان کے لئے دنیاوی عذاب کا صرف ایک حصہ ہے۔

آخرت میں انسان کی سرگردانی و پریشان حالتیں

حدیث قدسی میں انسان کی جس پریشان حالتیں (افتراء اور درہم پر رہم ہو جانے) کا تذکرہ ہے اسکا تعلق صرف دنیا سے ہی نہیں ہے بلکہ دنیا کی طرح اسے آخرت میں بھی اسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آخرت میں یہ افتراء اور بیقراری سب سے پہلے اپنے خواہشات نفس اور ہوئی وہوں کے پیچھے چلنے والوں کے درمیان ہی دکھائی دینگے کیونکہ وہ دنیا میں جسمانی اعتبار سے بظاہر متعدد ضرورتیں مگر ان سب کی تھنائیں اور ہوں ایک دوسرے سے الگ تھیں نیز انہوں نے اپنے جو اختلافات دنیا میں چھپا رکھتے تھے وہ سب آخرت میں کھل کر سامنے آ جائیں گے خداوند عالم نے قرآن مجید میں اہل جہنم کے حالات کی یوں تصویر کی شی کی ہے:

﴿كَلَمَا دَخَلْتَ أَمَةً لَعْنَتُ أَخْتَهَا﴾ (۱)

”جہنم میں داخل ہونے والی ہر جماعت اپنی دوسری برا دری پر لعنت کرے گی“

اس اختلاف اور انتشار یا خانہ جنگلی کی دوسری صورت اس وقت سامنے آئے گی کہ جب انسان خدا سے اپنے جرام چھپانا چاہے گا اور اسی وقت اس کے اعضاء اسکے جرام کے بارے میں

خواہشیں! احادیث الہبیت کی روشنی میں

گواہی دینے لگیں گے تو وہ ان پر غصہ ہو گا اور اسی وقت اسکے سبھی ہاتھ پیر اور کھال وغیرہ اسے ذلیل و رسوائی کے رکھ دینے گے تو وہ اپنے اعضاء سے یہ کہے گا:

﴿وَقَالُوا لِجَلُودَ هُمْ لَمْ شَهَدُوكُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ

شیء﴾ (۱)

”اور وہ (اہل جہنم) اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیے شہادت دیدی تو وہ جواب دینے کے ہمیں اسی خدا نے گویا بنا یا ہے جس نے ہر چیز کو گویاً عطا کی ہے“
 بلکہ روایات میں تو یہاں تک ہے کہ روز قیامت اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے گنہگاروں کے بعض اعضاء ان سے اظہار نفرت کر دیں گے اور ایک دوسرے پر لغت کرتے دکھائی دیں گے اور یہ بعینہ وہی صورت حال ہے جو دنیا میں خواہشات کی پیروی کی بناء پر انسان کے اندر دکھائی دیتی ہے۔
 رسول اکرم ﷺ سے مردی ہے:

﴿كُفْ أَذَاكَ عَنْ نَفْسٍكَ، وَلَا تَتَابَعْ هُوَاهَافِي مُعْصِيَةِ اللَّهِ، إِذْ تَحَا صَمَكَ يَوْمَ

القيامة، فِيلَغِي بِعِضُكَ بِعِضاً، إِلَّا أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُو يَسْتَرْ بِرَحْمَتِهِ﴾ (۲)

”اپنے نفس کو اذیت نہ دو اور محییت خدا میں اپنے نفس کے خواہشات کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ روز قیامت تم سے بھگڑا کریگا اور اسکا بعض حصہ دوسرے حصہ کو برا بھلا کہے گا۔ مگر یہ کہ خدا وند کریم تمہیں معاف فرمادے اور اپنی رحمت کے پردے ڈال دے“

۲۔ اسکی دنیا کو اسکے لئے مزین کر دوں گا

دنیا کا ظاہر اور باطن

(۱) سورہ فصلت آیت ۲۱۔

(۲) مجہ الزیها فیش کاشانی ج ۵ ص ۱۱۱۔

خواہشات کی بیروی کرنے والے کی دوسری سزا یہ ہے کہ اسکے لئے دنیا مزین کر دی جاتی ہے اور دنیا کے مزین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری لحاظ سے دنیا اس پر فریب انداز میں اس کے سامنے آتی ہے کہ وہ اسے دیکھ کر دھوکہ میں پڑا رہتا ہے جبکہ وہ دنیا کی واقعی شکل نہیں ہوتی ہے اور انسان اسی ظاہری صورت سے فریب کھا جاتا ہے کیونکہ اس کی جن ظاہری صورتوں کو دیکھ کر وہ فریب خود رہتا ہے وہ وقت ہیں اور ان میں بہت جلد تبدیلی آ جاتی ہے لیکن دنیا کی واقعی شکل و صورت جو اسکے بالکل برخلاف ہے وہ درحقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا انسان کے لئے مقام عبرت اور چشم بصیرت حاصل کرنے نیز زہد و تقویٰ اختیار کرنے کا سرچشمہ اور مرکز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جن افراد کو خداوند عالم نے چشم بصیرت فرمائی ہے ان کی نگاہیں دنیا کے واقعی اور اوپری خول کے اندر گھس کر اس کی حقیقت کو بخوبی دیکھ لیتی ہیں اسی لئے وہ اس میں زہد سے کام لیتے ہیں اور اس سے عبرت اور نصیحت حاصل کرتے رہتے ہیں لیکن جو لوگ خداوند عالم کی عطا کردہ بصیرت کو ضائع کر دیتے ہیں وہ زندگانی دنیا کو اسی ظاہری نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی نگاہیں اس کے باطن اور حقیقت تک نہیں پہنچ پاتی ہیں لہذا ان کے دل اس کے دھوکہ میں پڑے رہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ دنیا کے دور و پہ ہیں:

۱۔ ظاہری

۲۔ باطنی

اسی اعتبار سے اہل دنیا کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ کچھ وہ لوگ ہیں جن کی نگاہیں دنیا کے ظاہر سے آگئے نہیں بڑھتی ہیں۔

۲۔ کچھ ایسے افراد ہیں جن کی نظریں دنیا کے باطن کو بخوبی دیکھ لیتی ہیں۔

..... خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

اس تقسیم کی طرف قرآن مجید نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔

﴿يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ﴾ (۱)

”یہ لوگ صرف زندگانی دنیا کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت کی طرف سے بالکل غافل ہیں“ لیکن جن لوگوں کو خداوند عالم نے فہم و بصیرت عطا فرمائی ہے ان کے سامنے دنیا کا ظاہر و باطن ایک دوسرے سے مشتبہ نہیں ہوتا ہے۔ البتہ جب خداوند عالم کی سے غصباًک ہو جاتا ہے تو اس کی بصیرت سلب کر لیتا ہے اور پھر اسکے سامنے دنیا کا ظاہر و باطن مغلوط ہو کر رہ جاتا ہے اور وہ اسکے ظاہری خول اور اسکی واقعی حقیقت کے درمیان تمیز نہیں کر پاتا لہذا دنیا کی ظاہری رنگینیاں اسے دھوکہ دیتی ہیں اور وہ بھی اس دنیا کو فریب خورده نگاہ سے دیکھتا ہے جسکی طرف قرآن مجید نے یوں اشارہ کیا ہے:

﴿رَبُّنَّ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (۲)

”اصل میں کافروں کے لئے زندگانی دنیا آ راستہ کر دی گئی ہے“

لہذا کیونکہ وہ اسکے پر فریب ظاہر کو دیکھتا ہے اس لئے اسکی نگاہوں میں دنیا بھی رہتی ہے لیکن اگر اسکے باطن پر نگاہ رکھی جائے تو پھر بھی اسکی رنگینی نظرنا آئے گی۔

محضراً کہ زندگانی دنیا کے دور و پُر اور دوچھرے ہوتے ہیں:

ا۔ باطنی حقیقت (اصلی چہرہ)

ب۔ ظاہری چہرہ

ا۔ دنیا کا باطنی چہرہ (اصل حقیقت)

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ دنیا کی واقعی شکل و صورت صرف اہل بصیرت کو دکھائی دیتی

(۱) سورہ روم آیت ۷۔

(۲) سورہ بقرہ آیت ۲۱۲۔

اُسکی دنیا کو مزین کر دوں گا.....

۱۹۱

ہے اور اسکی اس شکل میں کسی قسم کا دھوکہ اور فریب نہیں ہے بلکہ وہ منزل عبرت و نصیحت ہے جیسا کہ قرآن کریم نے بھی دنیا کے اس پہلو کی نہایت دقیق تعریف و توصیف فرمائی ہے جسکے بعض مونے ملاحظہ فرمائیں:

۱- دنیا ایک پونچی ہے: ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ الْمَتَاعُ﴾ (۱)

”اور آخترت میں زندگانی دنیا کی حقیقت محض رُنجی کے علاوہ اور کیا ہے“

متاع، وقی لذت کو کہا جاتا ہے جبکہ اس کے مقابل آخترت کی لذتیں دائیں اور باقی رہنے والی ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ الْأَقْلَى﴾ (۲)

”پس آخترت میں اس متاع زندگانی دنیا کی حقیقت بہت قلیل ہے“

۲- دنیا عارضی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿تَرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ﴾ (۳)

”تم لوگ صرف مال دنیا چاہتے ہو جبکہ اللہ آخترت چاہتا ہے“

یا ارشاد ہے:

﴿تَبَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ﴾ (۴)

”اس طرح تم زندگانی دنیا کا چندروزہ سرما یہ چاہتے ہو اور خدا کے پاس بکثرت فوائد پائے جاتے ہیں“

(۱) سورہ رعد آیت ۲۶۔

(۲) سورہ توبہ آیت ۳۸۔

(۳) سورہ انسان آیت ۶۷۔

(۴) سورہ نساء آیت ۹۳۔

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

(﴿يَا أَخْدُونَ عَرَضَ هَذَا الْادْنِيٌّ وَ يَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا﴾) (۱)

”لیکن وہ دنیا کا ہر مال لیتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ عنقریب ہمیں بخش دیا جائے گا“
عارضی چیز اسکو کہتے ہیں جو بہت جلد تبدیل ہو کر ختم ہو جائے اور کیونکہ دنیا کی لذتیں
تبدیل ہو کر ختم ہو جاتی ہیں اور کسی کے لئے بھی باقی رہنے والی نہیں ہیں اسکے باوجود بھی یہ لوگوں کو بری
طرح فریب میں بٹلا کر دیتی ہیں۔
گویا دنیا کی دو صفتیں ہیں:

۱۔ وہ صفت جس سے انسان زاہد دنیا بن جاتا ہے۔

۲۔ وہ صفت جو انسان کو فریب میں بٹلا کر دیتی ہے۔ (جس سے انسان دھوکہ کھا جاتا ہے)

وہ صفت جس کی بنا پر انسان زاہد بن جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ دنیا عارضی، زوال پذیر اور بہت
جلد ختم ہو جانے والی ہے۔ (لہذا وہ اس سے دل نہیں لگاتا)

لیکن اسکا پر فریب رخ یہ ہے کہ یہ زم قمہ ہے پھلی سڑ پر جلد ہاتھ آ جاتی ہے۔

اور کیونکہ لوگ عام طور سے عجلت پسند ہوتے ہیں لہذا وہ جلد ہاتھ آ نے والی پھپٹی چیزوں کو
دیر سے ملنے والی دلگی نعمتوں پر ترجیح دیتے ہیں جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

(﴿لَوْ كَانَ عَرْضًا قَرِيبًا وَ سَفَرًا قَاصِدًا لَا تَبْعُوكَ﴾) (۲)

”پیغمبر، اگر کوئی قریبی فائدہ یا آسان سفر ہوتا تو یہ ضرور تمہارا اتباع کرتے“

اس طرح انسان کی طبیعت اور فطرت میں ہی جلد بازی پائی جاتی ہے۔

۳۔ دنیا دھوکہ اور فریب کا اڈہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) سورہ اعراف آیت ۱۶۹۔

(۲) سورہ توبہ آیت ۳۲۔

﴿فَلَا تغْرِّنَكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يُغْرِّنَكُمْ بِاللهِ الْغَرُور﴾ (۱)

”لہذا تمہیں زندگانی دنیا دھوکہ میں نہ ڈال دے اور خبردار کوئی دھوکہ دینے والا بھی تمہیں دھوکہ نہ دے سکے“

۲۔ اور دنیا متع غرور ہے: یہ دو الفاظ کی ترکیب ہے جن کو قرآن مجید نے دنیا کے لئے الگ الگ اور ایک ساتھ دونوں طرح استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا امْتَاعٌ لِّلْفَرُورِ﴾ (۲)

”اور زندگانی دنیا تو صرف دھوکہ کا سرمایہ ہے“

اس فریب کی اصل بنیاد دنیا کی وقتی اور ختم ہو جانے والی پوچھی ہے۔

دنیا اور آخوند کا مقابلی جائزہ

اگر ہم قرآن مجید پر ایک اور نظر ڈالیں تو اسکے بیان کردہ اوصاف کی روشنی میں دنیا و آخرت کا موازنہ کرنا بہت آسان ہے جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کی نگاہ میں یہ دنیا وقتی، بہت جلد قابل زوال اور ایسی پوچھی ہے جو کسی کے لئے دائمی (اوہ باقی رہنے والی) نہیں ہے لیکن آخرت سکون و اطمینان کی ایک دائمی جگہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

﴿يَا قَوْمَ أَنْهَاهُدُكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَعَانِي وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْفَرَارِ﴾ (۳)

”قوم والو، یا در کھو کہ یہ حیات دنیا صرف چند روزہ لذت ہے اور ہمیشہ رہنے کا گھر صرف

آخرت کا گھر ہے“

(۱) سورہ لقمان آیت ۳۳ سورہ قاطر آیت ۵۔

(۲) سورہ آل عمران آیت ۱۸۵ سورہ حمد آیت ۲۰۔

(۳) سورہ غافر آیت ۳۹۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

دنیا ایک کھیل تماشہ ہے لیکن آخرت داعی حیات کا گھر ہے اور وہی حقیقی زندگی ہے اور وہ زندگی کھیل تماشہ نہیں ہے۔
جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

﴿وَمَا هذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوَ لَعْبٌ وَانَ الدَّارُ الْآخِرَةُ لِهِ الْحَيَاةُ﴾

لو کانوا يعلمون ﴿۱﴾

”اور یہ دنیاوی زندگی تو کھیل تماشہ کے سوا کچھ نہیں اور اگر یہ لوگ سمجھیں یو جیس تو اس میں شک نہیں کہ ابدی زندگی (کی جگہ) تو بس آخرت کا گھر ہے“

کلام امیر المؤمنین ”میں دنیا کا تمذکرہ

مولائے کائنات“ نے اپنے اقوال میں دنیا کی حقیقت کو بالکل آشکار کر دیا ہے اور اس کے چہرہ سے دھوکہ اور فریب کی نقاب نوچ لی ہے جس کے بعد ہر شخص دنیا کی اصلی شکل و صورت کو باسانی پہچان سکتا ہے۔

لہذا دنیا کے بارے میں آپ کے چند اقوال ملاحظہ فرمائیں:

۱- ﴿وَاللَّهُ مَا دُنْيَا كُمْ عِنْدِي إِلَّا كَسَفْرٌ عَلَىٰ مِنْهُلِ حَلْوَ، أَذْصَاحٌ بِهِمْ سَاقِهِمْ فَارَ حَلْوًا، وَلَا لَذَّا ذَاهِفًا فِي عِينِي إِلَّا كَحْمِيمٌ أَشْرَبُهُ غَسَاقًا، وَعَلْقَمٌ أَتَجْرَعُ بِهِ رُعَا، وَسَمٌ أَفْعَاهٌ دَهَاقًا، وَقَلَادَةٌ مِنْ نَارٍ﴾ (۲)

”خدا کی قسم تمہاری دنیا میرے نزدیک ان مسافروں کی طرح ہے جو کسی چشمہ پر اترے ہوں، اور جیسے ہی قافلہ سالار آواز لگائے وہ چل پڑیں، اور اسکی لذتیں میری نگاہ میں اس گرم اور

(۱) سورہ عکبوت آیت ۶۳۔

(۲) بخار الانوار ج ۷ ص ۳۵۲۔

گدے پانی کی طرح ہیں جسے مجبوراً پینا پڑے اور وہ کزوئی چیز ہے جسے مرد فنی کی حالت میں زبردستی
گلے سے نیچے آتا رجائے اور وہ اثر دے کے زہر سے بھرا ہوا پالا اور آگ کا طوق ہے۔

اس دنیا کا جو رخ لوگوں کو دکھائی دیتا ہے وہ اسی بھرے ہوئے چشمے کی طرح ہے جس پر قافلہ کھرا ہو "سفر علی منہل حلوا" اور سیا کا ہی ظاہری رخ ہے جس کے اوپر وہ ایک دوسرے کو مرنے اور مارنے کو تیار رہتے ہیں۔ جبکہ مولائے کائنات نے اس کو زو دگز رقرار دیا ہے جو کہ دنیا کا واقعی چہرہ ہے: **(اذ صاح بھم سانقهم فارت حلوا)** "جیسے ہی قافلہ سالار آواز لگائے وہ چل بڑس"

یہی وجہ ہے کہ دنیا کی جن لذتوں کیلئے لوگ ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں وہ مولاۓ کائنات کی نگاہ میں گرم، بدیوادا اور سانپ کے زہر کے پیالہ کی طرح ہے۔

”جب معاویہ نے جناب ضرار بن حمزہ شیبانی (رح) سے امیر المؤمنین ” کے اوصاف و خصائص معلوم کئے تو آپ نے کہا کہ بعض اوقات میں نے خود دیکھا ہے کہ آپ رات کی تاریکی میں محراب عبادت میں کھڑے ہیں اور اپنی رسیش مبارک ہاتھ میں لئے ہوئے ایک بیمار کی طرح ترپ رہے ہیں اور ایک غزدہ کی طرح گریہ کر رہے ہیں اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ چاری رہتے ہیں :

«يادنيا إليك عنى، أبي تعرّضتِ؟ أم إلى تشوّقتِ؟ هيهات! أغلى غيري لا
حاجة لى فيك، قد حطّلت قتك ثلاثة، لارجعة فيها: فعيشك قصير، وخطرك
كبير، وأملك حقير، آه من قلة الزاد، وطول الطريق» (١)

"اے دنیا مجھ سے دور ہو جا کیا تو میرے سامنے بن ٹھن کر آئی ہے اور کیا واقعہ میری مشتاق بن کر آئی ہے بہت بعید ہے جا میرے علاوہ کسی اور کو وہو کا دینا مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تجھے تین بار طلاق دے چکا ہوں جسکے بعد رجوع ممکن نہیں ہے تیری زندگی بہت مختصر، تیری حیثیت

(١) نجی البلاعہ حکمت لے لے دے، بخار الانوار ج ۳، ص ۱۲۹۔

بہت معمولی، تیری آرزوں میں حقیر ہیں، آہ، زادراہ کس قدر کم اور راستہ کتنا طولانی ہے۔

آپ نے دنیا کے ان تینوں حقائق کو اس سے فریب کھانے والے شخص کے لئے واضح کر دیا

ہے کہ اسکی زندگی بہت محقر اسکے خطرات زیادہ اور اسکی آرزوں میں حقیر ہیں۔

اس بارے میں آپ کے یہ ارشادات بھی ہیں۔

۱۔ ﴿الا وَانَ الدُّنْيَا دَارُ غَرَّارَةٍ، حَدَّاعَةٍ، تَنَكِحُ فِي كُلِّ يَوْمٍ بَعْلًا، وَتُقْتَلُ فِي كُلِّ

لِلَّةٍ أَهْلًا، وَتُفْرَقُ فِي كُلِّ سَاعَةٍ شَمَلًا﴾ (۱)

”یاد رکھو یہ دنیا بہت پر فریب گھر ہے اور بیحد دھو کے باز (عورت کے مانند ہے جو) ہر روز

ایک نئے شوہر سے نکاح کرتی ہے اور ہر رات اپنے گھروالوں کو ہلاک کر دلتی ہے اور ہر ساعت ایک

قوم کو متفرق کر دلتی ہے۔“

۲۔ ﴿إِنَّ أَقْبَلَتِ الْغَرْرَةَ، وَإِنَّ أَدْبُرَتِ ضَرَّتَ﴾ (۲)

”اگر یہ دنیا تمہاری طرف رخ کرے گی تو تمہیں فریب میں بٹلا کر دیگی اور اگر وہ تمہارے

ہاتھ سے نکل گئی تو نقصان دہ ہے۔“

۳۔ ﴿الدُّنْيَا غَرُورٌ حَائِلٌ، وَسَرَابٌ زَائِلٌ، وَسَنَادِمَائِلٌ﴾ (۳)

”دنیا بدل جانے والا فریب، زائل ہو جانے والا سراب اور خم شدہ ستون ہے۔“

۴۔ دنیا کے ظاہر و باطن کی نقشہ کشی آپ نے ان الفاظ میں کی ہے:

﴿مُثْلُ الدُّنْيَا مُثْلُ الْحَيَاةِ مُسْهَلَا لَيْسَ، وَفِي جُوفِهَا الْسَّمُ الْقَاتِلُ، يَحْذِرُهَا

الرَّجَالُ ذُووُ الْعُقُولُ، وَيَهُوَى إِلَيْهَا الصَّبِيَانُ بِأَيْدِيهِمْ﴾ (۲)

(۱) بخار الانوار ج ۷ ص ۳۷۳۔

(۲) بخار الانوار ج ۸ ص ۲۳۶۔

(۳) غرائب ح ۱۰۹ ص ۱۰۹۔

(۴) بخار الانوار ج ۸ ص ۳۱۱۔

” یہ دنیا بالکل سانپ کی طرح ہے جو چھونے میں بہت زم ہے مگر اسکے اندر مہلک زہر بھرا ہوا ہے اُن عقل اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور بچے اسے ہاتھ میں اٹھانے کیلئے جھک جاتے ہیں ”
 اس قول میں امام نے بہت ہی حسین و حیل انداز میں دنیا کے ظاہر و باطن کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے کہ اسکا ظاہر سانپ کی طرح جاذب نظر اور چھونے پر بہت زم معلوم ہوتا ہے لیکن اسکے باطن میں دھوکہ اور زوال ہی زوال ہے جیسے ایک سانپ کے منہ میں مہلک زہر بکھرا رہتا ہے۔
 اسی طرح اس دنیا کی طرف دیکھنے والے لوگوں کی بھی دو قسمیں ہیں :

اُن عقل اور صاحبان بصیرت اس سے خائف رہتے ہیں جس طرح انہیں سانپ سے خوف محسوس ہوتا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ بقیہ لوگ اس سے اسی طرح دھوکہ کھا جاتے ہیں جس طرح زہر میں سانپ کی چمکیلی اور زرم کھال دیکھ کر بچے دھوکہ کھاتے ہیں۔

آپ کے ایک خطبہ کا ایک حصہ

” یہ ایک ایسا گھر ہے جو بلااؤں میں گھرا ہوا ہے اور اپنی غداری میں مشہور ہے نہ اس کے حالات کو دوام ہے اور نہ اس میں نازل ہونے والوں کے لئے سلامتی ہے۔

اسکے حالات مختلف اور اسکے طور طریقے بدلنے والے ہیں اس میں پر کیف زندگی قابلِ نہست ہے اور اس میں امن و امان کا کہیں دور دور تک پہنچنیں ہے۔۔۔ اسکے باشندے وہ نشانے ہیں جن پر دنیا اپنے تیر چلاتی رہتی ہے اور اپنی مدت کے سہارے انھیں فنا کے گھاث اتارتی رہتی ہے۔
 اسے بندگان خدا، یاد رکھو اس دنیا میں تم اور جو کچھ تمہارے پاس ہے سب کا وہی راستہ ہے جس پر پہلے والے چل چکے ہیں جن کی عمر تم سے زیادہ طویل اور جن کے علاقے تم سے زیادہ آباد تھے ان کے آثار بھی دور دور تک پھیلے ہوئے تھے لیکن اب ان کی آوازیں دب گئیں ہیں ان کی ہوا کیں الکڑ گئیں ہیں ان کے جسم بوسیدہ ہو گئے ہیں۔ ان کے مکانات خالی ہو گئے ہیں اور ان کے آثار مٹ چکے ہیں وہ مستحکم قلعوں اور بھجی ہوئی مندوں کو پتھروں اور چنی ہوئی سلوں اور زمین کے

اندر قبروں میں تبدیل کر چکے ہیں جن کے صحنوں کی بنیاد تباہی پر قائم ہے اور جن کی عمارت منی سے مضبوط کی گئی ہے۔ ان قبروں کی جگہیں تو قریب قریب ہیں لیکن ان کے رہنے والے سب ایک دوسرے سے اطمینی اور بیگانہ ہیں ایسے لوگوں کے درمیان ہیں جو بوكھلائے ہوئے ہیں اور یہاں کے کاموں سے فارغ ہو کر وہاں کی فکر میں مشغول ہو گئے ہیں۔ نہ اپنے وطن سے کوئی انس رکھتے ہیں اور نہ اپنے بھائیوں سے کوئی ربط رکھتے ہیں۔ حالانکہ بالکل قرب و جوار اور نزدیک ترین دیار میں ہیں۔ اور ظاہر ہے اب ملاقات کا کیا امکان ہے جبکہ یوسید گی نے انہیں اپنے سینہ سے دبا کر پیس ڈالا ہے اور پتھروں اور منی نے انہیں کھا کر برابر کر دیا ہے اور گویا کہ اب تم بھی وہیں پہنچ گئے ہو جہاں وہ پہنچ چکے ہیں اور تمہیں بھی اسی قبر نے گروہی رکھ لیا ہے اور اسی امانت گاہ نے جکڑ لیا ہے۔

ذرا سوچو اس وقت کیا ہو گا جب تمہارے تمام معاملات آخری حد تک پہنچ جائیں گے اور دوبارہ قبروں سے نکال لیا جائے گا اس وقت ہر شخص اپنے اعمال کا خود حساب کرے گا اور سب کو مالک بحق کی طرف پٹا دیا جائے گا اور کسی پر کوئی افتراض اپردازی کام آنے والی نہ ہوگی۔ (۱)

سید رضی نے نجع البلاغہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت امیر المؤمنینؑ نے شریع بن حارث سے فرمایا:

﴿بلغنى إنك ابتعت داراً بشمائين ديناراً، وكتبت لها كتاباً، وأشهدت فيه

شهوداً!﴾

مجھے اطلاع ہی ہے کہ تم نے اسی (۸۰) دینار میں ایک گھر خریدا ہے اور اسکے لئے باقاعدہ ایک بیع نامہ لکھ کر لوگوں کی گواہی بھی درج کی ہے۔ تو شریع نے عرض کی: اے امیر المؤمنینؑ۔ جی ہاں: ایسا ہی ہے۔ تو آپ نے ان کی طرف غصہ بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ اے شریع عنقریب تمہارے پاس ایسا شخص آنے والا ہے جو نہ تمہارے اس بیع نامہ کو دیکھے گا اور نہ گواہوں کے بارے

میں تم سے کچھ سوال کرے گا اور وہ تمہیں اس گھر سے نکال کر تن تھا تمہاری قبر کے حوالے کر دیگا الہذا۔ اسے شرعاً کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نے اس گھر کو اپنے مال سے نہ خریدا ہو اور ناجائز طریقے سے اسکے دام ادا کئے ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو تم دنیا اور آخرت دونوں جگہاں میں ہو۔ کاش تم یہ گھر خریدنے سے پہلے میرے پاس آ جاتے تو میں تمہارے لئے ایک دستاویز تحریر کر دیتا تو تم ایک درہم میں بھی یہ گھر نہ خریدتے۔

میں اُسکی دستاویز اس طرح لکھتا ہوں:

یہ وہ مکان ہے جسے ایک بندہ ذمیل نے اس مرنے والے سے خریدا ہے جسے کوچ کے لئے آمادہ کر دیا گیا ہے۔ یہ مکان پر فریب دنیا میں واقع ہے جہاں فنا ہونے والوں کی بستی ہے اور ہلاک ہونے والوں کا علاقہ ہے۔ اس مکان کے حدود اربuds یہ ہیں۔

ایک حد اس باب آفات کی طرف ہے اور دوسرا اس باب مصائب سے ملتی ہے تیسرا حد ہلاک کر دینے والی خواہشات کی طرف ہے اور چوتھی گراہ کرنے والے شیطان کی طرف اور اسی طرف سے گھر کا دروازہ کھلتا ہے۔

اس مکان کو امیدوں کے فریب خودہ نے اجل کے راہ گیر سے خریدا ہے جس کے ذریعہ قناعت کی عزت سے نکل کر طلب و خواہش کی ذلت میں داخل ہو گیا ہے۔ اب اگر اس خریدار کو اس سودے میں کوئی خسارہ ہو تو یہ اس ذات کی ذمہ داری ہے جو باوشا ہوں کے جسموں کو چڑھانا کرنے والا، جاہروں کی جان لینے والا، فرعونوں کی سلطنت کو تباہ کر دینے والا، کسری و قیصر، تعی و محیر اور زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے والوں، مستحکم عمارتیں بنانے کا نہیں سجانے والوں، ان میں بہترین فرش بچھانے والوں اور اولاد کے خیال سے ذخیرہ کرنے والوں اور جا گیریں بنانے والوں کو فنا کے گھاث اتار دینے والا ہے۔ کہ ان سب کو قیامت کے میدان حساب اور منزل ثواب و عذاب میں حاضر کر دے جب حق

خواہشیں! احادیث الہبیت کی روشنی میں

و باطل کا حتیٰ فیصلہ ہو گا اور اہل باطل یقیناً خسارہ میں ہونگے۔

اس سودے پر اس عقل نے گواہی دی ہے جو خواہشات کی قید سے آزاد اور دنیا کی

وابستگیوں سے محفوظ ہے،^(۱)

دنیا کے بارے میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

یاد رکھو: اس دنیا کا سرچشمہ گندہ اور اس کا گھاث گندھلا ہے، اس کا منظر خوبصورت دکھائی دیتا

ہے لیکن اندر کے حالات انتہائی درجہ خطرناک ہیں، یہ ایک فنا ہو جانے والا غریب، بجھ جانے والی

روشنی، داخل جانے والا سایہ اور ایک گرجانے والا استون ہے۔ جب اس سے نفرت کرنے والا منوس

ہو جاتا ہے اور اسے برآبھننے والا مطمئن ہو جاتا ہے تو یہ اچانک اپنے پیروں کو پکنے لگتی ہے اور عاشق کو

اپنے جال میں گرفتار کرتی ہے اور پھر اپنے تیروں کا نشانہ بناتی ہے انسان کی گردن میں موت کا

پھنڈہ ڈال دیتی ہے اور اسے کھینچ کر قبر کی شکلی اور وحشت کی منزل تک لے جاتی ہے جہاں وہ اپنا ٹھکانہ

دیکھ لیتا ہے اور اپنے اعمال کا معاوضہ حاصل کر لیتا ہے اور یوں ہی یہ سلسلہ نسلوں میں چلتا رہتا ہے کہ

اولاد بزرگوں کی جگہ پر آ جاتی ہے نہ موت چیرہ دستیوں سے باز آتی ہے اور نہ آنے والے افراد

گناہوں سے باز آتے ہیں پرانے لوگوں کے نقش قدم پر چلتے رہتے ہیں اور تیزی کے ساتھ اپنی

آخری منزل انتہاء و فنا کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔^(۲)

دنیا کے بارے میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

”میں اس دار دنیا کے بارے میں کیا بیان کروں جسکی ابتداء رنج و غم اور انتہا فنا و نابودی ہے

(۱) نجع البلاغہ مکتوب ۳۔

(۲) نجع البلاغہ خطبہ ۸۳۔

اسکے حال میں حساب ہے اور حرام میں عذاب، جو اس میں غنی ہو جائے وہ آزمائشوں میں بنتا ہو جائے۔ اور جو فقیر ہو جائے وہ رنجیدہ و افسردہ ہو جائے۔ جو اسکی طرف دوز لگائے اسکے ہاتھ سے نکل جائے اور جو منہ پھیر کر بیٹھ رہے اسکے پاس حاضر ہو جائے جو اسکو زریعہ بنانا کر آگے دیکھے اسے پینا بنا دے اور جو اسے منظور نظر ہتالے اسے انداھا بنا دے۔^(۱)

اپنے دور خلافت سے پہلے آپ نے جناب سلمان فارسی[ؓ] کو اپنے ایک خط میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا۔ اما بعد: اس دنیا کی مثال صرف اس سانپ جیسی ہے جو چھونے میں انہتائی نرم ہوتا ہے لیکن اسکا زہر انہتائی قاتل ہوتا ہے اس میں جو چیز اچھی لگے اس سے بھی کنارہ کشی اختیار کرو۔ کہ اس میں سے ساتھ جانے والا بہت کم ہے۔ اسکے ہم غم کو اپنے سے دور رکھو کہ اس سے جدا ہونا یقینی ہے اور اسکے حالات بدلتے ہی رہتے ہیں۔ اس سے جس وقت زیادہ انس محسوس کرو اس وقت زیادہ ہوشیار رہو کہ اسکا ساتھی جب بھی کسی خوشی کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے تو یہ اسے کسی ناخوشگواری کے حوالے کر دیتی ہے اور انس سے نکال کر وحشت کے حالات تک پہنچا دیتی ہے۔ والسلام[ؓ]^(۲)

دنیا کے بارے میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

آ گاہ ہو جاؤ دنیا جا رہی ہے اور اس نے اپنی رخصت کا اعلان کر دیا ہے اور اسکی جانی پچاہی چیزیں بھی اچھی ہو گئی ہیں وہ تیزی سے منہ پھیر رہی ہے اور اپنے باشندوں کو فنا کی طرف لی جا رہی ہے اور اپنے ہمسایوں کو موت کی طرف ڈھکیل رہی ہے اسکی شیر نئی تلنگ ہو چکی ہے اور اسکی صفائی ہو چکی ہے جسے اب اس میں صرف اتنا ہی پانی باقی رہ گیا ہے جو، تھے میں بچا ہوا ہے اور وہ نپا تلا گھوٹ رہ گیا ہے جسے پیاس اپنی بھی لے تو اسکی پیاس نہیں بجھ سکتی ہے لہذا بندگان خدا اب اس دنیا سے کوچ کرنے کا ارادہ کرلو جسکے رہنے والوں کا مقدار زوال ہے اور خبردار: تم پر خواہشات غالب نہ آنے پا کیں اور اس

(۱) نجی البلاعہ خطبہ ۸۲۔

(۲) نجی البلاعہ مکتبہ ۶۸۔

مخصر مدت کو طویل نہ سمجھ لینا،” (۱)

دنیا کے بارے میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

میں تم لوگوں کو دنیا سے ہوشیار کر رہا ہوں کہ یہ شیریں اور شاداب ہے لیکن خواہشات میں گھری ہوئی ہے اپنی جلد مل جانے والی نعمتوں کی بنا پر محبوب بن جاتی ہے اور تھوڑی سی زینت سے خوبصورت بن جاتی ہے یہ امیدوں سے آراستہ ہے اور دھوکہ سے مزین ہے۔ ناس کی خوشی داعی ہے اور نہ اس کی مصیبت سے کوئی محفوظ رہنے والا ہے یہ دھوکہ باز، نقصان رسائی، بدل جانے والی، فنا ہو جانے والی، زوال پذیر اور ہلاک ہو جانے والی ہے۔ یہ لوگوں کو کہا بھی جاتی ہے اور مٹا بھی دیتی ہے۔ جب اسکی طرف رغبت رکھنے والوں اور اس سے خوش ہو جانے والوں کی خواہشات انتہاء کو پہنچ جاتی ہے تو یہ بالکل پروردگار کے اس ارشاد کے مطابق ہو جاتی ہے:

﴿كَمَاءُ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ بَاتُ الْأَرْضِ فَاصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوْهُ

الرِّيَاحُ وَ كَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾ (۲)

”یعنی دنیا کی مثال اس پانی کے جیسی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا اور اسکے ذریعہ زمین کے بزرگ مخلوط (ہو کر روئیدہ) ہوئے وہ بزرگ سوکھ کر ایسا تنکا ہو گیا جسے ہوا میں اڑا لے جاتی ہیں اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے“

اس دنیا میں کوئی شخص خوش نہیں ہوا ہے مگر یہ کہ اسے بعد میں آنسو بہانا پڑے اور کوئی اس کی خوشی کو آتے نہیں دیکھتا ہے مگر یہ کہ وہ مصیبت میں ڈال کر چینچ دکھلا دیتی ہے اور کہیں راحت و آرام کی ہلکی بارش نہیں ہوتی ہے مگر یہ کہ بلاوں کا دو گز اگرنے لگتا ہے۔ اس کی شان یہ یہ ہے کہ اگر صحیح کوئی طرف سے بدلہ لینے آتی ہے تو شام ہوتے ہوتے انجان بن جاتی ہے اور اگر ایک طرف سے

(۱) فتح البالاغہ خطبہ۔ ۵۲۔

(۲) سورہ کہف آیت ۷۵۔

شیریں اور خوش گوار نظر آتی ہے تو دوسرے رُخ سے تلخ اور بلا خیز ہوتی ہے۔ کوئی انسان اس کی تازگی سے اپنی خواہش پوری نہیں کرتا ہے مگر یہ کہ اس کے پے در پے مھا سب کی بنا پر رُخ و قلب کا شکار ہو جاتا ہے اور کوئی شخص شام کو امن و امان کے پروں پر نہیں رہتا ہے مگر یہ کہ صحیح ہوتے ہوئے خوف کے بالوں پر لا دوایا جاتا ہے۔ یہ دنیا دھوکہ باز ہے اور اس کے اندر جو کچھ ہے سب دھوکہ ہے۔ یہ فانی ہے اور اس میں جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے۔ اس کے کسی زادراہ میں کوئی خیر نہیں ہے سوائے تقویٰ کے۔ اس میں سے جو کم حاصل کرتا ہے اسی کو راحت زیادہ نصیب ہوتی ہے اور جوز زیادہ کے چکر میں پڑ جاتا ہے اس کے مہلکات بھی زیادہ ہو جاتے ہیں اور یہ بہت جلد اس سے الگ ہو جاتی ہے۔ کتنے اس پر اعتبار کرنے والے ہیں جنہیں اچانک مصیبتوں میں ڈال دیا گیا اور کتنے اس پر اطمینان کرنے والے ہیں جنہیں ہلاک کر دیا گیا اور کتنے صاحبان حیثیت تھے جنہیں ذلیل بنا دیا گیا اور کتنے اکثر نے والے تھے جنہیں حرارت کے ساتھ پٹانا دیا گیا۔ اس کی بادشاہی پٹانا کھانے والی۔ اس کا عیش مکدر اس کا شیریں شور۔ اس کا میٹھا کڑوا۔ اس کی غذاز ہر آلو اور اس کے اسباب سب بوسیدہ ہیں۔ اس کا زندہ معرض ہلاکت میں ہے اور اس کا صحبت مند بیمار یوں کی زد پر ہے۔ اس کا ملک چھنٹے والا ہے اور اس کا صاحب عزت مغلوب ہونے والا ہے۔ اس کا مالدار بد بختیوں کا شکار ہونے والا ہے اور اس کا ہمسایہ لٹھنے والا ہے۔ کیا تم انھیں کے گھروں میں نہیں ہو جو تم سے پہلے طویل عمر، پائیدار آثار اور دور رک امیدوں والے تھے۔ بے پناہ سامان مہیا کیا، بڑے بڑے لشکر تیار کئے اور جی بھر کر دنیا کی پرستش کی اور اسے ہر چیز پر مقدم رکھا لیکن اس کے بعد یوں روانہ ہو گئے کہ نہ منزل تک پہنچانے والا زادراہ ساتھ تھا اور نہ راستہ طے کرانے والی سواری۔ کیا تم تک کوئی خبر پہنچی ہے کہ اس دنیا نے ان کو بچانے کے لئے کوئی فدیہ پیش کیا ہو یا ان کی کوئی مدد کی ہو یا ان کے ساتھ اچھا وقت گزارا ہو۔؟ بلکہ اس نے تو ان پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے، آفتوں سے انھیں عاجز و درماندہ کر دیا اور لوٹ لوٹ

کر آنے والی زحمتوں سے انھیں بچھوڑ کر رکھ دیا اور ناک کے بل انھیں خاک پر پچھاڑ دیا اور اپنے گھروں سے کچل ڈالا، اور ان کے خلاف زمانہ کے حادث کا ہاتھ بٹایا۔ تم نے تو دیکھا ہے کہ جو زارِ دنیا کی طرف جھکا اور اسے اختیار کیا اور اس سے لپٹا، تو اس نے (اپنے تیور بدل کر ان سے کیسی) اجتنبیت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے جدا ہو کر چل دیئے، اور اس نے انھیں بھنوک کے سوا کچھ زارِ دنیا نہ دیا، اور ایک تنگ جگہ کے سوا کوئی شہر نے کامان نہ کیا، اور سو اگھپ اندر ہیرے کے کوئی روشنی نہ دی اور نہ امت کے سوا کوئی نتیجہ نہ دیا، تو کیا تم اسی دنیا کو ترجیح دیتے ہو، یا اسی پر مطمئن ہو گئے ہو یا اسی پر مرے جا رہے ہو؟ جو دنیا پر بے اعتماد رہے اور اس میں بے خوف و خطر ہو کر رہے اس کے لئے یہ بہت برا گھر ہے۔ جان لو اور حقیقت میں تم جانتے ہی ہو، کہ (ایک نہ ایک دن) تھیں دنیا کو چھوڑنا ہے، اور یہاں سے کوچ کرنا ہے ان لوگوں سے عبرت حاصل کرو جو کہا کرتے تھے کہ ”ہم سے زیادہ قوت و طاقت میں کون ہے۔“ انھیں لاد کر قبروں تک پہنچایا گیا مگر اس طرح نہیں کہ انھیں سوار سمجھا جائے انھیں قبروں میں اتا رہا گیا، مگر وہ مہماں نہیں کہلاتے پھر وہ اپنے کی قبریں چن دی گئیں، اور خاک کے کفن ان پر ڈال دئے گئے اور گلی سڑی پہلوں کو ان کا ہمسایہ بنادیا گیا ہے۔ وہ ایسے ہمسایہ ہیں جو پکارنے والے کو جواب نہیں دیتے ہیں اور نہ زیادتیوں کو روک سکتے ہیں اور نہ رونے دھونے والوں کی پرواکرتے ہیں۔ اگر باطل (جھوم کر) ان پر بر سیں، تو خوش نہیں ہوتے اور نقط آئے تو ان پر مایوسی نہیں چھا جاتی۔ وہ ایک جگہ ہیں، مگر الگ الگ، وہ آپس میں ہمسایہ ہیں مگر دور دور پاس پاس ہیں مگر میں ملاقات نہیں، قریب قریب ہیں مگر ایک دوسرے کے پاس نہیں پہنچتے، وہ ہر دبار بنے ہوئے بے خبر پڑے ہیں، ان کے بعض و عناد فتح ہو گئے اور کینے مت گئے۔ نہ ان سے کسی ضرر کا اندر یشہے، نہ کسی تکلیف کے دور کرنے کی توقع ہے انھوں نے زمین کے اوپر کا حصہ اندر کے حصہ سے اور کشادگی اور وسعت تنگی سے، اور گھر بار پر دلیں سے اور روشنی اندر ہیرے سے بدل لی ہے اور جس طرح تنگ پیر نگے بدن پیدا ہوئے تھے، ویسے ہی زمین میں (پیوند خاک) ہو گئے اور اس دنیا سے صرف عمل

لے کر ہمیشہ کی زندگی اور سدار ہےنے والے گھر کی طرف کوچ کر گئے۔ جیسا کہ خداوند قدوس نے فرمایا ہے:

﴿كما بدأنا أول خلق نعيده وعد أعلينا آنا كنا فاعلين﴾ (۱)

”جس طرح نے ہم نے مخلوقات کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔ اس وعدہ کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے اور ہم اسے ضرور پورا کر کے رہیں گے“

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿وَاحْذَرْ كم الدِّيَا فَإِنَّهَا مُنْزَلْ قُلْعَةٌ، وَلِيَسْتَ بِدَارِنُجُعَةٍ، قَدْ تَزَيَّنَتْ بِغَرَوَرَهَا، وَغَرَّتْ بِزَيَّنَتْهَا، دَارَهَا نَاتَ عَلَىٰ رَبِّهَا، فَخُلُطَ حَلَالَهَا بِحَرَامَهَا، وَخَيْرَهَا بِشَرَهَا، وَحَيَاٰتَهَا بِمَوْتَهَا، وَحَلْوَهَا بِمَرَّهَا، لَمْ يَصْفَهَا اللَّهُ تَعَالَىٰ لَأَوْلَيَاهُ، وَلَمْ يَضْنَ بِهَا عَلَىٰ أَعْدَانِهِ...﴾ (۲)

”میں تمہیں اس دنیا سے ہوشیار کر رہا ہوں کہ یہ کوچ کی جگہ ہے۔ آب و دان کی منزل نہیں ہے۔ یہ اپنے دھوکے ہی سے آرستہ ہو گئی ہے اور اپنی آرائش ہی سے دھوکا دیتی ہے۔ اس کا گھر پروردگار کی نگاہ میں بالکل بے ارزش ہے اسی لئے اس نے اس کے حلال کے ساتھ حرام۔ خیر کے ساتھ خشر، زندگی کے ساتھ موت اور شیریں کے ساتھ تیزی کو رکھ دیا ہے اور نہ اسے اپنے اولیاء کے لئے مخصوص کیا ہے اور نہ اپنے دشمنوں کو اس سے محروم رکھا ہے۔ اس کا خیر بہت کم ہے اور اس کا شر ہر وقت حاضر ہے۔ اس کا جمع کیا ہوا ختم ہو جانے والا ہے اور اس کا ملک چھن جانے والا ہے اور اس کے آباد کو ایک دن خراب ہو جانا ہے۔ بھلا اُس گھر میں کیا خوبی ہے جو کمزور عمارت کی طرح گرجائے اور اس عمر میں کیا بھلانی ہے جو زادراہ کی طرح ختم ہو جائے اور اس زندگی میں کیا حسن ہے جو چلتے پھرتے تمام ہو جائے۔

دیکھو اپنے مطلوبہ امور میں فرانسیض الہیہ کو بھی شامل کرو اور اسی سے اس کے حق کے ادا

(۱) تاج البالاغہ خطبہ ۱۱۱، آیت ۳۰ از سورہ انہیاء۔

(۲) تاج البالاغہ خطبہ ۱۱۲۔

کرنے کی توفیق کا مطالبہ کرو اپنے کانوں کو موت کی آواز نا د قبل اسکے کہ تمہیں بلا لیا جائے،
دنیا کے سلسلہ میں ہی فرماتے ہیں:

﴿... عباد اللہ اُوصیکم بالرفض لهذه الدنیاالتارکة لكم وان لم تحبوا
ترکھا، والمبلیة لأجسامکم وان کنتم تحبون تجدیدها، فانما مثلکم
ومثلها کسفر سلکوا سبیلاً فکانهم قد قطعوه...﴾ (۱)

”بندگاںِ خدا میں تحسین و صیرت کرتا ہوں کہ اس دنیا کو چھوڑ دو جو تمہیں بہر حال چھوڑنے
والی ہے چاہے تم اسکی جداگانی کو پسند نہ کرو۔ وہ تمہارے جسم کو بہر حال بو سیدہ کردے گی تم لا کہ اس کی
تازگی کی خواہش کرو۔ تمہاری اور اسکی مثال ان مسافروں جیسی ہے جو کسی راستہ پر چلے اور گویا کہ منزل
تک پہنچ گئے۔ کسی نشان راہ کا ارادہ کیا اور گویا کہ اسے حاصل کر لیا اور کتنا تھوڑا او ققدر ہوتا ہے اس
گھوڑا دوڑانے والے کے لئے جو دوڑاتے ہیں مقصد تک پہنچ جائے۔ اس شخص کی بقا ہی کیا ہے
جس کا ایک دن مقرر ہو جس سے آگے نہ بڑھ سکے اور پھر موت تیز رفتاری سے اسے ہنکا کر لے جا رہی
ہو یہاں تک کہ بادل ناخواست دنیا کو چھوڑ دے۔ خبردار دنیا کی عزت اور اسکی سر بلندی میں مقابلہ نہ کرنا
اور اسکی زینت و نعمت کو پسند نہ کرنا اور اسکی دشواری اور پریشانی سے رنجیدہ نہ ہونا کہ اسکی عزت
و سر بلندی ختم ہو جانے والی ہے اور اسکی زینت و نعمت کو زوال آجائے والا ہے اور اسکی تھنگی اور رختی
بہر حال ختم ہو جانے والی ہے۔ یہاں ہر دست کی ایک انتہا ہے اور ہر زندہ کے لئے فنا ہے۔ کیا
تمہارے لئے گذشتہ لوگوں کے آثار میں سامان تنبیہ نہیں ہے؟ اور کیا آباء و اجداد کی داستانوں میں
 بصیرت و عبرت نہیں ہے؟ اگر تمہارے پاس عقل ہے! کیا تم نے یہ نہیں دیکھا ہے کہ جانے والے
پلٹ کرنے نہیں آتے ہیں اور بعد میں آنے والے رہ نہیں جاتے ہیں؟ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اہل دنیا

مختلف حالات میں صبح و شام کرتے ہیں۔ کوئی مردہ ہے جس پر گریہ ہورہا ہے اور کوئی زندہ ہے تو اسے پرسہ دیا جا رہا ہے۔ ایک بستر پر کوئی غفلت میں پڑا ہوا ہے تو زمانہ اس سے غافل نہیں اور اس طرح جانے والوں کے نقش قدم پر رہ جانے والے چلے جا رہے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ابھی موقع ہے اسے یاد کرو جو لذتوں کو فنا کر دینے والی۔ خواہشات کو مکدر کر دینے والی اور امیدوں کو قطع کر دینے والی ہے ایسے اوقات میں جب بڑے اعمال کا ارتکاب کر رہے ہو اور اللہ سے مدد مانگو تو اس کے واجب حق کو ادا کرو اور ان نعمتوں کا شکر یہ ادا کر سکو جن کا شمار کرنا ممکن ہے۔“

یہ زندگانی دنیا کا پہلا رخ ہے چنانچہ دنیا کے اس چہرے کی نشاندہی کرنے کے لئے ہم نے روایات کو اسی لئے ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے کیونکہ اکثر لوگ دنیا کے باطن کو چھوڑ کر اسکے ظاہر پر ہی ٹھہر جاتے ہیں اور ان کی نظر میں باطن تک نہیں پہنچ پاتیں۔ شاید ہمیں انہیں روایات میں ایسے اشارے مل جائیں جن کے سہارے ہم ظاہر دنیا سے نکل کر اسکے باطن تک پہنچ جائیں۔

ب۔ دنیا کا ظاہری رخ (روپ)

دنیاوی زندگی کا ظاہری روپ بے حد پر فریب ہے کیونکہ جسکے پاس چشم بصیرت نہ ہو اسکو یہ زندگانی دنیا دھوکے میں بتلا کر کے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور پھر اسے آرزوؤں، خواہشات، فریب اور ہبہ لعب کے حوالے کر دیتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعْبٌ وَلَهُو﴾ (۱)

”اور یہ زندگانی دنیا صرف کھیل تماشہ ہے۔“

﴿مَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُو لَعْبٌ﴾ (۲)

(۱) سورہ انعام آیت ۳۲۔

(۲) سورہ عکبوب آیت ۶۳۔

خواہشیں! احادیث الہبیت کی روشنی میں

”اور یہ زندگانی دنیا ایک کھیل تماشے کے سوا اور کچھ نہیں ہے“

﴿انما الحیۃ الدنیا لعب و لہو وزينة و تفاخر بینکم﴾ (۱)

”یاد رکھو کہ زندگانی دنیا صرف ایک کھیل تماشہ، آرائش باہمی فخر و مبارات اور اموال و اولاد

کی کثرت کا مقابلہ ہے“

خداوند عالم نے دنیا کے جس رخ کو لہو و لعب قرار دیا ہے وہ اسکا ظاہری رخ ہے۔ اور لہو

ولعب سنجیدگی اور ممتازت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔۔۔

البتہ انسان اسی وقت لہو و لعب میں گرفتار ہوتا ہے کہ جب وہ دنیا کے ظاہری روپ پر نظر

رکھے اور سنجیدگی و ممتازت سے دور رہے چنانچہ اگر وہ دنیا کے ظاہر کے بجائے اسکے باطن پر توجہ رکھتے تو

لہو و لعب (کھیل کو) سے بالکل دور ہو کر زاہد و پارسا بن جائیگا اور دنیا کے دوسرے معاملات میں

اجھنے کے بجائے اسے صرف اپنے نفس کی فکر لاحق رہے گی۔ کیونکہ دنیا ”لُمَاظَة“ ہے۔

مولائے کائنات فرماتے ہیں:

﴿أَلَا مَن يَدْعُ هَذِهِ الْلُّمَاظَةَ﴾ (۲)

”کون ہے جو اس لُمَاظَة کو چھوڑ دے“ لُمَاظَة منہ کے اندر بچی ہوئی غذا کو کہا جاتا ہے

حضرت علیؑ :

﴿أَحَدَرَكُمُ الدُّنْيَا فَإِنَّهَا حَلْوَةٌ خَضْرَةٌ، حُفَّتْ بِالشَّهْوَاتِ﴾ (۳)

”میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں کیونکہ یا اسی شیرین و سر برزہ جو شہوتوں سے گھری ہوئی ہے“

(۱) سورہ حمد آیت ۲۰۔

(۲) بخار الانوار ج ۳ ص ۱۳۳۔

(۳) بخار الانوار ج ۳ ص ۹۶۔

دنیاوی زندگی کے ظاہر اور باطن کا موازنہ

قرآن کریم میں دنیاوی زندگی کے دونوں رخ (ظاہر و باطن) کا بہت ہی حسین موازنہ پیش کیا گیا ہے نمونہ کے طور پر چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ﴿أَنَّمَا مِثْلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٌ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ
مَمَا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخْدَتِ الْأَرْضَ زُخْرُفَهَا وَازْيَسَتْ وَظَنَّ أَهْلَهَا أَنَّهُمْ
قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لِيَلَّا أُونَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَانَ لَمْ تَغُنِّ بِالْأَمْسِ كَذَلِكَ
نَفَّضَ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَنْفَكِرُونَ﴾ (۱)

”زندگانی دنیا کی مثال صرف اس بارش کی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا پھر اس سے مل کر زمین سے نباتات برآمد ہوئیں جن کو انسان اور جانور کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین کے نے بزرہ زار سے اپنے کو آراستہ کر لیا اور مالکوں نے خیال کرنا شروع کر دیا کہ اب ہم اس زمین کے صاحب اختیار ہیں تو اچانک ہمارا حکم رات یادن کے وقت آگیا اور ہم نے اسے بالکل کٹا ہوا کہیت بنادیا گویا اس میں کل کچھ تباہی نہیں ہم اس طرح اپنی آیتوں کو مفصل طریقہ سے بیان کرتے ہیں اس قوم کے لئے جو صاحب فکر و نظر ہے“

اس آیہ کریمہ میں زندگانی دنیا، اُسکی زینت اور آرائشوں اور اُسکی تباہی و بربادی اور اس میں اچانک رونما ہونے والی تبدیلیوں کی عکاسی موجود ہے۔

چنانچہ دنیا کو اس بارش کے پانی سے تسبیہ دی گئی ہے جو آسمان سے زمین پر برستا ہے اور اس سے زمین کے نباتات ملتے ہیں تو ان نباتات میں نمود پیدا ہوتا ہے اور وہ انسانوں اور حیوانوں کی غذائیز زمین کی زینت بنتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب زمین اپنی آرائشوں اور زینتوں سے آراستہ

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

ہو جاتی ہے۔۔۔ تو اچانک یہ حکم الہی کسی بھلی، آندھی (ہوا) وغیرہ کی شکل میں اسکی طرف نازل ہو جاتا ہے اور اسے بالکل ویرانے اور خرابے میں تبدیل کر دیتا ہے جیسے کل تک وہ آباد، سرسیز و شاداب ہی نہ تھی یہ دنیا کے ظاہری اور باطنی دونوں چہروں کی بہترین عکاسی ہے کہ وہ اگر چہ سرسیز و شاداب، پُرفریب، برائیختہ کرنے والی، پرکش (جالب نظر) دلوں کے اندر خواہشات کو بھڑکانے والی ہے لیکن جب دل اس کی طرف سے مطمئن ہو جاتے ہیں تو اچانک حکم الہی نازل ہو جاتا ہے اور اسے کھنڈ را و بھر بنا دالتا ہے جس سے لوگوں کو کراہیت محسوس ہوتی ہے۔

اس سورہ کا پہلا حصہ دنیا کے ظاہری چہروں کی وضاحت کر رہا ہے جو انسان کو دھوکہ اور فریب میں مبتلا کر دیتا ہے جبکہ دوسرا حصہ وعظ وصیحت اور عبرت حاصل کرنے کا سرچشمہ ہے۔ جو کہ دنیا کا باطنی رخ ہے۔

۲۔ ﴿أَنَا جَعَلْنَا مَاعِلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِهَا لِبْلُوْهُمْ أَيْتُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (۱)

”بیٹک ہم نے روئے زمین کی ہر چیز کو زینت قرار دیدیا ہے تاکہ ان لوگوں کا امتحان لیں

کہ ان میں عمل کے اعتبار سے سب سے بہتر کون ہے“

دنیا یقیناً ایک زینت ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور یہی زینت و آرائش انسانی خواہشات کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے مگر ان آرائشوں کی کو کہ میں مختلف قسم کے امتحانات بلا کمیں اور آزمائشیں پوشیدہ رہتی ہیں جن کے اندر انسان کی تنزلی کے خطرات چھپ رہتے ہیں اور یہ بالکل اسی طرح ہیں جیسے کسی شکار کو پکڑنے کے لئے چاراؤ لا جاتا ہے۔

۳۔ ﴿أَعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعْبٌ وَلَهُو زِينَةٌ وَتَفَاخِرٌ بِنَكِمْ

وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأُولَادِ كَمِثْلُ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ بِنَبَاتِهِ ثُمَّ يَهْيَجُ فَتَرَاهُ

(۱) سورہ کاف ۷۷ آیت ۷۔

مَصْفَرًا ثُمَّ يَكُونُ حطَاماً وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَضْوَانٌ
وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ الْغَرُورُ (۱)

”یاد رکھو کہ زندگانی دنیا صرف ایک کھیل تماشہ، آرائش، باہمی فخر و مبارکات، اور اموال
واولاد کی کثرت کا مقابلہ ہے اور بس۔ جیسے کوئی بارش ہو جسکی قوت نامیہ کسان کو خوش کر دے اور اسکے
بعد وہ کھٹتی خشک ہو جائے پھر تم اسے زرد یکھوا اور آخر میں وہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور آخرت میں شدید
عذاب بھی ہے اور مغفرت اور رضاۓ الہی بھی ہے اور زندگانی دنیا تو بس ایک دھوکہ کا سرمایہ ہے اور
پچھے میں ہے“

دنیا کے بارے میں نگاہوں کے مختلف زاوے

درحقیقت دنیا کو متعدد زاویوں سے دیکھنے کی وجہ سے ہی دنیا کے مختلف رخ و کھائی دیتے ہیں
اسی لئے زاویہ نگاہ تبدیل ہوتے ہی دنیا کا رخ بھی تبدیل ہو جاتا ہے ورنہ دنیا تو ایک ہی حقیقت کا نام
ہے مگر لوگ انکی طرف دور رخ سے نظر کرتے ہیں۔

کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو دنیا کو پر غرور اور پر فریب نگاہوں سے دیکھتے ہیں جبکہ بعض حضرات
اسے عبرت کی نگاہوں سے دیکھا کرتے ہیں ان دونوں نگاہوں کے زاویوں میں ایک انداز نگاہ سطحی
ہے جو دنیا کی ظاہری سطح پر رکارہتا ہے اور انسان کو شہوت و غرور (فریب) میں بنتلا کر دیتا ہے جبکہ دوسرا
انداز نظر اتنا گہرا ہے کہ وہ دنیا کے باطن کو بھی دیکھ لیتا ہے لہذا یہ انداز نظر رکھنے والے حضرات اس دنیا
سے دوری اور زہاد اختیار کرتے ہیں مختصر یہ کہ اس مسئلہ کا دار و مدار دنیا کے بارے میں ہمارے زاویہ نگاہ
اور انداز فکر پر مختص ہے۔ لہذا دنیا کے معاملات کو صحیح کرنے کے لئے سب سے پہلے اسکے بارے میں
انسان کا انداز فکر صحیح ہونا چاہیے جس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ دنیا کے بارے میں اپنا زاویہ

خواہشیں! احادیث بہبیت کی روشنی میں

نگاہ صحیح کرے اسکے بعد وہ اسکو جس نگاہ سے دیکھئے گا اسی اعتبار سے اسکے ساتھ پیش آئے گا۔

لہذا جو حضرات دنیا کو پر فریب نگاہوں سے دیکھتے ہیں انہیں دنیا دھوکہ میں ڈال دیتی ہے اور خواہشات میں بہتا کر دیتی ہے اور ان کے لئے یہ زندگانی ایک کھیل تماشہ بن کر رہ جاتی ہے جسکی طرف قرآن مجید نے متوجہ کیا ہے۔ اور جو لوگ دنیا کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو وہ اپنے اعمال میں صداقت اور سنجیدگی کا خیال رکھتے ہیں اور آخرت کا واقعی احساس انہیں دنیا کے کھیل تماشہ سے دور کر دیتا ہے۔

مولائے کائنات کے کلمات میں دنیا کے بارے میں موجود مختلف نگاہوں کی طرف واضح

اشارے موجود ہیں جن میں سے ہم یہاں بعض کا تذکرہ کر رہے ہیں:

﴿كَانَ لِيٰ فِيمَا مَضَىٰ أَخٌ فِي اللّٰهِ، وَكَانَ يَعْظُمُهُ فِي عَيْنِيٰ صَغْرُ الدُّنْيَا فِي

عینِهِ﴾ (۱)

”گذشتہ زمانہ میں میرا ایک بھائی تھا جس کی عظمت میری نگاہوں میں اس لئے تھی کہ دنیا

اسکی نگاہ میں حیرتی تھی“

دنیا کی توصیف میں آپ فرماتے ہیں:

﴿مَا أَصْفَ مِنْ دَارًا وَلَا هَاعِنَاءَ، وَآخِرُهَا فَنَاءٌ، فِي حَلَالِهَا حِسَابٌ، وَفِي

حرامِہا عِقَابٌ، مِنْ أَسْتَغْنَىٰ فِيهَا فُقْنٌ، وَمِنْ افْتَقَرَ فِيهَا حَزْنٌ﴾ (۲)

”میں اس دنیا کے بارے میں کیا کہوں جسکی ابتداء رنج و خم اور انتہا فنا و نیستی ہے اسکے حلال میں حساب اور حرام میں عقاب ہے۔ جو اس میں غنی ہو جاتا ہے وہ آزمائشوں میں بہتا ہو جاتا ہے اور جو فقیر ہو جاتا ہے وہ رنجیدہ و افسردہ ہو جاتا ہے“

(۱) نجاح البلاغہ حکمت ۲۸۹۔

(۲) نجاح البلاغہ خطبہ ۸۲۔

یہی رخ دنیا کا باطنی رخ اور وہ وقت نظر ہے جو دنیا کے باطن میں جھانک کر دیکھ لیتی ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں:

﴿مِنْ سَاعَاهَا فَأَتَهُ، وَمِنْ قَعْدَعْنَهَا وَأَتَهُ﴾ (۱)

”جو اسکی طرف دوڑ لگاتا ہے اسکے ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور جو منہ پھیر کر بیٹھ رہے اسکے پاس حاضر ہو جاتی ہے۔“

دنیا سے انسانی لگاؤ کے بارے میں خداوند عالم کی یہ ایک سنت ہے جس میں کبھی بھی خلل یا تغیر پیدا نہیں ہو سکتا ہے چنانچہ جو شخص دنیا کی طرف دوڑ لگائے گا اور اسکے لئے سعی کریگا اور اسکی قربت اختیار کریگا تو وہ اسے تھکا ڈالے گی۔ اور اسکی طبع کی وجہ سے اسکی نہایں مسلسل اسکی طرف اٹھتی رہیں گی۔ چنانچہ اسے جب بھی کوئی رزق نصیب ہو گا تو اسے اس سے آگے کی فکر لاحق ہو جائیگی۔ اور وہ اسکے لئے کوشش شروع کر دیگا مختصر یہ کہ وہ دنیا کا ساتھی ہے اور اسکے چیزوں پر دوڑ لگاتا رہے گا مگر اسے دنیا میں اسکا مقصد ملنے والا نہیں ہے۔

البتہ جو دنیا کی تلاش اور طلب میں صبر و حوصلہ سے کام لکھر میانہ روی اختیار کریگا تو دنیا خود اسکے قدموں میں آ کر اسکی اطاعت کرے گی اور وہ آسانی اپنی آرزو تک پہنچ جائے گا۔

پھر آپ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مِنْ أَبْصَرَ بَهَا بَصَرَتْهُ، وَمِنْ أَبْصَرَ إِلَيْهَا أَعْمَتْهُ﴾ (۲)

”جو اسکو ذریعہ بنائے گے دیکھتا رہے اسے بینا بنا دیتی ہے اور جو اسکو منتظر نظر بنایتا ہے اسے انداھا کر دیتی ہے۔“

(۱) تفسیر البلاغ خطبہ ۸۲۔

(۲) گذشتہ حوالہ۔

خواہیں! احادیث الہبیت کی روشنی میں.....

سید رضی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی تشریع فرمائی ہے: کہ اگر کوئی شخص حضرت کے اس ارشاد گرامی (من ابصربها بصرته) میں غور و فکر کرے تو عجیب و غریب معانی اور دروس حقائق کا دراک کر لے گا جن کی بلندیوں اور گھرائیوں کا ادراک ممکن نہیں ہے۔

مولائے کائنات نے دنیا کے بارے میں نگاہ کے ان دنوں زاویوں کا تذکرہ فرمایا ہے جس میں سے ایک یہ ہے ”کہ دنیا کو ذریعہ بنائ کر آگے دیکھا جائے“ اس نگاہ میں عبرت پائی جاتی ہے اور دوسرا زاویہ نظر یہ ہے کہ انسان دنیا کو اپنا منظور نظر اور اصل مقصد بنالے اس نگاہ کا نتیجہ دھوکہ اور فریب ہے جسکی وضاحت کچھ اس طرح ہے:

یہ دنیا کبھی انسان کے لئے ایک ایسا آئینہ بن جاتی ہے جس میں وہ مختلف تصویریں دیکھتا ہے اور کبھی اسکی نظر خود اسی دنیا پر گلی رہتی ہے۔

چنانچہ جب دنیا انسان کے لئے ایک آئینہ کی مانند ہوتی ہے جس میں جاہلیت کے تمدن اور زمین پر فساد برپا کرنے والے ان مستکرین کا پیڑہ بخوبی دیکھ لیتا ہے جن کو خدا نے اپنے عذاب کا مزہ اچھی طرح چکھا دیا۔۔۔ تو یہ نگاہ، عبرت و نصحت کی نگاہ بن جاتی ہے۔

لیکن جب دنیا انسان کے لئے کل مقصد حیات کی شکل اختیار کر لے اور وہ ہمیشہ اسی نگاہ سے اسے دیکھتا ہے تو دنیا اسے ہوئی وہوں اور فتوں میں بٹلا کر کے انہا کر دیتی ہے اور وہ اسے بہت ہی سربراہ و شیرین دکھائی دیتی ہے۔

اس طرح پہلی نگاہ میں عبرت کا مادہ پایا جاتا ہے اور دوسرا نظر میں فتنہ و فریب کا مادہ ہوتا ہے۔ پہلی نگاہ میں فقط بصیرت پائی جاتی ہے جبکہ دوسرا نظر میں عیاری اور دھوکہ ہے۔

انہیں جملوں کی شرح کے بارے میں ابن الحجر بدکا پیان ہے کہ جب میں نے حضرت کے یہ جملات پڑھتے تو اسکی تشریع میں یہ دعا شعار کہے:

دُنْيَاكَ مِثْلُ الشَّمْسِ تَدْنِي إِلَى يَكْ الصَّوْءِ لَكُنْ دُعَوَةُ الْمَهْلَكِ

ان اُنتِ ابصُرتِ الٰی نورِ ها تَعْشُ و ان تُبَصِّر به تدرِک
تمہاری دنیا کی مثال اس سورج جیسی ہے جس کی ضیاء تھمارے سامنے ہے لیکن ایک مہلک
انداز میں کہ اگر تم اس (نور) کی طرف دیکھو گے تو تمہاری نگاہ میں خیرگی پیدا ہو جائیگی اور اگر اسکے
ذریعہ کسی چیز کو دیکھنا چاہو گے تو اسے دیکھ لو گے۔

اسی زاویہ نگاہ کی بنیاد پر مولائے کائنات نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿... جعل لکم أسماعاً لتعي ما عندها، أبصاراً لتجلو عن عشاها... و كان

الرشد في احراز دنياها...﴾ (۱)

”اس نے تمہیں کان عطا کئے ہیں تاکہ ضروری باقتوں کو سینیں اور آنکھیں دی ہیں تاکہ بے
بصری میں روشنی عطا کریں۔۔۔ اور تمہارے لئے پاضی میں گذر جانے والوں کے آثار میں عبرتیں
فرافہم کر دیں۔۔۔ لیکن موت نے انہیں امیدوں کی تھیں سے پہلے ہی گرفتار کر لیا۔۔۔ انہوں نے
بدن کی سلامتی کے وقت کوئی تیاری نہیں کی تھی اور ابتدائی اوقات میں کوئی عبرت حاصل نہیں کی تھی
۔۔۔ تو کیا آجٹک بھی اقرباء نے موت کودفع کیا ہے یا فریاد کسی کے کام آئی ہے (ہرگز نہیں) مرنے
والے کو قبرستان میں گرفتار کر دیا گیا ہے اور تنگی قبر میں تنہا چھوڑ دیا گیا ہے اس عالم میں کہ کیڑے
مکوڑے اسکی جلد کو پارہ کر رہے ہیں۔۔۔ اور آندھیوں نے اسکے آثار کو مٹا دیا ہے اور روزگار کے
حوادث نے نشانات کو جو کر دیا ہے۔۔۔ تو کیا تم لوگ انہیں آباء و اجداد کی اولاد نہیں ہو اور کیا انہیں
کے بھائی بندے نہیں ہو کہ پھر انہیں کے نقش قدم پر چلے جا رہے ہو اور انہیں کے طریقے کو اپنانے
ہوئے ہو اور انہیں کے راستے پر گامزن ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ دل اپنا حصہ حاصل کرنے میں خست
ہو گئے ہیں اور راہ ہدایت سے غافل ہو گئے ہیں غلط امید انوں میں قدم جمائے ہوئے ہیں ایسا معلوم

خواہیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

ہوتا ہے کہ اللہ کا مخاطب ان کے علاوہ کوئی اور ہے اور شاید ساری عقولندی دنیا ہی کے جمع کر لینے میں ہے۔

اس بارے میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿وَإِنَّمَا الدُّنْيَا مُتَهَيٰ بِبَصَرِ الْأَعْمَى، لَا يَصْرِمُ مَا وَرَاءَهَا شَيْئًا، وَالْبَصِيرُ يَنْفَذُهَا بَصَرَهُ، وَيَعْلَمُ أَنَّ الدَّارَ وَرَاهِنَاهَا، فَالْبَصِيرُ مِنْهَا شَاخِصٌ، وَالْأَعْمَى إِلَيْهَا شَاخِصٌ، وَالْبَصِيرُ مِنْهَا مَتْزُودٌ، وَالْأَعْمَى لَهَا مَتْزُودٌ﴾ (۱)

”یہ دنیا اندھے کی بصارت کی آخری منزل ہے جو اسکے ماوراء کچھ نہیں دیکھتا ہے جبکہ صاحب بصیرت اس سے کوچ کرنے والا ہے اور انہا اسکی طرف کوچ کرنے والا ہے بصیر اس سے زادراہ فراہم کرنے والا ہے اور انہا اسکے لئے زادراہ اکٹھا کرنے والا ہے“

واقعاً انہا وہی ہے جس کی نگاہیں دنیا سے آگے نہ دیکھ سکیں اور وہ اس سے وابستہ ہو کر رہ جائے (اس طرح دنیا اندھے کی نگاہ کی آخری منزل ہے) لیکن صاحب بصیرت وہ ہے جسکی نگاہیں ماوراء دنیا کا نظارہ کر لیتی ہیں اور اس کی عاقبت کو دیکھ لیتی ہیں آخرت اسکی نظروں کے سامنے ہے ہندا (اسکی نگاہیں) اور اسکے قدم اس دنیا پر نہیں ٹھہرتے بلکہ وہ اس سے عبرت حاصل کر کے آگے کی طرف کوچ کر جاتا ہے۔

ابن الجدید نے اس جملہ کی مذکورہ مترجم کے علاوہ ایک اور حسین تشریح کی ہے جس کے الفاظ کچھ یوں ہیں۔ دنیا اور ما بعد دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے انہا کسی خیالی تاریکی کا تصور کرتا ہے اور یہ تصور کرتا ہے کہ وہ اس تاریکی، کو محوس کر رہا ہے جبکہ وہ واقعاً اس کا احساس نہیں کر پاتا بلکہ وہ عدم ضیاء ہے (وہاں نور کا وجود نہیں ہے) بالکل اس طرح جیسے کوئی شخص کسی بجگ و تاریک گڑھ میں گھس

جائے اور تاریکی کا خیال کرے مگر اسے کچھ نہ دکھائی دے اور اسکی نگاہیں کسی چیز کا مشاہدہ کرتے وقت کام نہیں کر پاتیں مگر وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ تاریکی و ظلمت کو دیکھ رہا ہے۔ لیکن جو شخص روشنی میں کسی چیز کو دیکھتا ہے اسکی بصارت (نگاہ) کام کرتی ہے اور وہ واقعہاً محسوسات کو دیکھتا ہے۔ چنانچہ دنیا اور آخرت کی بھی بالکل یہی حالت ہے: کیونکہ اہل دنیا کی نگاہوں کی آخری منزل اور ان کی پہنچ صرف ان کی دنیا تک ہے۔ اور ان کا خیال یہ ہے کہ وہ کچھ دیکھ رہے ہیں جبکہ واقعہاً نہیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیتا ہے اور نہ ان کے حواس کسی چیز کے اوپر کام کرتے ہیں۔ لیکن اہل آخرت کی نگاہیں بہت کارگر ہیں اور انہوں نے آخرت کو باقاعدہ دیکھ لیا ہے لہذا دنیا پر ان کی نگاہیں نہیں مخفیتی ہیں، تو درحقیقت یہی حضرات صاحبان بصارت ہیں۔^(۱)

طرز نگاہ کا صحیح طریقہ کار

جس طرح انسان کے تمام اعمال و حرکات میں کچھ صحیح ہوتے ہیں اور کچھ غلط۔ اسی طرح کسی چیز کے بارے میں اسکا طرز نگاہ بھی صحیح یا غلط ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے رفتار و کردار کے صحیح طریقوں کی تعلیم دیتے ہوئے صحیح طرز نگاہ کی تعلیم ان الفاظ میں دی ہے:

﴿وَلَا تَمْدُنَ عَيْنِيكَ إِلَىٰ مَا مَتَعْنَابِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

لَفْتَنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَى﴾^(۲)

”اور خبردار ہم نے ان میں سے بعض لوگوں کو جوز نہ گانی دنیا کی رونق سے مالا مال کر دیا ہے اسکی طرف آپ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں کہ یہ ان کی آزمائش کا ذریعہ ہے اور آپ کے پروردگار کا رزق اس سے کہیں زیادہ بہتر اور پائیدار ہے“

(۱) شرح حجۃ البلاغاء بن ابی الحدید ص ۲۷۶۔

(۲) سورہ طہ آیت ۱۳۱۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

نظر انھا کرد یکنا بھی کسی چیز کو دیکھنے کا ایک طریقہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی نگاہ اس ماں و دولت اور رزق کے اوپر پڑتی رہے جو خداوند عالم نے دوسروں کو عنایت فرمائی ہے اس مدنظر (نگاہیں انھا کرد یکھنے) میں اپنی حد سے تجاوز کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ گویا انسان کی نگاہیں اپنے پاس موجود خداوند عالم کی عطا کردہ نعمتوں سے تجاوز کر کے دوسروں کے دنیاوی راحت و آرام اور نعمتوں کی سمت اٹھتی رہیں اور مسلسل انہیں پر جمی رہیں۔

حد سے یہ تجاوز ہی انسانی مشکلات اور عذاب کا سرچشمہ ہے۔۔۔ کیونکہ جب تک خداوند عالم اسے ماں نہ دیگا اسے مسلسل اسکی تمنا رہے گی اور وہ اسکے لئے کوشش کرتا رہے گا۔ اور جب خداوند عالم اسے اس نعمت سے نواز دیگا تو پھر وہ ان دوسری نعمتوں کی خواہش اور تمنا شروع کر دیگا جو دوسروں کے پاس ہیں اور اسکے پاس نہیں ہیں۔۔۔ اور اس طرح دنیا سے اسکی واپسی اور اسکے لئے سعی و کوشش میں دوام پیدا ہو جاتا ہے۔ (جیسا کہ مولاۓ کائناتؐ نے ارشاد فرمایا ہے) نیزاؑ کے پیچھے دوڑنے سے عذاب مزید طولانی ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آخری مقصد تک نہیں پہنچ پاتا ہے، دنیا کے بارے میں اس طرز نگاہ سے انسان کو یا سدھرت کے علاوہ اور کچھ ہاتھ آنے والا نہیں ہے۔

واضح رہے کہ لوگوں کے پاس موجود نعمتوں پر نگاہیں نہ جمانے اور ان کی طرف توجہ نہ کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انسان سمجھی و کوشش اور محنت و مشقت کرنا ہی چھوڑ دے کیونکہ ایک مسلمان ہمیشہ متحرک رہتا ہے۔ مگر لوگوں کے پاس موجود نعمتوں کو دیکھ کر سدرت اور غصہ کے گھونٹ پینے کی وجہ سے نہیں۔ مختصر یہ کہ: کسی بھی چیز کے بارے میں انسان کی طرز نگاہ اسکے نفس کی سلامتی یا بر بادی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ کیونکہ بھی کبھی ایک نظر انسان کی روح کو آلوہ اور گندھلا بنا دیتی ہے اور اسے ایک طولانی مصیبت اور عذاب میں بستلا کر دیتی ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے:

(﴿رَبِّ نَظَرَةٍ تُورَثُ حَسْرَةً﴾) (۱)

”لتنی نگاہوں سے حسرت ہی ہاتھ آتی ہے“

جبکہ کبھی بھی یہی نگاہ انسان کی استقامت اور استحکام عمل کا سرچشمہ قرار پاتی ہے بیشک
اسلام میں ”نگاہ و نظر“ سے منع نہیں کرتا ہے بلکہ ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ کسی بھی چیز کے بارے میں ہمارا
زاویہ نگاہ کیا ہونا چاہئے!

نفس کے اوپر طرز نگاہ کے اثرات اور نقوش

محبت یا زہد دنیا

انسان اپنی زندگی میں کسی چیز کے بارے میں چاہے جو طرز نگاہ اپنالے اسکے کچھ نہ کچھ ثابت
یا منقی (ایجھے یا برے) اثرات ضرور پیدا ہوتے ہیں اور انسان اسی زاویہ دید کے مطابق اسکی طرف
قدم اٹھاتا ہے اس طرح انسان دنیا کے بارے میں چاہے جو زاویہ نگاہ رکھتا ہو یا اسے جس زاویہ نگاہ
سے دیکھتا ہو اسکے فکر و خیال اور رفتار و کردار حتیٰ اسکے نفس کے اوپر اسکے واضح آثار و متأخ نقوش نظر
آئیں گے جن میں اس وقت تک کسی قسم کا تغیر یا تبدلی ممکن نہیں ہے جب تک انسان اپنا انداز فکر
تبدیل نہ کرے۔

اس حقیقت کی بحیداہمیت ہے اور یہ اسلامی نظام تربیت کی ریڑھ کی ہڈی کا ایک حصہ ہے
اسی بنیاد پر ہم دنیا کے بارے میں سطحی طرز نگاہ۔ (وجود دنیا سے آگے نہیں دیکھتی) اور جسے مولا نے
کائنات نے۔ ﴿الابصَارُ إِلَى الدُّنْيَا﴾ دنیا کو منظور نظر بنا کر دیکھنے سے تعبیر کیا ہے۔۔۔ اور دنیا
کے بارے میں عیق طرز نگاہ جسے امیر المؤمنینؑ نے ﴿ابصَارٌ بِالدُّنْيَا﴾ دنیا کو ذریعہ بنا کر دیکھنے سے
تعبیر کیا ہے ان دونوں کے نفیاتی اور عملی اثرات کا جائزہ پیش کریں گے البتہ ان دونوں نگاہوں کا

(۱) وسائل الشیعہ ج ۱۳۸ ص ۵۵۹۔ فروع کافی ج ۵ ص ۵۵۹۔ میران الحکمت ج ۱۰۔

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

سب سے بڑا اثر حب دنیا یا زہد دنیا ہے۔۔۔ کیونکہ حب دنیا دراصل دنیا کے بارے میں سطحی طرز نگاہ کافطری نتیجہ ہے اور زہد دنیا اسکے بارے میں عین طرز نگاہ کافطری نتیجہ ہے۔
لہذا اس مقام پر ہم انسانی زندگی کی ان دونوں حالتوں پر روشنی ڈال رہے ہیں۔

حب دنیا

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ حب دنیا دراصل دنیا کے بارے میں سطحی انداز لکھ کر کا نتیجہ ہے اور اس انداز نگاہ میں ماورائے دنیا کو دیکھنے کی طاقت نہیں پائی جاتی ہے لہذا یہ دنیا کی زنگینیوں اور آسانشوں تک محدود رہتی ہے اور اسی کی طرف متوجہ کرتی رہتی ہے۔ جبکہ زہد پارسائی، دنیا کے بارے میں باریک بینی اور وقت نظر کا نتیجہ ہے۔

حب دنیا ہر برائی کا سرچشمہ

انسانی زندگی میں حب دنیا ہی ہر برائی اور شر و فساد کا سرچشمہ ہے چنانچہ حیات انسانی میں کوئی برائی اور مشکل ایسی نہیں ہے جسکی کل بنیاد یا اسکی کچھ حصہ کچھ وجہ حب دنیا شہ ہو!

رسول اکرم ﷺ:

﴿حب الدنیا اصل کل معصیۃ، وأول کل ذنب﴾ (۱)

”دنیا کی محبت ہر معصیت کی بنیاد اور ہر گناہ کی ابتداء ہے“

حضرت علیؑ کا فرمان ہے:

﴿حب الدنیا رأس الفتنة وأصل المحن﴾ (۲)

(۱) میزان الحکمت ج ۳ ص ۲۹۳۔

(۲) غر راحمہ ج ۱ ص ۳۲۲۔

اُنکی دنیا کو مزین کر دوں گا.....

۲۲۱

”محبت دنیا فتنوں کا سر اور زحمتوں کی اصل بنیاد ہے“

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:

(درأس کل خطبۃ حب الدنیا) (۱)

”ہر براہی کی ابتدا (سرچشمہ) دنیا کی محبت ہے“

حب دنیا کا نتیجہ کفر؟

حب دنیا کا سب سے خطرناک نتیجہ کفر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں محبت دنیا اور کفر کے درمیان موجود رابطہ اور حب دنیا کے خطرناک تنازع کا تذکرہ بار بار کیا گیا ہے۔

۱۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

(۱) وَلَكُنْ مِنْ شَرِّ حَسْرٍ بِالْكُفُرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غُصْبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

ذلک بِأَنَّهُمْ أَسْتَحْبُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (۲)

”لیکن جو شخص کفر کے لئے سینہ کشادہ رکھتا ہو ان کے اوپر خدا کا غضب ہے اور اسکے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے زندگانی دنیا کو آخرت پر مقدم کیا اور اللہ، خالق قوموں کو ہرگز ہدایت نہیں دیتا ہے“

اس آیے کریمہ میں صرف کفر ہی کو حب دنیا کا اشتبہ قرار دیا گیا ہے بلکہ آیے کریمہ نے اس سے کہیں آگے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ حب دنیا سے کفر کیلئے سینہ کشادہ ہو جاتا ہے اور انسان اپنے کفر پر اطمینان خاطر پیدا کر لیتا ہے اور اسکے لئے کھلے دل (سعہ صدر) کا مظاہرہ کرتا ہے اور یہ صورت حال کفر سے بھی بدتر ہے ایسے لوگوں پر خداوند عالم غضبناک ہوتا ہے اور انھیں اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔

(۱) بخار الانوار ج ۲۳ ص ۷۸۔

(۲) سورہ قل آیت ۱۰۶۔ ۱۰۷۔

۳۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَوِيلٌ لِّلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ الَّذِينَ يَسْتَحْبُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَىَ الْآخِرَةِ وَيَصْدُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَغْفُونَهَا عَوْجَاهُ﴾ (۱)

”اور کافروں کے لئے تو خت ترین اور افسوسناک عذاب ہے وہ لوگ جو زندگانی دنیا کو آخترت کے مقابلے میں پسند کرتے ہیں اور لوگوں کو راہ خدا سے روکتے ہیں اور اس میں کبھی پیدا کرنا چاہتے ہیں“ اس آیے کریمہ میں حب دنیا اور کفر یا راہ خدا سے روکنے کے درمیان موجود رابطہ کا بخوبی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

حب دنیا کے نفیاتی اور عملی آثار

حب دنیا سے انسان کے کردار و عمل پر بے شمار اثرات پڑتے ہیں جن میں سے ہم بعض آثار کی وضاحت پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ طولانی آرزو

اکیس کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ لمبی آرزو میں بھی حب دنیا کا ایک اثر ہیں۔ کیونکہ جب انسان دنیا کا ذلدار وہ ہو جاتا ہے اور اس سے وابستہ ہو کر رہ جاتا ہے تو اسکی آرزو میں بھی بہت طولانی ہو جاتی ہیں یہ ہے تصویر کا پہلا رخ۔

تصویر کا دوسرا رخ ایسے ہے کہ جملکی آرزو میں زیادہ ہو جاتی ہیں وہ موت کو بہت کم یاد رکھتا ہے اور آخترت کیلئے اسکی تیاری اور اس کا عمل کم ہو جاتا ہے جملکی طرف روایات میں باقاعدہ متوجہ کیا گیا ہے حضرت علیؓ کے مندرجہ ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

﴿مَا أَطَالَ عَبْدًا الْأَمْلُ، إِلَّا أَسَاءَ الْعَمَلُ﴾ (۱)

”کسی شخص نے اپنی آرزوئی میں کیسی بھی کام کر لیا کہ اس نے اپنا عمل خراب کر لیا“

آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے:

﴿أَكْثَرُ النَّاسِ أَمْلَأُوا أَقْلَاهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْرًا﴾ (۲)

”لبی آرزو رکھنے والے لوگ موت کو سب سے کم یاد کرتے ہیں“

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿أَطْوَلُ النَّاسِ أَمْلَأُوا أَسْوَأَهُمْ عَمَلًا﴾ (۳)

”جسکی آرزوئیں سب سے زیادہ ہوتی ہیں اسکا عمل سب سے بدتر ہوتا ہے“

تیرارخ یہ ہے! کہ جسکی آرزوئیں لمبی ہوتی ہیں وہ انہیں کو اپنے لئے سکون و اطمینان کا سب سمجھ لیتا ہے جبکہ اس دنیا کو خود ہی قرار نہیں ہے۔ مگر وہ اس سے وابستہ ہو کر اسی سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ جسکی تفصیل آپ مندرجہ ذیل سطروں میں ملاحظہ فرمائے گے۔

۲۔ دنیا پر اعتماد اور اطمینان

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ دنیا کے بارے میں لمبی لمبی آرزوئیں اسکی محبت اور اس سے خوش و خرم رہنے سے دنیا پر اطمینان و اعتماد پیدا ہوتا ہے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَأَطْمَأْنُوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ

عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ هُنَّ أُولَئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (۴)

(۱) بخاری انوار ج ۲ ص ۱۶۶۔

(۲) غر راحم ح اص ۱۹۰۔

(۳) گذشت حوالہ۔

(۴) سورہ یونس آیت ۷۔ ۸۔

خواہشیں! احادیث الحبیت کی روشنی میں

”یقیناً جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ہیں اور زندگانی دنیا پر راضی اور مطمئن ہو گئے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں یہ سب وہ ہیں جنکے اعمال کی بناء پر انکاٹھ کانا جنم ہے“
دنیا کے اوپر اس جھوٹے بھروسہ کی وجہ سے انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہمیشہ اسی دار دنیا میں رہنا ہے جبکہ یہ باقی رہنے والی نہیں ہے بلکہ یہ تو وہ پونجی ہے جو بہت جلد فنا کے گھاث اتر جائیگی۔ درحقیقت دار قرار و بقاء تو جنت ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿وَفِرَحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ الْامْتَاعُ﴾ (۱)

”یہ لوگ صرف زندگانی دنیا پر خوش ہو گئے ہیں حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں زندگانی دنیا صرف ایک وقتی لذت کا درجہ رکھتی ہے۔“
یادوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿يَا قَوْمَ إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ﴾ (۲)

”قوم والوا باید رکھو کہ یہ حیات دنیا صرف چند روزہ لذت ہے اور ہمیشہ رہنے کا گھر صرف آخرت کا گھر ہے“

محض تحریر یہ کہ دنیا ختم ہو جانے والی پونجی ہے مگر آخرت ہمیشہ باقی رہنے والا سرمایہ ہے جبکہ اسکے برخلاف جو لوگ دنیا پر بھروسہ کے بیٹھے ہیں اور اس کی محبت ان کے دلوں میں بسی ہوئی ہے اور وہ اسی پر خوش ہیں وہ درحقیقت دنیا کی ابدیت اور بقاء کی خام خیالی کے دھوکہ میں بٹلا ہیں۔

حضرت علیؑ سے اس حدیث قدسی کی روایت کی گئی ہے کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿عَجَبَ لِمَنْ يَرَى الْدُّنْيَا وَتَصْرِيفُ أَهْلِهَا حَالًا بَعْدَ حَالٍ، كَيْفَ يَطْمَئِنُ إِلَيْهَا﴾ (۳)

(۱) سورہ رعد آیت ۲۶۔

(۲) سورہ غافر آیت ۳۹۔

(۳) بخار الانوار ج ۲ ص ۹۷۔

”مجھے اس شخص کے اوپر تجھ بہے جو دنیا اور اسکے الٹ پھیر کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہتا ہے پھر بھی وہ اس کے اوپر کیسے بھروسہ کر لیتا ہے؟“

یا خداوند عالم نے جناب موسیٰ کی طرف یہ وحی نازل فرمائی تھی:

﴿يَا مُوسَىٰ لَا تَرْكِنِ الْأَيْدِيَ الدُّنْيَا رَكْنَ الظَّالِمِينَ، وَرَكْنٌ مَنْ اتَّخَذَهَا أَمَّا وَآبَاءُ، وَاتَّرَكَ مِنَ الدُّنْيَا مَا يَبْلُغُ الْفَنِيُّ عَنْهُ﴾ (۱)

”اے موسیٰ دنیا سے اس طرح دل نہ لگاؤ جس طرح ظالمین دنیا کے دلدادوں ہیں یا جن لوگوں نے اس کو اپنی ماں یا اپنا باپ سمجھ رکھا ہے اور دنیا کو ایسے ترک کر دو جیسے تمہیں اُسکی ضرورت ہی نہیں ہے“ درحقیقت یہ ایک صاف اور شفاف تعبیر ہے کہ جس طرح ایک بچہ اپنے ماں باپ کے اوپر بھروسہ کرتا ہے اسی طرح بہت سارے لوگ دنیا پر بھروسہ رکھتے ہیں جبکہ انہیں اسکے تقریبات کا بخوبی علم ہے۔ جبکہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو دنیا کے کھیل تماشے یا اسکی رنگینیوں اور اسباب راحت جیسے فضولیات کی اوقات کو بخوبی سمجھتے ہیں اور اس سے دھوکہ نہیں کھاتے اور یہ حضرات اُسکی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کے بجائے حقیقی زندگی کی تلاش میں صراط مستقیم پر چلتے رہتے ہیں کیونکہ واقعی اور حقیقی زندگی دراصل آخرت کی زندگی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَوْمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوَ لَعْبٌ وَانَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لِهُيِ الْحَيَاةُ ...﴾ (۲)

”اور یہ دنیاوی زندگی تو کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں اور آخرت کا گھر ہمیشہ کی زندگی کا مرکز ہے...“

۳۔ دنیاوی زندگی کو آخرت پر مقدم کرنا

یہ بھی حب دنیا کا ہی ایک نتیجہ ہے کیونکہ جب انسان حد سے زیادہ محبت دنیا کا دلدادوہ ہو جاتا

(۱) بخار الانوار ج ۱۳ ص ۳۵۲ و وج ۲۷۳ ص ۷۲۔

(۲) سورہ عکبوت آیت ۶۳۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

ہے تو وہ اسکو آخرت پر ترجیح دینے لگتا جسکی طرف خداوند عالم نے قرآن مجید میں یوں اشارہ کیا ہے:

﴿فَأَمَا مِنْ طَغْيَىٰ وَآثْرَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَاوِىٰ﴾ (۱)

”پھر جس نے سرکشی کی ہے اور زندگانی دنیا کو اختیار کیا ہے جہنم اسکا نٹھکا نا ہو گا“

﴿بَلْ تَؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾ (۲)

”لیکن تم لوگ زندگانی دنیا کو مقدم رکھتے ہو جبکہ آخرت مقدم اور ہمیشہ رہنے والی ہے“

درحقیقت ان لوگوں کو صرف دنیا چاہئے اور دنیا کو آخرت پر اسی وقت ترجیح دی جاسکتی ہے کہ جب ان دونوں کے درمیان تکرار اوپریدا ہو جائے کیونکہ یہ طے شدہ ہے کہ جب ان دونوں کے درمیان تکرار اوپریدا ہو گا تو ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا پڑیگا یعنی یا صرف دنیا کو لے لیا جائے اور یا صرف آخرت کو؟ اور کیونکہ ان لوگوں نے آخرت کو چھوڑ کر دنیا کو اپنالیا ہے لہذا اب انہیں دنیاوی زندگی کے علاوہ کسی اور چیز کی خواہش نہیں ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿فَأَعْرَضْ عَنْ تَوْلَىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يَرِدْ إِلَّا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا﴾ (۳)

”لہذا جو شخص بھی ہمارے ذکر سے منہ پھیرے اور زندگانی دنیا کے علاوہ کچھ نہ چاہے، آپ بھی اس سے کنارہ کش ہو جائیں“

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے دنیا کے بد لے اپنی آخرت کو بیچ ڈالا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿أُولُّ ثُلُثَ الَّذِينَ اشْتَرَوُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالآخِرَةِ﴾ (۴)

”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کو دے کر دنیا خریدی ہے“

(۱) سورہ نازعات آیت ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔

(۲) سورہ اعلیٰ آیت ۱۶، ۱۷۔

(۳) سورہ جہنم آیت ۲۹۔

(۴) سورہ بقرہ آیت ۸۶۔

اسی بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ سے یہ روایت ہے:

﴿مَنْ عَرَضَ لِهِ دُنْيَا وَآخِرَةً، فَاخْتَارَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ، لِقَاءُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَيْسَ لَهُ حَسَنَةٌ يَتَفَقَّى بِهَا النَّارُ، وَمَنْ أَخْذَ الْآخِرَةَ وَتَرَكَ الدُّنْيَا لِقَاءُ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ راضٍ عَنْهُ﴾ (۱)

”جس کے سامنے دنیا اور آخرت دونوں کو پیش کیا جائے اور وہ آخرت کو چھوڑ کر دنیا کو اپنا لے تو جب وہ خداوند عالم کی بارگاہ میں پہنچ گا تو اسکے نامہ عمل میں کوئی ایسی نیکی نہ ہو گی جو اسے جہنم سے بچا سکے اور جو شخص دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو اپنا لے جب وہ روز قیامت خداوند عالم سے ملاقات کر گا تو وہ اس سے راضی رہے گا“

حضرت علیؑ :

﴿مَنْ عَبَدَ الدُّنْيَا وَأَثْرَهَا عَلَى الْآخِرَةِ اسْتُؤْخِمُ الْعَاقِبَةَ﴾ (۲)

”جود دنیا کا پچاری ہو گیا اور اس نے اسے (دنیا کو) آخرت پر ترجیح دی ہے اس نے اپنی عاقبت بگاڑلی“

حضرت علیؑ :

﴿لَا يَتَرَكَ النَّاسُ شَيْئًا مِّنْ أَمْرِ دِينِهِمْ لَا سَطْرَاحَ دُنْيَا هُمْ إِلَّا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُوَ أَضَرَّ مِنْهُ﴾ (۳)

”لوگ اپنی دنیا کی بھلائی کے لئے اپنے دین کا کوئی کام ترک نہیں کرتے مگر یہ کہ خداوند عالم ان کے سامنے اس سے زیادہ مضر و روازہ کھول دیتا ہے“

(۱) بخار الانوار ج ۶ ص ۲۶۳ و ج ۲۷۳ ص ۱۰۳۔

(۲) بخار الانوار ج ۳ ص ۱۰۳۔

(۳) بخار الانوار ج ۰ ص ۷۸۔

آپ ہی سے یہ بھی سروی ہے:

﴿مَنْ لَمْ يَبَلِ مَارِزَءُ مَنْ آخْرَتْهُ إِذَا سَلَّمَتْ لَهُ دُنْيَا هُوَ هَالُكٌ﴾ (۱)

”اگر کسی کی دنیا سالم ہو اور اسے یہ فکر نہ ہو کہ اس نے اپنی آخرت کے لئے کیا حاصل کیا تو

وہ بلاک ہونے والا ہے“

آخرت کی نعمتوں کے لئے دنیا ہی میں محلت پسندی

جب دنیا کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ انسان آخرت کی نعمتوں کو دنیا میں ہی حاصل کرنے کے لئے عجلت سے کام لیتا ہے کیونکہ خداوند عالم نے انسان کو درحقیقت جنت کی نعمتوں سے لطف اندوڑ ہونے کے لئے پیدا کیا ہے لہذا جب انسان دنیا کا مدداد ہو جاتا ہے اور اسکی لذتوں اور نعمتوں پر اکتفاء کر بیٹھتا ہے تو گویا اسے دنیا میں ہی آخرت کی تمام نعمتوں حاصل کر لینے کی جلدی ہے جیسے کوئی انسان جلدی غلہ یا پھل تو زن کی فکر میں اسے خامہ اور کچھ ہی توزیلتا ہے یا وہ بچھ جو بزرگی اور بڑھاپے کے درمیں راحت و آرام کو سنبھل ہی حاصل کرنے کے لئے کھیل کو میں وقت گزار دیتا ہے اور اپنی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا لیکن اسکے اوپر مستقبل (بڑھاپے اور اچھیرین) کے راحت و آرام کو قریباً کر دالتا ہے جس کی تصور کر شی اس آئی کریں نے لئے جس میں انداز میں کی ہے (۲)

(۱) بخار الانوار ج ۷ ص ۲۷۶۔

(۲) اس تحقیق کا موضوع درحقیقت دنیا اور آخرت کے لگاؤ کے وقت ہے لیکن ”حدود الہی“ اور دنیا کا کفر اور چنانچہ

حدود اور احکام الہی کی پاسندی کا لازمہ دنیا کی بعض اپنی چیزوں سے محروم ہے اور دنیا سے لگاؤ کا لازمی تجویز ہے کہ انسان بعض حدود الہی سے تجاوز کر جائے اس مرحلہ پر انسان دنیا اور آخرت کے درمیں پرکھا ہوتا ہے اور یہ درحقیقت محرومی نہیں ہے چونکہ جب انسان حدود الہی کا پابند ہو جاتا ہے تو پرکھا اسکو آخرت کی نعمتوں جو کمال و دام و ترقی اور باقی رہنے والی ہیں دنیا چاہتا ہے لیکن انسان ان کو دنیا ہی میں پانے کے لئے جلدی کرتا ہے اور ان کو اچاک حاصل کر لیتا ہے جو نیکت ہوئی ہیں اور یہ بہت جلد اُکل ہو جاتے والی بچھی ہے اور اس میں بے شمار مشکلات اور خطرات پائے جاتے ہیں۔

جب ہم اسلامی نصوص میں خور و گھر کرتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قاعدہ کسی حد تک دنیا کی علاں چیزوں پر بھی

منطبق ہوتا ہے لیکن مطلقاً طور پر نہیں لہذا جب کوئی انسان دنیا کی بعض علاں چیزوں میں زہاد اختیار کرتا ہے (یعنی آئندہ صفحے پر)

﴿وَيَوْمَ يَعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَبَاتَكُمْ فِي حَيَاةِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تَجْزَوُنَ عَذَابَ الْهَوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَمَا كُنْتُمْ تَفْسِدُونَ﴾ (۱)

”اور جس دن کفار جنم کے سامنے لائے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم تو اپنی دنیا کی زندگی میں اپنے مزے ازاچے اور اس میں خوبیں کرچکے تو آج تم پر ذات کا عذاب کیا جائے گا اس لئے کہ تم زمین میں اکڑا کرتے تھے اور اس لئے کہ تم بدکاریاں کرتے تھے“
اس قول الٰہی کے بارے میں توجہ فرمائیں:

﴿أَذْهَبْتُمْ طَبَاتَكُمْ فِي حَيَاةِكُمُ الدُّنْيَا﴾ (۲)

”تم تو اپنی دنیا کی زندگی میں اپنے مزے ازاچے“

جبکہ خداوند عالم نے انسان کیلئے ان بہترین نعمتوں کو آخرت میں ذخیرہ کر کے رکھا ہے اور وہی دار القرار ہے لیکن انسان اسکو چھپی طرح پختہ ہونے بلکہ ان پر پھل آنے سے پہلے ہی دنیا میں ان کی فصل کا نئے کرنے جلد بازی کرنے لگتا ہے جبکہ وہ بہت جلد تمام ہو کر گذر جانے والی ہیں۔

زود گذر

قرآن مجید نے دنیا کو اسی وجہ سے ”زود گذر“ کہا ہے کیونکہ انسان اس دنیا میں آخرت کی نعمتوں کو ان کے وقت سے پہلے ہی حاصل کر لینا چاہتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

(گذشتہ صفحے کا بقیہ) تو خداوند عالم اسکے لئے آخرت کی نعمتوں ذخیرہ کر دیتا ہے... اور شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ اسکو حاصل کر لینے کے بعد اسکے دل میں دنیا سے لگاؤ اور اسکی محبت پیدا ہو سکتی ہے۔ یا یہ حکم مومنین کے غرب طبقہ سے برادری کی بناء پر ہو... بہر حال اسکی وجہ چاہے جو بھی ہو اس قاعدہ اور خداوند عالم کے اس قول: ﴿فَلَمَنْ حَرَمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادَهِ وَالطَّيَّابَاتِ مِنِ الرِّزْقِ﴾ کے درمیان ہر لحاظ سے مطابقت پائی جاتی ہے۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءَ لَمْنَ نُرِيدَ﴾ (۱)

”اور جو شخص دنیا کا خواہاں ہو تو ہم جسے چاہتے اور جو چاہتے ہیں اسی دنیا میں سردست عطا

کر دیتے ہیں“

آیت کے آخری حصہ ﴿مَا نَشَاءَ لَمْنَ نُرِيدَ﴾ ”ہم جسے چاہتے اور جو چاہتے ہیں“ کے معنی پر توجہ کے بعد یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا میں ہی آخرت کی نعمتوں کو پانے کے لئے جلد بازی کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنی نیگلت پسندی اور بے تابی کی وجہ سے جو چاہے حاصل کر لے بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ اسکی جلد بازی کے بعد بھی خداوند عالم ہی اسے جسے چاہتا ہے اپنے اعتبار سے کمیا زیادہ رزق عطا کرتا ہے گویا رزق پھر بھی خداوند عالم کے ہاتھ میں ہے اور اس پر وہی حکم فرماتا ہے اور اس میں جلد بازی دکھانے سے انسان کا کچھ بس چلنے والا نہیں ہے۔۔۔ مگر اسکے باوجود بھی وہ آخرت کی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور جن نعمتوں کیلئے اس نے ناجائز طور پر جلد بازی کی تھی وہ کم ہو جاتی ہیں۔
اس بارے میں خداوند عالم کا یہ ارشاد بھی ہے:

﴿فَالْوَارِبَنَاعِجَلَ لَنَا قَطْنَاقِيلَ يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ (۲)

”انہوں نے کہا پروردگار روز حساب سے پہلے ہی دنیا میں ہمارا حصہ نہیں دیدے“

یا خداوند عالم کا یہ بھی ارشاد ہے: ﴿كَلَّا بَلْ تُحْتَوْنَ الْعَاجِلَةَ﴾ (۳)

”مگر (لوگ) حق تو یہ ہے کہ تم لوگ (زودگزر) دنیا کو دوست رکھتے ہو“

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

(۱) سورہ اسماء آیت ۱۸۔

(۲) سورہ حم آیت ۱۶۔

(۳) سورہ قیامت آیت ۲۰۔

(۱) ﴿اَن هُؤُلَاءِ يَعْبُدُونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذْرُونَ وَرَاءَ هُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا﴾

”یہ لوگ صرف دنیا کی نعمتوں کو پسند کرتے ہیں اور بڑے بھاری دن کو اپنے پس پشت چھوڑ دیتے ہیں“

ہم جب روایات کے اندر غور و فکر کرتے ہیں تو یہ اندرازہ ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت کے درمیان لکڑا و ہمیشہ محرومات کے میدان ہی میں نہیں ہوتا بلکہ یہ لکڑا و کبھی کبھی ”حلال“ معاملات کے درمیان بھی پیدا ہو سکتا ہے یہ نکتہ اسلامی افکار کے انوکھے نظریات میں سے ایک ہے۔

جیسا کہ روایات میں ہمیں ملتا ہے کہ چیخبر اکرم ﷺ اور آپ کے اہلیت طاہرین ”اور خداوند عالم کے دوسرے نیک اور صالح بندے دنیا کی نعمتوں کے استعمال میں افراط کو پسند نہیں کرتے تھے جو کا سبب شاید یہ ہو کہ دنیا کی نعمتوں سے زیادہ لطف اندوز ہونے سے اس کی محبت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور انسان دنیا سے مزید وابستہ ہو جاتا ہے کیونکہ دنیا کی محبت اور اس کی نعمتوں کے لئے جلد بازی کرنے کے درمیان دو طرف (طرفینی) رابطہ ہے یعنی جب انسان دنیا سے محبت کریگا تو اسکی نعمتوں کو حاصل کرنے کیلئے بے تابی دکھائے گا اور جب نعمتوں کو حاصل کرنے کیلئے جلد بازی سے کام لینے لگے گا تو اسکے دل میں دنیا کی محبت رج بس جائے گی۔

بہر حال اس تحقیق کا نتیجہ چاہے جو کچھ بھی ہو لیکن ہمیں اس بات میں کوئی شک و شہید نہیں ہے کہ دنیا اور آخرت کی نعمتوں کے درمیان لکڑا و حلال چیزوں میں بھی پایا جاتا ہے البتہ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں کے لئے جن آرائشوں یا نعمتوں کو حلال قرار دیا ہے انہیں حرام قرار دیدیا جائے بلکہ اسکا معاملہ حلال و حرام کے معاملات سے بالکل الگ ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ یہ اسلامی افکار کے مختلف انوکھے نظریات میں سے ایک نظریہ ہے۔

خواہشیں! احادیث الہدیت کی روشنی میں

آئندہ مطروں میں ہم اس بارے میں موجود روایات ذکر کریں گے اور اسکے بعد انکی وضاحت اور تفسیر بھی پیش کریں گے۔

روايات

حضرت عمر کا بیان ہے کہ میں نے پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ اے اللہ کے رسول، خدا سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کی امت کو بھی فراوانیاں عطا کرے۔ اللہ نے فارس و روم کو تو خوب نواز رکھا ہے حالانکہ وہ تو میں خدا کی عبادت بھی نہیں کرتی ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ سید ہے ہو کر بینہ گئے اور فرمایا:

﴿أَفَيْ شَكَ أَنْتَ يَا بَنِي الْخَطَابِ أَوْ قَوْمٌ عُجَلْتُ لَهُمْ طَيَّابَتِهِمْ فِي

الحياة الدنيا﴾ (۱)

”اے ابن خطاب تم کس شک میں بتلا ہو؟ ان قوموں نے اپنے طیبات کو اسی زندگانی دنیا میں پالیا ہے“

پیغمبر اکرم کی خدمت میں ”نجیس“ (ایک تم کا حلوہ) پیش کیا گیا تو آپ نے کھانے سے انکا فرمادیا حاضرین نے پوچھا۔ کیا آپ اس کو حرام سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایسا نہیں ہے لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ میرا نفس اسکا شوقیں ہو جائے؛ پھر آپ نے اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿أَذْهَبْتُمْ طَيَّابَتِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (۲)

”تم تو اپنی دنیا کی زندگی میں اپنے مزرے اڑا چکے“

(۱) کنز العمال: ج ۲۶۶۳۔

(۲) نور التلقین ج ۵ ص ۱۵۔

عمر بن خطاب کا بیان ہے کہ میں نے حضور سے باریابی کی اجازت طلب کی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا آپ شریہ ام ابراہیم (ایک جگہ کا نام) میں اس طرح لیئے ہوئے تھے کہ آپ کے جسم مبارک کے بعض حصے خاک پر تھے آپ کے سر کے نیچے بھگر کی پتوں کا تکریہ تھا، میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور عرض کی: اے رسول خدا آپ اللہ کے نبی، اسکے منتخب بندے اور بہترین خلق خدا ہیں۔ قیصر و کسری سونے کے تخت اور حریر و دیبا کے فرش پر آرام کرتے ہیں (اور آپ کا یہ عالم ہے؟) رسول خدا نے فرمایا:

﴿أَوْلَئِكَ قَوْمٌ غُجِّلْتُ طَبِيَّاتِهِمْ وَهِيَ وَشِيكَةُ الْأَنْقِطَاعِ، وَإِنَّمَا أُخْرِتُ

لِنَاطِيبَاتِنَا﴾ (۱)

”ان اقوام کے طبیبات نہیں عطا کر دے گئے ہیں جو بہت جلد منقطع ہو جائیں گے۔ اور ہمارے طبیبات کو آخرت پر انعام کھا گیا ہے“

روایت ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ اصحاب صفة کے پاس یا ہو نیچے تو وہ اپنے کپڑوں میں چڑے کا پیوند لگا رہے تھے اور ان کے پاس پیوند لگانے کے لئے کپڑے کا گلکار نہیں تھا تو آپ نے فرمایا ہے کہ یہ دن تمہارے لئے بہتر ہے یادہ دن جب صحیح کوتم بہترین حلے پہننے ہو گے اور شام کے وقت دوسرا پہن لو گے اور صحیح کو ایک پیالا اور شام کو دوسرا پیالا استعمال کرو گے اور اپنے گھر پر اس طرح غلاف چڑھائے رکھو گے جس طرح کعبہ پر غلاف چڑھا رہتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لئے وہی دن بہتر ہے تو آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ تم آج ہی بہتر ہو۔ (۲)

پیغمبر اسلام ﷺ نے جناب فاطمہؓ کو دیکھا کہ آپ اونٹ کے بالوں سے بنی ہوئی چادر اوڑھنے ہوئے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے چکلی چلا رہی ہیں اور اپنے نیچے کو دودھ پلارہی ہیں تو پیغمبر اکرم ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپ نے فرمایا:

(۱) نور انقلیبین ج ۵ ص ۱۵۔

(۲) نور انقلیبین ج ۵ ص ۷۔

﴿يَا بَنِيَّا تَعْجَلُى مَرَارَةُ الدُّنْيَا بِحَلاوَةِ الْآخِرَةِ﴾

”اے بیٹی آج تلخی دنیا کے بد لے آخرت کی حلاوت خریدلو“

جناب قاطر نے فرمایا:

﴿يَارَسُولَ اللَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ نِعْمَاتِهِ وَالشُّكْرُ لِلَّهِ عَلَىٰ أَلَّا يَهُوَ﴾

”اے رسول خدا، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اسکی نعمتوں پر، اور اسکی عنایات پر اس کا شکر ہے تو خدا نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَسُوفَ يَعْطِيكَ رِبُكَ فَتَرْضَى﴾ (۱)

”غقریب آپ کا رب آپ کو اس قدر عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے“

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا لَنَحْبُّ الدُّنْيَا، وَأَنَّ لِأَنْوَاتِهَا خَيْرًا مِّنْ أَنْ نُؤْتَاهَا، وَمَا أُوتَى إِبْنَ آدَمَ مِنْهَا

شیناً إِلَّا نَصَصَ حَظَّهُ مِنَ الْآخِرَةِ﴾ (۲)

”ہمیں دنیا سے محبت ہے اور ہماری نگاہ میں دنیا کا نہ ملنا اس کے ملنے سے بہتر ہے کیونکہ

فرزند آدم کو جس مقدار میں دنیا ملتی ہے آخرت سے اس کا اتنا ہی حصہ کم ہو جاتا ہے“

امام جعفر صادقؑ سے مقول ہے:

﴿آخِرَنِي يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَلِيمَانَ بْنَ دَاوُدَ (ع) وَذَلِكَ لِمَا أَعْطَى فِي الدُّنْيَا﴾ (۳)

”جنت میں داخل ہونے والے آخری نبی سلیمان بن داؤد ہوں گے کیونکہ دنیا میں انہیں

(۱) نور النقلین ج ۵ ص ۹۶ و میران الحکمت ج ۳ ص ۳۲۶۔ ۳۲۷۔

(۲) بحار الانوار ج ۱۷ ص ۸۱ و میران الحکمت ج ۲ ص ۳۲۶۔

(۳) بحار الانوار ج ۱۳ ص ۲۷۔

بہت کچھ عطا کر دیا گیا تھا“

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿كَلِمَاتُكُلِّ الدُّنْيَا شَيْءٌ فَهُوَ غَنِيمَةٌ﴾ (۱)

”دنیا میں جو چیز بھی تم سے فوت ہو جائے وہ غنیمت ہے“

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

﴿مَرَارَةُ الدُّنْيَا حَلاوةُ الْآخِرَةِ، وَحَلاوةُ الدُّنْيَا مَرَارَةُ الْآخِرَةِ وَسُوءُ الْعَقْبَى﴾ (۲)

”دنیا کی تلخی آخرت کی حلاوت دشیری نہیں ہے اور دنیا کی حلاوت آخرت کی تلخی اور

بری عاقبت ہے“

آپ نے ارشاد فرمایا:

﴿مِنْ طَلْبِ مِنَ الدُّنْيَا شَيْئًا فَاتَّهُ مِنَ الْآخِرَةِ أَكْثَرُ مَا طَلَبَ﴾ (۳)

”جود دنیا میں کسی شے کو طلب کرتا ہے اس سے زیادہ اسکا آخرت میں گھانا ہو جاتا ہے“

آپ ہی سے منقول ہے:

﴿مَا زَادَ فِي الدُّنْيَا نَفْصُ في الْآخِرَةِ، وَمَا نَفَصَ مِنَ الدُّنْيَا زَادَ فِي الْآخِرَةِ﴾ (۴)

”دنیا کی زیادتی آخرت کا نقصان اور دنیا کا نقصان آخرت کی زیادتی ہے“

امام جعفر صادقؑ نے حضرت امام زین العابدینؑ کا یہ قول نقل کیا ہے:

﴿مَا عَرَضَ لِي قَطُّ أَمْرَانِ، أَحَدَهُمَا لِلدُّنْيَا، وَالْآخِرَ لِلْآخِرَةِ، فَأَثْرَتْ

(۱) غر راحم ج ۲ ص ۱۱۱۔

(۲) نج ابلاغ حکمت ۲۲۳۔

(۳) غر راحم ج ۲ ص ۲۲۱۔

(۴) غر راحم ج ۲ ص ۲۶۸۔

الدُّنْيَا إِلَّا رَأَيْتَ مَا أَكْرَهَ قَبْلَ أَنْ أُمْسِيَّ

”میرے سامنے جب بھی کبھی دو کام آتے ہیں ایک دنیا سے متعلق اور دوسرا آخرت سے متعلق، اگر میں نے ان میں دنیاوی کام کو ترجیح دیدی تو شام ہونے سے قبل ناپسندیدہ اور ٹکر وہ شے کا مشاہدہ کر لیتا ہوں“

پھر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

﴿لَبَّى أُمَّةٍ أَنَّهُمْ يَؤْثِرُونَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ مِنْذُ ثَمَانِينَ سَنَةً وَلَيْسَ بِرَوْنَ

شِئًا يَكْرَهُونَهُ﴾ (۱)

”اور یہ بُنی امیہ اسی سال سے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رہے ہیں اور انہیں کسی بھی چیز سے کراہت محسوس نہیں ہوتی ہے“

اس مسئلہ کی وضاحت امیر المؤمنینؑ کے اس قول سے ہو جاتی ہے:

﴿وَاعْمَلُوا أَنْ مَا نَفَصَ مِنَ الدُّنْيَا، وَزَادَ فِي الْآخِرَةِ خَيْرًا مَا نَفَصَ مِنَ الْآخِرَةِ
وَزَادَ فِي الدُّنْيَا، فَكُمْ مِنْ مَنْقُوشٍ... فَاتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ
مُسْلِمُونَ﴾ (۲)

”یاد کو کہ دنیا میں کسی شے کام ہونا اور آخرت میں زیادہ ہونا اس سے بہتر ہے کہ دنیا میں زیادہ ہو اور آخرت میں کم ہو جائے کہ کتنے ہی کی والے فائدہ میں رہتے ہیں اور کتنے ہی زیادتی والے گھائٹے میں رہ جاتے ہیں۔ پیش کی جن چیزوں کا تمہیں حکم دیا گیا ہے ان میں زیادہ وسعت ہے پہ نسبت ان چیزوں کے جن سے روکا گیا ہے اور جنہیں حلال کیا گیا ہے وہ ان سے کہیں زیادہ ہیں

(۱) بخار الانوار ج ۳ ص ۱۲۷۔

(۲) نجع البلاغ خطبہ ۱۱۳۔

جنہیں حرام قرار دیا گیا ہے لہذا قلیل کو کثیر کے لئے اور بھی کو وسعت کی خاطر چھوڑ دو۔ پروردگار نے تمہارے رزق کی ذمہ داری لی ہے اور عمل کرنے کا حکم دیا ہے لہذا ایسا نہ ہو کہ جس کی حفانت لی گئی ہے اُسکی طلب اس سے زیادہ ہو جائے جس کو فرض کیا گیا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ تمہارے حالات کو دیکھ کر شبہ ہونے لگتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ شائد جس کی حفانت لی گئی ہے وہ تم پروا جب کیا گیا ہے اور جس کا حکم دیا گیا ہے اسے ساقط کر دیا گیا ہے۔ خدا اعمال کی طرف سبقت کرو اور موت کے اچانک وارد ہو جانے سے ڈرداں لئے کہ موت کے واپس ہونے کی وہ امید نہیں ہے جس قدر رزق کے پلٹ کر آجائے کی ہے۔ جو رزق آج ہاتھ سے نکل گیا ہے اس میں کل اضافہ کا امکان ہے لیکن جو عمر آج نکل گئی ہے اسکے کل واپس آنے کا بھی امکان نہیں ہے۔ امید آنے والے کی ہو سکتی ہے جانے والے کی نہیں اس سے تو مایوسی ہی ہو سکتی ہے ”اللہ سے اس طرح ڈر جو ڈر نے کا حق ہے اور خبردار اس وقت تک دنیا سے نہ جانا جب تک واقعی مسلمان نہ ہو جاؤ“

روايات کا تجزیہ

ذکورہ روایات میں سند یا متن کے لحاظ سے شک و شبہ کی کوئی بحاجاش نہیں ہے یہ تعداد کے اعتبار سے بہت زیادہ اور سند کے لحاظ سے مستفیضہ ہیں لہذا ان سب کے بارے میں شک کا امکان نہیں ہے یہ روایات فقط حرام امور سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ حرام و حلال دونوں قسم کی لذتوں کو بیان کرتی ہیں ان روایات کے مطابق دنیا و آخرت کا مکار اور صرف حرام اشیاء میں ہی نہیں بلکہ اس مکار اور میں حلال لذتیں بھی شامل ہیں ان کے معانی و مطالب واضح اور ظاہر ہیں اور ان کے بارے میں یہ بھی نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ صرف حرام لذتوں سے منع کر رہی ہیں جس کی بنابر خداوند عالم کا یہ قول:

﴿بِأَيْهَا النَّاسُ كُلُّوْمَمَافِي الْأَرْضِ حَلَالٌ طَيِّبٌ وَلَا تَبْغُوا خَطْرَوْاتٍ﴾

الشیطان انه لكم عدو مبين ﴿۱﴾

”اے انسانو: زمین میں جو کچھ بھی حلال و طیب ہے اسے استعمال کرو اور شیطانی اقدامات کا اتباع نہ کرو کہ وہ تمہارا محلہ ہوا شمن ہے“
یادو سرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادَهُ وَالطَّيَّابَاتِ مِنَ الرِّزْقِ، قُلْ هُنَّا
لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةٌ يَوْمُ الْقِيَامَةِ﴾ ﴿۲﴾

”پیغمبر آپ پوچھئے کہ کس نے اس زینت کو جسے خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور پاکیزہ رزق کو حرام کر دیا ہے اور بتائیے کہ یہ چیزیں روز قیامت صرف ان لوگوں کے لئے ہیں جو زندگانی دنیا میں ایمان لائے ہیں“

مذکورہ دونوں اقوال صرف خداوند عالم کی حلال کردہ طیبات سے مخصوص ہو جائیں جبکہ یہ روایات حرام چیزوں کے علاوہ زندگانی دنیا کی آسانیوں (متاع) سے استفادہ کرنے سے بھی منع کر رہی ہیں۔ تو ہم ان روایات سے کیا نتیجہ اخذ کریں؟ ایک جانب یہ روایات ہیں اور دوسری طرف قرآن مجید کی آیات ہیں کہ جن میں خداوند عالم اپنے بندوں کو طیب و ظاہر رزق سے استفادہ کی دعوت دے رہا ہے اور طیبات الہی کو حرام قرار دینے والوں کو توک رہا ہے؟

ذیل میں ہم چند نکات کے ذریعہ اس سوال کا جواب پیش کرنے کی کوشش کریں گے امید ہے کہ ان نکات کے ساتھ ہمیں پر ترتیب اسکا صحیح جواب مل جائے گا:

۱۔ ذرا دیر پہلے ہم نے جو روایات پیش کی ہیں ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام نعمات

(۱) سورہ بقرہ آیت ۱۶۸۔

(۲) سورہ اعراف آیت ۳۲۔

الہیہ اور طیب و ظاہر رزق کو مسلمانوں کے لئے منوع قرار دیتا ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے جو اساباب زینت اور طیباتِ خلق کے وہ بندوں کے لئے جائز اور مباح ہیں مگر یہ کہ خود پر وردگار منع کر دے خداوند عالم فرماتا ہے:

(فَلِمَنْ حَرَمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادَهُ وَالظَّيَّابَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قَلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَهُ يَوْمُ الْقِيَامَةِ وَكَذَلِكَ نَفْصُلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ) (۱)

”کہو کہ کس نے اس زینت کو جس کو خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور پاکیزہ رزق کو حرام کر دیا ہے۔ اور بتائیے کہ یہ چیزیں روز قیامت صرف ان لوگوں کے لئے ہیں جو زندگانی دنیا میں ایمان لائے ہیں“

ان روایات کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ انسان روئے زمین پر سچی کوشش ہی نہ کرے بلکہ اس سلسلہ میں خدا کا حکم تو یہ ہے کہ:

(فَإِذَا قُضِيَتِ الْأَصْلُوَةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ) (۲)

”پھر جب تمام تماں ہو جائے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور فضل خدا کو تلاش کرو“

لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان دنیا کا ہی ہو کر رہ جائے اور اسکی تمام تر کوششوں کا حاصل صرف دنیا ہو بلکہ انسان کا اصل مقصد سلوک الی اللہ ہونا چاہیے اور اسی کے ضمن میں دنیا کے لئے بھی کوشش کرتا رہے۔

(وَابْتَغُ فِيمَا آتَاكُ اللَّهُ الدَّارُ الْآخِرَةِ وَلَا تُنْسِ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا) (۳)

(۱) سورہ اعراف آیت ۳۲۔

(۲) سورہ جمادی آیت ۱۰۔

(۳) سورہ قصص آیت ۷۷۔

خواہیں! احادیث اہل بیتؐ کی روشنی میں

”اور جو کچھ خدا نے دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کا انتظام کرو اور دنیا میں اپنا حصہ بھول نہ جاؤ“
لہذا بندیادی طور پر انسان کی حرکت خدا اور آخرت کے جانب ہونا چاہیے مگر دنیا میں اپنے
حصہ کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ اس وضاحت کے باوجود مسئلہ مکمل طور پر حل نہیں ہو جاتا کیونکہ دنیا اور آخرت کا تکرار اور
صرف محمرات کی حد تک نہیں ہے بلکہ حلال چیزوں میں بھی یہ کثراً پایا جاتا ہے۔
امیر المؤمنین حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الدُّنْيَا وَالآخِرَةَ عَدُوٌّانِ مُتَفَاوِتَانِ، وَسَبِيلُهُمَا مُخْتَلِفٌانِ، فَمَنْ أَحَبَ الدُّنْيَا وَتَوَلَّهَا أَبْغَضَ الْآخِرَةَ وَعَادَهَا، وَهُمَا بِمُنْزَلَةِ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، وَمَا شِئْنَاهُمَا كَلِمًا قَرُبَ مِنْ وَاحِدٍ بَعْدَ مِنَ الْآخِرَةِ، وَهُمَا بَعْدَ ضَرَّتَانِ!﴾ (۱)

”یاد رکھو دنیا و آخرت آپس میں دونا ساز گارڈن ہیں اور دو مختلف راستے۔ لہذا جو دنیا سے
محبت اور تعلق خاطر رکھتا ہے وہ آخرت کا دشمن ہو جاتا ہے اور یہ دونوں مشرق و مغرب کی طرح ہیں کہ
جو راہروں ایک سے قریب تر ہوتا ہے وہ دوسرے سے دور تر ہو جاتا ہے پھر یہ دونوں آپس میں ایک
دوسرے کی سوت جیسی ہیں۔“

انسان اس دنیا کی نعمتوں اور حلال لذتوں سے چاہے جتنا استفادہ کر لے خدا سے سزا نہیں
دے سکتا کیونکہ یہ چیزوں حرام نہیں ہیں البتہ جتنا دنیا میں نعمتوں سے استفادہ کرتا جائے گا اسی مقدار
میں جنت کی نعمتوں سے محروم ہوتا جائے گا کیونکہ لذائذ دنیا سے استفادہ کرنے کی وجہ سے آخرت کو
پانے کے موقع کم ہوتے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حلال لذتوں کے اعتبار سے بھی دنیا و آخرت میں
مکراً پایا جاتا ہے مندرجہ ذیل چند مثالوں کے ذریعہ اس بات کی وضاحت ہو جائے گی۔

(۱) نهج البلاغہ حکمت ۱۰۰۔

۱۔ اللہ نے بندوں کو جو معین عمر عطا فرمائی ہے اس میں انسان مسلسل روزے رکھ سکتا ہے روزہ اگرچہ صرف ماہ رمضان میں ہی واجب ہے لیکن سال کے بقیہ دنوں میں مستحب ہی نہیں بلکہ "مستحب موکد" ہے۔

امام محمد باقرؑ نے پیغمبر اکرم ﷺ کے حوالہ سے خداوند عالم کا یہ قول نقل کیا ہے۔

﴿الصوم لى و أنا أجزى به﴾ (۱)

"روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اسکی جزا دوں گا"

اس طرح سال کے دوران روزہ چھوڑ دینے سے انسان کتنے عظیم ثواب سے محروم ہوتا ہے؟ اسے خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اب انسان جس دن بھی روزہ نہ رکھر اللہ کی چائز اور حلال نعمتیں استعمال کرتا ہے اس کی وجہ سے وہ جنت کی کتنی نعمتوں سے محروم ہوا ہے؟ اسکا علم خدا کے علاوہ کسی کو نہیں ہے اگرچہ یہ طے ہے کہ جو کچھ اس نے کھایا وہ رزق حلال ہی تھا لیکن اس قبضے سے رزق کے باعث بہر حال آخرت کی نعمتیں حاصل کرنے کا موقع اسکے ہاتھ سے جاتا رہا۔ حلال نعمتوں کے باعث دنیا و آخرت کے درمیان تکرار کی یہ ایک مثال ہے۔

۲۔ جب انسان رات میں نیند کی لذت سے لطف اندوں ہوتا ہے تو بلاشب یہ زندگانی دنیا کی حلال اور بہترین لذت ہے لیکن جب انسان پوری رات سوتے ہوئے گزار دیتا ہے تو اس رات نماز شب اور تجدید کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔

فرض کیجئے خدا نے کسی کو ستر برس کی حیات عطا کی ہو تو اس کے لئے ستر سال تک یہ ثواب ممکن ہے لیکن جس رات بھی نماز شب قضا ہو جاتی ہے آخرت کی نعمتوں میں سے ایک حصہ کم ہو جاتا ہے اگر (خدا نخواستہ) پورے ستر سال اسی طرح غفلت میں بسر ہو جائیں تو نعمات اخروی

خواہشیں! احادیث الہبیت کی روشنی میں

حاصل کرنے کا موقع بھی ختم ہو جائے گا اور پھر انسان افسوس کرے گا کہ ”اے کاش میں نے اپنی پوری عمر عبادت الہی میں بسرکی ہوتی“

۳۔ اگر خداوند عالم کسی انسان کو مال عطا کرے تو اس مال کو راہ خدا میں خرچ کر کے کافی مقدار میں اخروی نعمتیں حاصل کرنے کا امکان ہے انسان جس مقدار میں دنیاوی لذتوں کی خاطر مال خرچ کرتا ہے اتنی ہی مقدار میں آخرت کی نعمتوں سے محروم ہو سکتا ہے کہ اسی مال کو راہ خدا میں خرچ کر کے دنیا کے بجائے آخرت کی لذتیں اور نعمتیں حاصل کر سکتا تھا لہذا اگر انسان اپنا پورا مال دنیاوی کاموں کے لئے خرچ کر دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس مال سے اخروی نعمتیں حاصل کرنے کا موقع گنوادیا۔ چاہے اس نے یہ مال حرام لذتوں میں خرچ نہ کیا ہو۔

اسی طرح انسان کے پاس آخرت کی لذتیں اور نعمتیں حاصل کرنے کے بے شمار مواقع ہوتے ہیں۔ مال، دولت، عمر، شباب، صحت، ذہانت، سماجی حیثیت اور علم جیسی خداداد نعمتوں کے ذریعہ انسان آخرت کی طیب و طاہر نعمتیں کام سکتا ہے لیکن جیسے ہی اس سلسلہ میں کوتاہی کرتا ہے اپنا گھانا کر لیتا ہے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَالْعَصْرُ ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِفِيٍ خَسِيرٌ﴾ (۱)

”قُلْ هُوَ عَصْرٌ كَيْنَكَ انسان خسارہ میں ہے“

آیے کریمہ نے جس گھانے کا اعلان کیا ہے وہ اس اعتبار سے ہے کہ آخرت کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے خداوند عالم نے وہ تمام چیزیں اپنے بندوں کو (مفت) عطا کر دی ہیں اور انھیں خداداد نعمتوں سے آخرت کی نعمتیں حاصل کرنے کا بھی انتظام کر دیا ہے اس کے باوجود انسان کوتاہی کرتا ہے اور ان نعمتوں کو خواہشات دنیا کے لئے صرف کر کے آخرت کمانے کا

اُسکی دنیا کو مزین کر دوں گا.....

۲۲۳

موقع کھو دیتا ہے تو یقیناً گھانے میں ہے۔

اس صورت حال کی مظہر کشی امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے بہت ہی بلیغ انداز میں فرمائی ہے آپ کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْلَمْ أَنَّ الدِّنِيَا دَارِ بَلِيَّةٍ، لَمْ يَفْرَغْ صَاحِبَهَا فِيهَا قَطْ سَاعَةٍ إِلَّا كَانَتْ

فَرَغْتَهُ عَلَيْهِ حِسْرَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (۱)

”آگاہ ہو جاؤ یہ دنیا دار ابتلا ہے اس میں اگر کوئی ایک ساعت بے کار رہتا ہے تو یہ ایک ساعت کی بے کاری روز قیامت حضرت کا باعث ہو گی“

یہاں بے کاری کا مطلب یہ ہے کہ انسان ذکر خدا نہ کرے اور اسکی خوشنودی کے لئے کوئی عمل نہ بجالائے اور اسکے اعضاء و جوارج بھی قربت خدا کے لئے کوئی کام نہ کر رہے ہوں یا خدا میں مشغول نہ ہوں۔
اب اگر ایک گھنٹہ بھی اس طرح خالی اور بے کار رہے چاہے اس دوران کوئی گناہ بھی نہ کرے تو اسکی بنا پر قیامت کے دن اسے حضرت کا سامنا کرنا ہو گا اس لئے کہ اس نے عمر، شعور اور قلب جیسی نعمتوں کو معطل رکھا اور انہیں ذکر و اطاعت خدا میں مشغول نہ رکھ کر اس نے رضاۓ خدا اور نعمات اخروی حاصل کرنے کا وہ موقع گنوادیا ہے جسکا تدارک قطعاً ممکن نہیں ہے بعد میں چاہے وہ جتنی اخروی نعمتیں حاصل کر لے لیکن یہ ضائع ہو جانے والا موقع بہر حال نصیب نہ ہو گا۔

۳۔ سنت الہی یہ ہے کہ انسان ترقی و تکامل اور قرب الہی کی منزلیں سختیوں اور مصائب کے ذریعہ طے کرتا ہے۔ ارشاد الہی ہے:

﴿أَخْسِبْ النَّاسَ أَنَّ يُنَزَّلُ كَوَا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ (۲)

(۱) فتح البلاغہ مکتب ۵۹۔

(۲) سورہ عنكبوت آیت ۲۔

خواہیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

”کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ صرف اس بات پر چھوڑ دئے جائیں گے کہ وہ یہ
کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کا امتحان نہیں ہو گا“

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿ولنبلونَكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخُوفِ وَالجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالأنفُسِ﴾

والثمرات...﴾ (۱)

”اور ہم یقیناً تمہیں تھوڑا خوف تھوڑی بھوک اور اموال و نفوس اور ثمرات کی کمی سے
آزمائیں گے۔۔۔“

نیز ارشاد خداوندی ہے:

﴿...فَاحْذِنُاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالصَّرَاءِ لِعَهْمِ يَتَضَرَّعُونَ﴾ (۲)

”...اسکے بعد ہم نے انہیں ختنی اور تکلیف میں جلا کیا کہ شاید ہم سے گزر گڑاں گے“

یہ آخری آیت واضح الفاظ میں ہمارے لئے خدا کی طرف انسانی قابلی حرکت اور ابتلاء
و آزمائش، خوف، بھوک اور جان و مال کی کمی کے درمیان موجود رابطہ کی تفسیر کر رہی ہے کیونکہ تضرع
وزاری قرب الہی کا بہترین ذریعہ ہے اور تضرع کی کیفیت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان جان
و مال کی کمی، بھوک، خوف اور شدائد و مصائب میں گرفتار ہوتا ہے اس طرح انسان کے پاس دنیاوی
تفہیں حتیٰ زیادہ ہوں گی اسی مقدار میں اسے تضرع سے محرومی کا خسارہ اٹھانا پڑے گا اور نیتیجنگا وہ قرب
الہی کی سعادتوں اور اخروی نعمتوں سے محروم ہو جائے گا۔

زندگانی دنیا کے مصائب و مشکلات کبھی تو خدا اپنے صالح بندوں کو مرحمت فرماتا ہے تاکہ وہ
تضرع وزاری کیلئے آمادہ ہو سکیں اور کبھی اولیائے الہی اور بندگان صالح خود ہی ایسی سخت زندگی

(۱) سورہ بقرہ آیت ۱۵۵۔

(۲) سورہ انعام آیت ۳۴۔

کو اختیار کر لیتے ہیں۔

۳۔ لذائذ دنیا سے کنارکشی کا ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ انسان کبھی یہ خوف محسوس کرتا ہے کہ کہیں لذائذ دنیا کا عادی ہو کروہ بندوق حب دنیا میں بنتا نہ ہو جائے اور یہ حب دنیا سے خدا اور نعمات اخروی سے دور نہ کر دے۔ اس لئے کہ لذائذ دنیا اور حب دنیا میں دو طرف رابطہ پایا جاتا ہے یہ لذتیں انسان میں حب دنیا کا جذبہ پیدا کرتی ہیں یا اس میں شدت پیدا کرتی ہیں اس کے بر عکس حب دنیا انسان کو دنیاوی لذتوں کو آخرت پر ترجیح دینے اور ان سے بھر پور استفادہ کرنے بلکہ اُسکی لذتوں میں بالکل ڈوب جانے کی دعوت دیتی ہے۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان لا شعوری طور پر حب دنیا کا شکار ہو جائے لہذا لذائذ دنیا سے ہوشیار ہنا چاہئے کیونکہ یعنی ممکن ہے کہ یہ لذتیں اسے اسکے مقصد سے دور کر دیں۔

۵۔ کبھی ہمیں روایات میں ایسی بات بھی نظر آتی ہے کہ جو نہ کوہ وضاحتوں سے الگ ہے جیسا کہ مولائے کائنات حضرت علیؑ نے جانب محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کرتے وقت ﴿عہد نامہ میں ہے ان کے لئے یہ تحریر فرمایا تھا:

﴿واعلموا. عباد الله. أَنَّ الْمُتَقِّينَ ذَهِبُوا بِعاجلِ الدُّنْيَا وَآجِلَ الْآخِرَةِ،...﴾ (۱)

”بندگان خدا یا درکھو کہ پرہیز گارا فردا دنیا اور آخرت کے فوائد لے کر آگے بڑھ گئے۔ وہ دنیا اہل دنیا کے ساتھ ان کی دنیا میں شریک رہے لیکن اہل دنیا ان کی آخرت میں شریک نہ ہو سکے۔ وہ دنیا میں بہترین انداز سے زندگی گزارتے رہے جو سب نے کھایا اس سے اچھا پا کیزہ کھانا کھایا اور وہ تمام لذتیں حاصل کر لیں جو عیش پرست حاصل کرتے ہیں اور وہ سب کچھ پالیا جو جابر اور متکبر افراد کے حصہ میں آتا ہے۔ اسکے بعد وہ زادراہ لے کر گئے جو منزل تک پہنچا وہ اور وہ تجارت کر کے گئے

جس میں فائدہ ہو۔ دنیا میں رہ کر دنیا کی لذت حاصل کی اور یقین رکھے ہے کہ آخرت میں پروردگار کے جوارِ رحمت میں ہوں گے۔ جہاں دن کی آواز ٹھکرائی جائے گی اور نہ کسی لذت میں ان کے حصہ میں کوئی کمی ہوگی۔“

ان حوصلات میں متفقین اور غیر متفقین کا موازنہ کیا گیا ہے جبکہ جن روایات کا ہم تجربہ پیش کر رہے تھے ان میں درجات متفقین کا موازنہ ہے، نہ کہ متفقین اور غیر متفقین کا! ظاہر ہے کہ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں لہذا ان دونوں کا حکم بھی الگ ہو گا۔

باطن میں نگاہ

دنیا کے بارے میں سرسری اور سطحی نگاہ سے ہٹ کر ہم دنیا پر زیادہ گہراں اور سمجھیدگی کے ساتھ نظر کر سکتے ہیں۔ جسے ہم (الرُّؤْيَةُ النَّافِذَةُ) کا نام دے سکتے ہیں اس روایت میں ہم دنیا کے ظاہر سے بڑھ کر اس کے باطن کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ جس سے ہمیں معلوم ہو گا کہ دنیا کا ظاہر اگر حتیٰ دنیا کی طرف لے جاتا ہے اور انسان کو فریب دیتا ہے تو اس کے برخلاف دنیا کا باطن انسان کو زہدار و دنیا سے کنارہ کشی کی دعوت دیتا ہے۔ باطن میں نگاہ ظاہر سے بڑھ کر دنیا کی اندر ورنی حقیقت کو عیاں کر کے یہ بتاتی ہے کہ متاع دنیا بہر حال فنا ہو جانے والی ہے نیز یہ کہ انسان کا دنیا میں انجام کیا ہو گا؟ یوں انسان خود بخود زہد اختیار کر لیتا ہے۔

روایات میں کثرت سے یہ تاکید کی گئی ہے کہ دنیا کو اس (نظر) سے دیکھنا چاہتے ہیں، انسان موت کی طرف متوجہ رہے اور ہمیشہ موت کو یاد رکھے، طویل آرزوں اور موت کی طرف سے غالباً ہونے سے منع کیا گیا ہے۔

موت دراصل اس باطنی دنیا کا چہرہ ہے جس سے انسان فرار کر کے موت کو بھلانا چاہتا ہے چنانچہ روایت میں وارد ہوا ہے کہ (موت سے بڑھ کر کوئی یقین، شک سے مشابہ نہیں ہے) اس لئے کہ موت یقینی ہے، اسیں شک و شبہ کی گنجائش نہیں اس کے باوجود انسان اس سے گریزاں ہے

اور اسے بھلائے رکھنا چاہتا ہے۔

حالانکہ روایات میں اس کے بالکل عکس نظر آتا ہے امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے:

﴿اکثروا ذکر الموت، فانه لم يکثر الاَنسان ذکر الموت الاَزهد في الدُّنيا﴾ (۱)

”موت کو کثرت سے یاد کرو کیونکہ انسان جتنا کثرت سے موت کو یاد کرتا ہے اس کے زہد

میں اتنا ہی اضافہ ہوتا ہے“

امیر امویین حضرت علیؓ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿من صور الموت بين عينيه هان أمر الدنيا عليه﴾ (۲)

”جس کی لگاہوں کے سامنے موت ہوتی ہے دنیا کا مسئلہ اس کے لئے آسان ہوتا ہے“

آپ ہی کا ارشاد ہے:

﴿أَحَقُ النَّاسِ بِالْزَهَادَةِ مِنْ عَرْفِ نَصْصِ الدُّنْيَا﴾ (۳)

”وجود دنیا کے نقائص سے آگاہ ہے وہ زہد کا زیادہ حقدار ہے“

امام مویٰ کاظمؑ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الْعُقَلَاءَ زَهَدُوا فِي الدُّنْيَا، وَرَغَبُوا فِي الْآخِرَةِ...﴾ (۴)

”بے شک صاحبان عقل دنیا میں زاہد اور آخرت کی جانب راغب ہوتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ دنیا طالب بھی ہے مطلوب بھی، اسی طرح آخرت بھی طالب اور مطلوب ہوتی ہے۔ جو آخرت کا طلبگار ہوتا ہے اسے دنیا طلب کرتی ہے اور اپنا حصہ لے لیتی ہے۔ جو دنیا کا طلبگار ہوتا ہے آخرت اس

(۱) بخار الانوار ج ۲۳ ص ۲۲۷۔

(۲) غررا حکم ج ۲ ص ۲۰۱۔

(۳) غررا حکم ج ۱ ص ۱۹۹۔

(۴) بخار الانوار ج ۸ ص ۳۰۱۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

کی طالب ہوتی ہے پھر جب موت آتی ہے تو اس کی دنیا و آخرت دونوں خراب ہو جاتی ہیں،
روایت میں ہے کہ امام موسی کاظم "ایک جنازہ کے سرہانے تشریف لائے تو فرمایا:

﴿ان شیتاً هذَا أَوْلَهُ لِحَقِيقَةِ أَنْ يُخَافَ آخِرَهُ﴾ (۱)

"جس چیز کا آغاز یہ (مردہ لاش) ہواں کے انعام کا خوف حق بجانب ہے"

ان روایات میں ذکر موت اور زہد کے درمیان واضح تعلق نظر آتا ہے بالفاظ دیگران
روایات میں نظریہ یا تھیوری اور پریکٹیکل کے درمیان تعلق کو ظاہر کیا گیا ہے کیونکہ موت کا ذکر اور اسے
یاد رکھنا ایک قسم کا نظریہ اور تھیوری ہے اور زہد اس نظریہ کے مطابق راہ و روش یا پریکٹیکل کی حیثیت
رکھتا ہے امیر المؤمنین حضرت علی "لوگوں کو دنیا کے بارے میں صحیح اور حقیقی نظریہ سے روشناس کرتے
ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كُونُوا عَنِ الدُّنْيَا نُرَاهَا، وَالى الْآخِرَةِ وَلَا هَا... وَلَا تَشِمُوا بَارِقَهَا، وَلَا
تَسْمِعُوا ناطقَهَا، وَلَا تَجِيبُوا ناعقَهَا، وَلَا تَسْتَهِنُوا بَارِقَهَا، وَلَا تَفْتَرُوا بَاعْلَاقَهَا، فَإِنَّ
بَرْقَهَا خَالِبٌ، وَنَطْفَهَا كاذِبٌ، وَأَمْوَالُهَا محْرُوبَةٌ، وَاعْلَاقَهَا مَسْلُوبَةٌ﴾ (۲)

"دنیا سے پاکیزگی اختیار کرو اور آخرت کے عاشق بن جاؤ۔۔۔ اس دنیا کے چکنے والے
بادل پر نظر نہ کرو اور اسکے ترجمان کی بات مت سنو، اسکے منادی کی بات پر لیک مٹ کہو اور اسکی چمک
دمک سے روشنی مت حاصل کرو اور اسکی یقینی چیزوں پر جان مت دواں لئے کہ اسکی بکلی فقط چمک دمک
ہے اور اسکی باتیں سرا سر غلط ہیں اسکے اموال لئنے والے ہیں اور اس کا سامان چھیننے والا ہے"

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

(۱) بخار الانوار ج ۸ ص ۳۴۰۔

(۲) نجف البلاغ خطبہ ۱۹۶۱۔

﴿وَأَخْرَجُوا مِنَ الدُّنْيَا قُلُوبَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَخْرُجَ مِنْهَا أَبْدَانَكُمْ﴾ (۱)

”دنیا سے اپنے دلوں کو نکال لو قبل اس کے کہ تمہارے بدن دنیا سے نکالے جائیں“

دنیا سے دل نکال لینے کا مطلب، دنیا سے قطع تعلق کرنا ہے جسے ہم (ارادی اور اختیاری موت) کا نام دے سکتے ہیں اس کے بال مقابل (قبری اور غیر اختیاری موت) ہے جسیں ہمارے بدن دنیا سے نکالے جائیں گے۔ امام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم قبری موت سے پہلے ارادی موت اختیار کر لیں اور دنیا سے قطع تعلق کا ہی دوسرا نام ”زہد“ ہے۔۔۔ دنیا کے باطن کو دیکھنے والی نظر اور زہد سے اسکے رابط کو بھٹکنے کے لئے خود زہد کے بارے میں جاننا اور گفتگو کرنا ضروری ہے۔

زہد

زہد، حب دنیا کے مقابل حالت ہے۔ طور و طریقہ اور سلوک کی یہ دونوں حالتیں والا گل نظریوں سے پیدا ہوتی ہیں۔

حب دنیا کی کیفیت اس وقت نمودار ہوتی ہے کہ جب انسان دنیا کے فقط ظاہر پر نظر رکھتا ہے اس کے برخلاف اگر انسان کی نظر دنیا کے باطن کو بھی دیکھ رہی ہے تو اس سے زہد کی کیفیت جنم لیتی ہے۔ چونکہ حب دنیا کا مطلب دنیا سے تعلق رکھنا ہے اور زہد اس کے مقابل کیفیت کا نام ہے تو زہد کا مطلب ہوگا دنیا سے آزاد البتہ اس کے معنی کی وضاحت ضروری ہے۔ حب دنیا کے مفہوم کو سمیت کر دو لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ فرحت و سررت

۲۔ حزن و ملال

حب دنیا کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کو لذائذ دنیا میں جب کچھ بھی نصیب ہوتا ہے تو وہ خوش

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

ہو جاتا ہے اور جب وہ کسی نعمت سے محروم رہتا ہے یا اس سے کوئی نعمت چھن جاتی ہے تو وہ محروم ہو جاتا ہے چونکہ زہد حب دنیا کے مقابل کیفیت کا نام ہے لہذا زہد کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ انسان دنیا سے اتنا آزاد اور بے پرواہ ہو کر دنیا میں سب کچھ مل جانے پر بھی خوشی محسوس نہ کرے اور کچھ بھی نہ ملنے پر مغموم و محروم نہ ہو۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿...لَكِيلًا تُحْزِنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ...﴾ (۱)

”---تاکہ تم نہ اس پر رنجیدہ ہو جو چیز ہاتھ سے نکل گئی ہے اور نہ اس مصیبت پر جونازل ہو گئی ہے---“

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿...لَكِيلًا تَأْسُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ...﴾ (۲)

”تاکہ جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اسکا افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر غرور اور فخر نہ کرو---“

امیر المؤمنین حضرت علیؑ سے مردی ہے:

﴿الزهـد كـله فـي الـكلـمـتـيـن مـن الـقـرـآن﴾

”پورا زہد قرآن کے دو لفظوں میں سما ہوا ہے جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے:

﴿لَكِيلًا تَأْسُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ﴾ (۳)

”تاکہ جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا ہے اسکا افسوس نہ کرو“

(۱) سورہ آل عمران آیت ۱۵۳۔

(۲) سورہ حمد آیت ۲۳۔

(۳) سورہ حمد آیت ۲۳۔

﴿فَمَنْ لَمْ يَأْسْ عَلَى الْمَاضِيٍّ وَلَمْ يَفْرَحْ بِالآتِيٍّ فَهُوَ الزَّاهِدُ﴾ (۱)

جو انسان ماضی پر افسوس نہ کرے اور ہاتھ آ جانے والی چیز پر خوش نہ ہو وہ زاہد ہے“

ایک دوسرے مقام پر آپ سے روایت ہے:

”الزَّهَدُ كَلْمَةٌ بَيْنَ كَلْمَتَيْنِ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ اللَّهُ: ﴿لَكِيلًا تَأْسُوا﴾ فَمَنْ لَمْ

يَأْسْ عَلَى الْمَاضِيٍّ وَلَمْ يَفْرَحْ بِالآتِيٍّ فَقَدْ أَخْذَ الزَّهَدَ بِطَرْفِيهِ” (۲)

”زہد قرآن کے دلنشظوں کا مجموعہ ہے خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿لَكِيلًا تَأْسُوا...﴾ ”تاکہ جو تمہارے ہاتھ سے نکل گیا ہے اسکا افسوس نہ کرو“

لہذا جو انسان ماضی پر افسوس نہ کرے اور ہاتھ آ جانے والی چیز پر خوش نہ ہو اس نے پورا زہد

حاصل کر لیا ہے“

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ أَصْبَحَ عَلَى الدُّنْيَا حَزِينًا، فَقَدْ أَصْبَحَ لِقَضَاءِ اللَّهِ سَاخِطًا، وَمَنْ لَهُجَ قَلْبَهُ

بِحُبِ الدُّنْيَا التَّاطِقُ قَبْلَهُ مِنْهَا بِثَلَاثٍ: هُمْ لَا يُغْبَهُ، وَحَرَصٌ لَا يُتَرَكُ، وَأَمْلٌ لَا يُدْرَكُ﴾ (۳)

”جود دنیا کے بارے میں محروم ہو گا وہ قضاؤ قدر الہی سے ناراض ہو گا جس کا دل محبت دنیا کا

دلدادہ ہو جائے اسکے دل میں یہ تین چیزیں پیوست ہو جاتی ہیں وہ غم جو اس سے جدا نہیں ہوتا ہے، وہ

لاچ جو اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی ہے وہ امید ہے وہ کبھی حاصل نہیں کر سکتا ہے“

یہ بھی حزن و فرحت سے آزادی کا ایک رخ ہے کہ دنیا کے بارے میں حزن و ملال، قضاؤ

و قدر الہی سے ناراضگی کے باعث ہوتا ہے اس لئے کہ انسان دنیا میں جن چیزوں سے بھی محروم ہوتا

(۱) بخار الانوار ج ۸ ص ۶۷۔

(۲) بخار الانوار ج ۰ ص ۳۲۔

(۳) فتح البالغ حکمت ۲۲۸۔

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

ہے وہ درحقیقت قضا و قدر الہی کے تحت ہی ہوتا ہے نیز حب دنیا انسان میں تن صفتیں پیدا کرتی ہے ہم غم، حرص و طمع، آرزو۔ اس طرح دنیا کو ظلم و ستم اور عذاب کے بیجوں میں جکڑ دیتی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا الْأَنْدُلُونَ ثَلَاثَةٌ: زَاهِدٌ وَرَاغِبٌ وَصَابِرٌ، فَإِنَّمَا الزَّاهِدَ فَلَا يَفْرَحُ بِشَيْءٍ مِّنَ الدُّنْيَا أَتَاهُ، وَلَا يَحْزُنُ عَلَى شَيْءٍ مِّنْهَا فَاتَاهُ وَإِنَّمَا الصَّابِرُ فِيمَا تَحْمَلُهُ بِقَلْبِهِ، فَإِنَّمَا ادْرِكَ مِنْهَا شِيَاطِنُ الْعَرْفِ عَنْهَا نَفْسَهُ، لَمَّا يَعْلَمُ مِنْ سُوءِ عَاقِبَتِهَا وَإِنَّمَا الرَّاغِبُ فِي الْجَنَاحِيَّاتِ مِنْ جِلِّ أَصَابَهَا أَمَّا مِنْ حِرَامٍ﴾ (۱)

”اے لوگو! دنیا کے افراد تین قسم کے ہیں: ا۔ زاہد ۲۔ صابر ۳۔ راغب“

ا۔ زاہدوہ ہے جو کسی بھی چیز کے مل جانے سے خوش یا کسی بھی شے کے نہ ملنے سے محروم نہیں ہوتا۔ صابر وہ ہے جو دل میں دنیا کی تمنا تو کرتا ہے لیکن اگر اسے دنیا مل جاتی ہے تو چونکہ اسکے برے انجام سے واقف ہے لہذا اپنا منہ اس سے پھر لیتا ہے اور راغب وہ ہے کہ جسے یہ پروا نہیں ہے کہ اسے دنیا حلال راستے سے مل رہی ہے یا حرام راستے سے“

زہد کے معنی، لوگوں کی تین قسموں اور ان قسموں پر زاہدین کی تقسیم کے سلسلہ میں یہ حدیث عالی ترین مطالب کی حامل ہے۔ اسکے مطابق لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

زاہد، صابر اور راغب۔

زاہدوہ ہے کہ جو دنیا اور اسکی فرحت و ملاں سے آزاد ہو۔
صابر وہ ہے کہ جو ان چیزوں سے آزاد تو نہیں ہے مگر حب دنیا، دنیاوی فرحت و سرت اور حزن و ملاں سے نجات پانے کے لئے کوشش ہے۔

راغب وہ ہے کہ جو دنیا کا اسیر اور اسکی فرحت و سرگرمی اور حزن و ملال کے آگے سرتسلیم ختم کئے ہوئے ہے۔

ان میں پہلا اور تیسرا اگر وہ ایک دوسرے کے بالکل مقابل ہے کہ ایک مکمل طریقہ سے آزاد اور دوسرا ہر اعتبار سے مطیع واپسی جکہ تیسرا اگر وہ درمیانی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ لوگوں کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی فرحت و ملال کا رخ دنیا سے آخرت کی جانب موزدیں یہی بہترین چیز ہے کیونکہ اگر ہماری کیفیت یہ ہو کہ ہم اطاعت خدا کر کے خوشی محسوس کریں اور اطاعت سے محرومی پر محروم ہوں تو یہ بہترین بات ہے اس لئے کہ اس خوشی اور غم کا تعلق آخرت سے ہے۔

مولائے کائنات حضرت علیؑ، ابن عباس کے نام اپنے ایک مکتب میں تحریر فرماتے ہیں:

”اما بعد! انسان کبھی کبھی ایسی چیز کو پا کر بھی خوش ہو جاتا ہے جو ہاتھ سے جانے والی نہیں تھی اور ایسی چیز کو کھو کر رنجیدہ ہو جاتا ہے جو ملنے والی نہیں تھی لہذا اخبار دار تمہارے لئے دنیا کی سب سے بڑی نعمت، کسی لذت کا حصول یا جذبہ انتقام ہی نہ بن جائے بلکہ بہترین نعمت باطل کو مٹانے اور حق کو زندہ کرنے کو سمجھو اور تمہیں ان اعمال سے خوشی ہو جنہیں پہلے بھیج دیا ہے اور تمہارا افسوس ان امور پر ہو جنہیں چھوڑ کر چلے گئے ہو اور تمام ترقیات کے مرحلہ کے بارے میں ہونی چاہیے“^(۱)

زہد، تمام نیکیوں کا سرچشمہ

جس طرح حیات انسانی میں حب دنیا تمام برائیوں کی جزو ہے اسی طرح تمام نیکیوں اور اچھائیوں کا سرچشمہ ”زہد“ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حب دنیا انسان کو دنیا اور اسکی خواہشات کا اسیر بنادیتی ہے اور دنیا خود تمام برائیوں اور پستیوں کی بنیاد ہے لہذا حب دنیا بھی انسان کو برائیوں اور

(۱) نجح البالائد مکتب ۶۶۔

پستیوں کی طرف لے جاتی ہے جبکہ زہد کا مطلب ہے دنیا اور خواہشات دنیا سے آزاد ہونا اور جب انسان برائیوں کی طرف لے جانے والی دنیا سے آزاد ہو گا تو اسکی زندگی خود بخود نیکیوں اور اچھائیوں کا سرچشمہ بن جائے گی۔

روايات مخصوص میں "میں اس چیز کی طرف متعدد مقامات پر مختلف انداز سے اشارہ کیا گیا ہے بطور نمونہ ہم یہاں چند احادیث پیش کر رہے ہیں۔

امام صادقؑ کا ارشاد ہے:

﴿جعل الخير كله في بيت وجعل مفتاحه الزهد في الدنيا﴾ (۱)

"تمام نیکیاں ایک گھر میں قرار دی گئی ہیں اور اسکی کنجی دنیا کے سلسلہ میں زہد اختیار کرنا ہے"

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿الزهد أصل الدين﴾ (۲)

"دین کی اصل، زہد ہے"

آپؑ کا ارشاد ہے:

﴿الزهد اساس الدين﴾ (۳)

"دین کی اساس اور بنیاد، زہد ہے"

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:

﴿الزهد مفتاح باب الآخرة، والبراءة من النار، وهو ترك كل شئٍ﴾

(۱) بخار الانوار ج ۲۷ ص ۳۹۶۔

(۲) غر راحمہ ج اص ۲۹۔

(۳) غر راحمہ ج اص ۳۰۔

بِشَفْلِكَ عَنِ الْأَنْهَى مِنْ غَيْرِ تَاسِفٍ عَلَىٰ فَوْتِهَا وَلَا أَعْجَابٌ فِي
تَرْكِهَا، وَلَا انتِظَارٌ لِفَرْجٍ مِنْهَا، وَلَا طَلْبٌ مُحَمَّدَةً عَلَيْهَا، وَلَا عَوْضٌ مِنْهَا بَلْ تَرْىٰ
فَوَاتِهَا راحَةٌ، وَكُونُهَا آفَةٌ، وَتَكُونُ أَبْدًا هَارِبًا مِنَ الْآفَةِ، مُعْتَصِمًا بِالرَّاحَةِ (۱)
”زہد، باب آخرت کی کنجی اور جہنم سے نجات کا پروانہ ہے۔ زہد کا مطلب یہ ہے کہ تم ہر اس
چیز کو ترک کر دو جو تمہیں یادِ خدا سے غافل کر دے اور تمہیں اسکے چھوٹ جانے کا نہ کوئی افسوس ہو اور نہ
اسے ترک کرنے میں کوئی رحمت ہو۔ اس کے ذریعہ تمہاری کشاویگی کی توقع نہ ہو، نہ ہی اس پر تعریف
کی امید رکھو، نہ اسکا بدله چاہو بلکہ اسکے قوت ہو جانے میں ہی راحت اور اُنکی موجودگی کو آفت
سمجوایی صورت میں تم ہمیشہ آفت سے دور اور راحت و آرام کے حصار میں رہو گے“

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے:

(الزهد مفتاح الصلاح) (۲)

”زہد صلاح کی کنجی ہے“

زہد کے آثار

حیات انسانی میں زہد کے بہت عظیم آثار و تاثر پائے جاتے ہیں جنہیں زاہد کے نفس اور
اسکے طرز زندگی میں بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ آرزوؤں میں کمی

حب دنیا کا نتیجہ آرزوؤں کی کثرت ہے اور زہد کا نتیجہ آرزوؤں میں کمی۔ جب انسان کا تعلق
دنیا سے کم ہو اور وہ خواہشات دنیا سے آزاد ہو تو طبیعی طور پر اُنکی آرزوؤں میں بھی مختصر ہوں گی وہ دنیا میں

(۱) بخار الانوار ج ۰ ص ۳۱۵۔

(۲) غرائب حکم ص ۹۹، ۳۷، ۸۔

خواہشیں! احادیث الحمیت کی روشنی میں

زندگی بس کرے گا متاع زندگانی اور دنیاوی لذتوں سے استفادہ کرے گا لیکن ہمیشہ موت کو بھی یاد رکھے گا اور اسی طرح یہ بات بھی اسکے پیش نظر ہے گی کہ ان چیزوں کا سلسلہ کسی بھی وقت اچانک ختم ہو جائے گا۔

خیربر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

(من ير غب فی الدنیا فطال فیها أمله، أعمى الله قلبہ علیٰ قدر رغبته
فیها، ومن زهد فیها فقصر فیها أمله، أعطاہ اللہ علمًا بغير تعلم، وھدی
بغیر هداية، وأذهب عنه العماء، وجعله بصیراً) (۱)

”جو شخص دنیا کی طرف راغب ہوتا ہے اسکی آرزوں میں طولانی ہوتی ہیں اور دنیا کی طرف اسکی رغبت کے مطابق اللہ اسکے قلب کو انداختا کر دیتا ہے اور جو دنیا میں زاہد ہوتا ہے اسکی آرزوں میں مختصر ہوتی ہیں اور اللہ سے تعلیم کے بغیر علم اور اساباب ہدایت کے بغیر ہدایت عطا کرتا ہے۔ اور اس سے اندر ھٹے پن کو دور کر کے اسکو بصیر بنا دیتا ہے“

اس روایت سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ زہد، سے آرزوں میں کم ہو جاتی ہیں اور اس کی سے بصیرت اور ہدایت ملتی ہے اسکے برعکس دنیا کی جانب رغبت سے آرزووں میں کثرت پیدا ہوتی ہے اور کثرت اندر ھٹے پن کا سبب ہے تو آخراً آرزووں کی قلت اور بصیرت کے درمیان کیا تعلق ہے؟ اسکا راز یہ ہے کہ طویل آرزوں میں انسان کو دنیا میں اس طرح جکڑ دیتی ہیں کہ انسان اس سے بیحد محبت کرنے لگتا ہے اور دنیا کی محبت انسان اور خدا کے درمیان حجاب بن جاتی ہے اور جب آرزوں میں مختصر ہوتی ہیں تو یہ حجاب انٹھ جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب قلب کے جبابات دور ہو جائیں گے تو اس میں بصیرت پیدا ہو جائے گی۔

خیربر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿الزهد في الدنيا فصر الأمل، وشكر كل نعمة، والورع عن كل ماحرم الله﴾ (۱)
”دنیا میں زہد کا مطلب یہ ہے کہ آرزو کیسی قلیل ہوں، ہر نعمت کا شکر ادا کیا جائے اور
محرمات الہی سے پرہیز کیا جائے“

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿الزهد تقصير الامال، واخلاص الاعمال﴾ (۲)

”آرزوؤں میں کمی اور اعمال میں خلوص کا نام زہد ہے“

آپؑ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿أيها الناس، الزهادة قصر الأمل، والشكر عند النعم، والتورع
عند المحارم، فإنْ عزب ذلك عنكم، فلا يطلب الحرام صبركم، ولا تنسوا عند النعم
شكركم، فقد أعد الله عليكم بحجج مسفة ظاهرة، وكتب بارزة العذر وأضحة﴾ (۳)
”اے لوگوں: زہد امیدوں کے کم کرنے، نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے اور محرمات سے پرہیز
کرنے کا نام ہے۔ اب اگر یہ کام تمہارے لئے مشکل ہو جائے تو کم از کم اتنا کرنا کہ حرام تمہاری قوت
برداشت پر غالب نہ آنے پائے اور نعمتوں کے موقع پر شکر کو فراموش نہ کر دینا کہ پروردگار نے نہایت درجہ
 واضح اور روشن دلیلوں اور بحث تمام کرنے والی کتابوں کے ذریعہ تمہارے ہر عذر کا خاتمہ کر دیا ہے“

۲۔ دنیاوی تاثرات سے نجات اور آزادی

دنیاوی نعمتیں ملنے سے نہ انسان خوشی محسوس کرے گا اور نہ ان سے محرومی پر محروم ہو گا۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

(۱) بخار الانوار ج ۷ ص ۱۶۶۔

(۲) غر راجم ج ۱ ص ۹۳۔

(۳) نجف البلاغہ خطبہ ۸۱۔

﴿فَمَنْ لَمْ يَأْسْ عَلَى الْمَاضِ، وَلَمْ يَفْرُجْ بِالآتِي فَقَدْ أَخْذَ الرَّهْدَ بِطَرْفِيهِ﴾ (۱)
 ”جو شخص پاس پر افسوس نہ کرے اور ہاتھ آنے والی چیزوں سے مغرورنہ ہو جائے اس نے سارا زہد سمیت لیا ہے“

امیر المومنین کے ہر کلام کی مانند حیات انسانی میں زہد کے نتائج کے بارے میں شاہکار کلام پایا جاتا ہے ہم یہاں اس کلام کو نجع البلاغہ سے نقل کر رہے ہیں۔ ”اپنے کانوں کو موت کی آواز سنادو قبل اسکے کہ تمہیں بلا لیا جائے دنیا میں زاہدوں کی شان تبھی ہوتی ہے کہ وہ خوش بھی ہوتے ہیں تو ان کا دل روتا رہتا ہے اور وہ ہستے بھی ہیں تو ان کا رنج و اندوہ شدید ہوتا ہے۔ وہ خود اپنے نفس سے بیزار رہتے ہیں چاہے لوگ ان کے رزق سے غبطہ ہی کیوں نہ کریں۔ افسوس تمہارے دلوں سے موت کی یاد نکل گئی ہے اور جھوٹی امیدوں نے ان پر بقظہ کر لیا ہے۔ اب دنیا کا اختیار تمہارے اوپر آخرت سے زیادہ ہے اور وہ عاقبت سے زیادہ تمہیں کھینچ رہی ہے۔ تم دین خدا کے اعتبار سے بھائی بھائی تھے۔ لیکن تمہیں باطن کی خباثت اور ضمیر کی خرابی نے الگ الگ کر دیا ہے کہ اب نہ کسی کا بوجھ بٹاتے ہو نہ نصیحت کرتے ہو۔ نہ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہو اور نہ ایک دوسرے سے واقعی محبت کرتے ہو۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ معمولی سی دنیا کو پا کر خوش ہو جاتے ہو اور مکمل آخرت سے محروم ہو کر رنجیدہ نہیں ہوتے ہو۔ تھوڑی سی دنیا ہاتھ سے نکل جائے تو پریشان ہو جاتے ہو اور اس کا اثر تمہارے چہروں سے ظاہر ہو جاتا ہے اور اس کی علیحدگی پر صبر نہیں کر پاتے ہو جیسے وہ تمہاری منزل ہے اور جیسے اس کا سرمایہ واقعی باقی رہنے والا ہے۔ تمہاری حالت یہ ہے کہ کوئی شخص بھی دوسرے کے عیب کے اظہار سے باز نہیں آتا ہے مگر صرف اس خوف سے کہ وہ بھی اسی طرح پیش آئے گا۔ تم سب نے آخرت کو نظر انداز کرنے اور دنیا کی محبت پر اتحاد کر لیا ہے اور ہر ایک کا دین زبان کی چلنی بن کر رہ گیا

ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے سب نے اپنا عمل مکمل کر لیا ہے اور اپنے مالک کو واقعاخوش کر لیا ہے۔^(۱)

۳۔ دنیا پر عدم اعتماد

انسانی نفس کے اوپر زہد کے آثار میں سے ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ زہد بھی بھی دنیا پر اعتماد نہیں کرتا۔ انسان جب دنیا سے محبت کرنے لگتا ہے اور اس کا نفس دنیا میں الجھ جاتا ہے تو وہ دنیا پر بھروسہ کرتا ہے اور دنیا کو ہی اپنا مٹھکانہ اور دائیٰ قیام گاہ مان لیتا ہے لیکن جب انسان کے اندر زہد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنے دل سے جب دنیا کو نکال دیتا ہے تو پھر اسے دنیا پر اعتبار بھی نہیں رہ جاتا اور وہ دنیا کو محض ایک گذرگاہ اور آخوند کے لئے ایک پل تصور کرتا ہے۔

دنیا کے بارے میں لوگوں کے درمیان دو طرح کے تصورات پائے جاتے ہیں۔ کچھ افراد دنیا کو قیام گاہ مان کر اس سے دل لگایتے ہیں اور کچھ لوگ دنیا کو گذرگاہ اور آخوند کے لئے ایک پل سمجھ کر اس سے دل نہیں لگاتے۔ دونوں قسم کے افراد اسی دنیا میں رہتے ہیں اور خدا کی نعمتوں سے استفادہ کرتے ہیں مگر ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے گروہ کا منتظر نظر خود دنیا ہوتی ہے اور وہ اسی کو سب کچھ مانتے ہیں یہاں تک کہ موت ان سے دنیا کو الگ کر دیتی ہے۔ دوسرا گروہ ہے کہ جو دنیا کو سب کچھ سمجھ کر اس سے دل نہیں لگاتا بلکہ اسے گذرگاہ اور بلکہ حیثیت سے دیکھتا ہے لہذا جب موت آتی ہے تو دنیا کی مغافقت ان پر گراں نہیں گزرتی ہے۔

دنیا میں انسان کی حالت اور اس میں اسکے قیام کی مدت کو روایات میں بہترین مثالوں کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے ایک مثال کے بموجب دنیا میں انسان کا قیام ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی سوار راستے میں سورج کی گرمی سے پریشان ہو کر کسی سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ جاتا ہے اور تھوڑی دیر آرام کے بعد پھر اپنے کام کے لئے چل پڑتا ہے۔ کیا ایسی صورت میں دنیا کو اپنا مٹھکانہ، دائیٰ قیام گاہ سمجھنا اور

(۱) نجع البلاغ خطبہ ۱۱۳

اس سے دل لگا ناجح ہے؟

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿مَالِيٌ وَلِلْدُنْيَا، أَنَّمَا مَثَلِيٌ كَمَثَلِ رَاكِبٍ مَرَّ لِلْقِبْلَةِ فِي ظَلِّ شَجَرَةٍ فِي يَوْمٍ

صائفٌ ثُمَّ رَاحٌ وَتَرَكَهَا﴾ (۱)

”دنیا سے میرا کیا تعلق؟ میری مثال تو اس سوار کی سی ہے جو تیز ہواوں کے تھیزوں

کے درمیان آرام کی خاطر کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتا ہے اور پھر اس جگہ کو چھوڑ کر چل دیتا ہے“

امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے اپنے فرزند امام حسنؑ کو یہ وصیت فرمائی ہے:

﴿... يَا بَنِيَّ أَنِيْ قَدْ أَبَاتَكُمْ عَنِ الدُّنْيَا وَحَالُهَا، وَزُوْلُهَا، وَأَنْتُمْ تَكُونُونَ

عَنِ الْآخِرَةِ وَمَا أَعْدَ لِأَهْلَهَا فِيهَا، وَضَرَبَتِ لَكُمْ فِيهَا الْأَمْثَالُ، لِتَعْتَبِرُوهَا، وَتَحْذُو

عَلَيْهَا، أَنَّمَا مَثَلُ مَنْ خَبَرَ الدُّنْيَا كَمَثَلِ قَوْمٍ سَفَرُنَا بِهِمْ مِنْزَلَ جَذِيبٍ فَأَمْوَالُ

مِنْزَلٍ لَا خَصِيبًا، وَجَنَابَةً مَرِيعًا، فَاحْتَمَلُوا وَاعْشَاءَ الطَّرِيقِ، وَفَرَاقَ

الصَّدِيقِ، وَخُشُونَةَ السَّفَرِ... وَمَثَلُ مَنْ اغْتَرَبَهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ كَانُوا بِمِنْزَلٍ خَصِيبٍ

فَنَبَاهُمْ إِلَىٰ مِنْزَلَ جَذِيبٍ، فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِمْ وَلَا أَفْسَعَ عِنْهُمْ مِنْ مَفَارِقَةِ

مَا كَانُوا فِيهِ إِلَىٰ مَا يَهْجِمُونَ عَلَيْهِ وَيَصِيرُونَ إِلَيْهِ...﴾ (۲)

”... اے فرزند میں نے تمہیں دنیا اور اسکی حالت اور اسکی بے شباتی و ناپائیداری سے خبردار

کر دیا ہے۔ اور آخرت اور آخرت والوں کے لئے جو سروسامان عشرت مہیا ہے اس سے بھی آگاہ

کر دیا ہے اور ان دونوں کی مثالیں بھی تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں تاکہ ان سے عبرت حاصل کرو

(۱) بیمار الانوار ج ۲ ص ۱۱۹۔

(۲) نجح البلاغ مکتب ۳۱۔

اور ان کے تقاضے پر عمل کرو۔ جن لوگوں نے دنیا کو خوب سمجھ لیا ہے ان کی مثال ان مسافروں کی سی ہے جن کا قحط زدہ منزل سے دل اچاٹ ہوا، اور انہوں نے راستے کی دشواریوں کو جھیلا، دوستوں کی جدائی برداشت کی، سفر کی صعوبتیں گوارا کیں، اور کھانے کی بد مزگیوں پر صبر کیا تاکہ اپنی منزل کی پہنسچی اور رائجی قرار گاہ تک پہنچ جائیں۔ اس مقصد کی دھن میں انھیں ان سب چیزوں سے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ اور جتنا بھی خرچ ہو جائے اس میں نقصان معلوم نہیں ہوتا۔ انھیں سب سے زیادہ وہی چیز مرغوب ہے جو انہیں منزل کے قریب اور مقصد سے نزدیک کر دے اور اسکے پر خلاف ان لوگوں کی مثال جنہوں نے دنیا سے فریب کھایا ان لوگوں کی سی ہے جو ایک شاداب بزرہ زار میں ہوں اور وہاں سے دل برداشتہ ہو جائیں اور اس جگہ کارخ کر لیں جو خشک سالیوں سے تباہ ہو۔ ان کے نزدیک سخت ترین حادث یہ ہو گا کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ کر ادھر جائیں کہ جہاں انھیں اچانک پہنچتا ہے اور ہر صورت وہاں جاتا ہے۔۔۔

حضرت عمر، پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا آپ ایک بوریئے پر آرام فرمائے ہیں اور آپ کے پہلو پر اس کا نشان بن گیا ہے تو عرض کی اے نبی خدا:

﴿يَا نَبِيَّ اللَّهِ، لَوْا تَحْذِلْتَ فِرَاشًا أَوْ ثَرَّ مِنْهُ؟ فَقَالَ (ص): مَالِي وَلِلَّهِ دِيْنِي، مَالِي مَثَلِ الدِّنِيَا إِلَّا كَرَأْكَ سَارِفِي يَوْمَ صَافِفٍ فَاسْتَظَلَّتْ حَسْرَةً سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، ثُمَّ رَاحَ وَتَرَ كَهْأَنَ﴾ (۱)

اگر آپ اس سے بہتر بستر بچھا لیتے تو کیا تھا؟ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: ”دنیا سے میرا کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال ایک سوار کی ہی ہے جو تیز ہواؤں کے درمیان چلا جا رہا ہو اور دن میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے کسی سایہ دار رخت کے نیچے رک جائے اور پھر اس جگہ کو چھوڑ کر آگے بڑھ جائے“

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿ان الدنیا لیست بدار قرار ولا محل اقامۃ، ائماً انتم فیها کر کب عرشوا و ارتاحوا، ثُمَّ استقلُوا فغدو اور احوا، دخلوا ها خفافاً، و ارتحلوا عنہا ثقلاً، فلم يجدوا عنہا نزوعاً، ولا الی ما ترکوب بهار جو عاً﴾ (۱)

”یہ دنیا دار القرار اور داعی قیام گاہ نہیں ہے تم یہاں سوار کی مانند ہو جنہوں نے کچھ دیر کیلئے خیسہ لگایا اور پھر جل پڑے پھر دوسرا منزل پر تھوڑا آرام کیا اور صبح ہوتے ہی کوچ کر گئے، بلکہ چلکے (آسانی سے) اترے اور لا د پھانڈ کر مشکل سے روانہ ہوئے نہ انہیں اسکا کبھی اشتیاق ہوا اور جس کو ترک کر کے آگئے نہ اسکی طرف واپسی ممکن ہوئی“

نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا: انسان دنیا میں کیسے زندگی بسر کرے؟ آپ نے فرمایا جیسے قافلہ گزرتا ہے۔ دریافت کیا گیا اس دنیا میں قیام کتنا ہے؟ آپ نے فرمایا جتنی دری قافلہ سے چھوٹ جانے والا رہتا ہے۔ دریافت کیا گیا! دنیا و آخرت میں فاصلہ کتنا ہے؟ آپ نے فرمایا بلکہ جھکنے کا۔ (۲) اور اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿کَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرُونَ مَا يَوْعِدُونَ لَمْ يَلْمِسُوا الْأَسَاعَةَ مِنْ نَهَارٍ﴾ (۳)

”تو ایسا محسوس کر یہ گئے جیسے دنیا میں ایک دن کی ایک گھنٹی ہی خبرے ہیں“

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿الدنیا ضلال الغمام، و حلم المنام﴾ (۴)

(۱) بحار الانوار ج ۲۸ ص ۱۸۲۔

(۲) بحار الانوار ج ۲۳ ص ۱۲۲۔

(۳) سورہ احتقاف آیت ۳۵۔

(۴) غر راحمہ ج ۱ ص ۱۰۲۔

”دنیا بادل کا سایہ اور سونے والے کا خواب ہے“

امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الدُّنْيَا عِنْدَ الْعُلَمَاءِ مُثْلُ الظُّلُمَ﴾ (۱)

”اہل علم کے نزدیک دنیا سایہ کے مانند ہے“

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿أَلَا وَانَ الدُّنْيَا دَارُ لَا يُسْلِمُ مِنْهَا إِلَّا فِيهَا، وَلَا يَنْجِي بِشَيْءٍ كَانَ لَهَا، أَبْتَلَى النَّاسَ فِيهَا فَنَّةً فَمَا أَخْذُوهُ مِنْهَا لَهَا أَخْرِجَوْا مِنْهُ وَحْسَبُوا عَلَيْهِ، وَمَا أَخْذُوهُ مِنْهَا لِغَيْرِهَا، قَدَّمُوا عَلَيْهِ وَأَقَامُوا فِيهِ، فَإِنَّهَا عِنْدَ ذُو

الْعُقُولِ كَفِي الظُّلُمَ بِنَاءً تِرَاهُ سَابِقًا حَتَّىٰ قَلْصَ، وَزَانَدَ حَتَّىٰ نَقْصَ﴾ (۲)

”یاد رکھو یہ دنیا ایسا گھر ہے جس سے سلامتی کا سامان اسی کے اندر سے کیا جا سکتا ہے اور کوئی ایسی شے و سیلہ نجات نہیں ہو سکتی ہے جو دنیا ہی کے لئے ہو۔ لوگ اس دنیا کے ذریعہ آزمائے جاتے ہیں جو لوگ دنیا کا سامان دنیا ہی کے لئے حاصل کرتے ہیں وہ وہاں جا کر پالیتے ہیں اور اسی میں مقیم ہو جاتے ہیں۔ یہ دنیا درحقیقت صاحبانِ عقل کی نظر میں ایک سایہ جیسی ہے جو دیکھتے دیکھتے سڑ جاتا ہے اور پھیلتے پھیلتے کم ہو جاتا ہے“

دنیا ایک پل

دین اسلام مسلمان کو دنیا کے بارے میں ایک ایسے نظریہ کا حامل بنانا چاہتا ہے کہ اگر اسکے دل میں یہ عقیدہ و نظریہ راجح ہو جائے تو پھر دنیا کو ایک ایسے پل کے مانند سمجھے گا جس کے اوپر سے گذر

(۱) بخار الانوار ج ۳ ص ۱۳۶۔

(۲) ثیج البلاғ خطبہ ۶۳۔

۲۶۳ خواہیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

کرائے جانا ہے اور اس مسلمان کی نگاہ میں یہ دنیا دار القرآن نہیں ہوگی۔ جب ایسا عقیدہ ہوگا تو خود بخود مسلمان دنیا پر فریقت نہ ہوگا اور اسکی عملی زندگی میں بھی اس کے نتائج نمایاں نظر آئیں گے۔

حضرت عیسیٰؐ کا ارشاد ہے:

(انما الدنیا فنطرة) (۱)

”دنیا ایک پل ہے“

امیر المؤمنین حضرت علیؓ کا ارشاد گرامی ہے:

(أيها الناس انما الدنيا دار مجاز و الآخرة دار قرار، فخذوا من

محمرَّ كم لم يقرَّ كم، ولا تهتكوا أستارَ كم عندَ من يعلمُ أسرارَ كم) (۲)

”اے لوگو! یہ دنیا گذرگاہ ہے اور آخرت دار قرار ہے لہذا اپنے راست سے اپنے ٹھکانے کے لئے تو شاکھا کرلو اور جو تمہارے اسرار کو جانتا ہے اس کے سامنے اپنے پرونوں کو چاک نہ کرو“
آپؐ کا ارشاد گرامی ہے:

(الدنيا دار محرّر ولا دار مقرّ، والناس فيهار جلان: رجل باع نفسه

فأوبقها، ورجل ابتاع نفسه فأعتقها) (۳)

”دنیا گذرگاہ ہے دار القرآن نہیں اس میں دو طرح کے لوگ رہتے ہیں کچھ وہ ہیں جنہوں نے دنیا کے ہاتھوں اپنا نفس بیچ دیا تو وہ دنیا کے غلام ہو گئے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنے نفس کو خرید لیا اور دنیا کو آزاد کر دیا“

(۱) بخاری الانوار ج ۱۳ ص ۳۱۹۔

(۲) نجح البلاغ خطبہ ۲۰۳۔

(۳) شرح نجح البلاغ ج ۱۸ ص ۳۲۹۔

اسباب و تاثیح کارابطہ

اسلامی فکر کا انتیاز یہ ہے کہ وہ انسانی مسائل سے متعلق اسباب و تاثیح کو ایک دوسرے سے لا تعلق قرار نہیں دیتی بلکہ انھیں آپس میں ملا کر دیکھئے اور پھر اس سے نتیجہ اخذ کرنے کی قائل ہے جب ہم انسانی اسباب و تاثیح کے بارے میں غور کرتے ہیں تو ان مسائل میں اکثر دو طرفہ رابطہ نظر آتا ہے یعنی دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ انسانی مسائل میں ایسے دو طرفہ رابطوں کی مثالیں بکثرت موجود ہیں مثلاً آپ زہد اور بصیرت کوہی دیکھئے کہ زہد سے بصیرت اور بصیرت سے زہد میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہاں پر ہم ان دونوں سے متعلق چند روایات پیش کر رہے ہیں۔

زہد و بصیرت

﴿أَفَمِنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں پیغمبر اکرم ﷺ سے مردی ہے کہ آپ نے فرمایا:

﴿إِنَّ النُّورَ إِذَا وَقَعَ فِي الْقَلْبِ انفَسَحَ لَهُ وَانْشَرَ﴾، قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ: فَهَلْ لِذَلِكَ عَلَمًا يَعْرَفُ بِهَا؟ قَالَ: ﴿الْتَّجَافِي مِنْ دَارِ الْفَرُورِ، وَالاِنْتَابَةُ إِلَى دَارِ الْخَلُودِ، وَالاِسْتَعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نَزْوَلِ الْمَوْتِ﴾

”قلب پر جب نور کی تابش ہوتی ہے تو قلب کشادہ ہو جاتا ہے اور اس میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے عرض کیا گیا رسول اللہ اسکی پیچان کیا ہے؟“

آپ نے فرمایا:

”دار الفرور (دنیا) سے دوری، دار الخلود (آخرت) کی طرف رجوع اور موت آنے سے

پہلے اسکے لئے آمادہ ہو جانا ہے،^(۱)

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿أَحَقُّ النَّاسِ بِالزَّهَادَةِ، مَنْ عَرَفَ نَفْعَ الدُّنْيَا﴾^(۲)

”جو دنیا کے فنا کھل سے آگاہ ہے اسے زیادہ زاہد ہونا چاہئے“

آپؑ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

﴿مَنْ صَوَرَ الْمَوْتَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، هَانَ أَمْرُ الدُّنْيَا عَلَيْهِ﴾^(۳)

”جس کی دونوں آنکھوں کے سامنے موت کھڑی رہتی ہے اس کے لئے دنیا کے امور

آسان ہو جاتے ہیں“

نیز آپؑ نے فرمایا: ﴿زَهَدَ الْمَرءُ فِيمَا يَنْفَعُ، عَلَى قَدْرِ يَقِينِهِ فِيمَا يَنْفَعُ﴾^(۴)

”فانی اشیاء (دنیا) کے بارے میں انسان اتنا ہی زاہد ہوتا ہے جتنا اسے باقی اشیاء

(آخرت) کے بارے میں یقین ہوتا ہے“

زہد و بصیرت کا ارابط

پیغمبر اکرم ﷺ نے حضرت ابو ذر (رض) سے فرمایا:

﴿يَا أَبَا ذَرٍ: مَا زَهَدَ عَبْدٌ فِي الدُّنْيَا إِلَّا نَبَتَ اللَّهُ حُكْمُهُ فِي قَلْبِهِ، وَأَنْطَقَ بِهِ الْسَّانُهُ﴾

وَيَسْرَهُ عِيوبُ الدُّنْيَا وَدَاءُهَا وَدَوَاهُهَا، وَآخِرُ جَهَّهُ مِنْهَا سَالِمًا إِلَى دَارِ السَّلَامِ^(۵)

(۱) بخار الانوار ج ۳ ص ۱۲۲۔

(۲) غر راحمہ۔

(۳) غر راحمہ۔

(۴) بخار الانوار ج ۰ ص ۳۱۹۔

(۵) بخار الانوار ج ۷ ص ۸۔

اُسکی دنیا کو مزین کر دوں گا.....

۲۶۷

”اے ابوذر جو شخص بھی زہاد اختیار کرتا ہے اللہ اس کے قلب میں حکمت کا پودا اگاہ دیتا ہے اور اسے اُسکی زبان پر جاری کر دیتا ہے اسے دنیا کے عیوب، اور درد کے ساتھ اتنا علاج بھی دکھا دیتا ہے اور اسے دنیا سے سلامتی کے ساتھ دار السلام لے جاتا ہے۔“
پیغمبر اکرم ﷺ سے مردی ہے:

﴿مَنْ يَرْغِبُ فِي الدُّنْيَا فَطَالَ فِيهَا أَمْلَهُ، أَعْمَى اللَّهُ قَلْبَهُ عَلَىٰ قَدْرِ رَغْبَتِهِ
فِيهَا، وَمَنْ زَهَدَ فِيهَا فَقُصُّرَ أَمْلَهُ أَعْطَاهُ اللَّهُ عِلْمًا بِغَيْرِ تَعْلِمْ، وَهَدَىٰ
بِغَيْرِ هَدَايَةٍ، وَأَذْهَبَ عَنِ الْعُمَّاءِ وَجَعَلَهُ بَصِيرًا﴾ (۱)

جو دنیا سے رغبت رکھتا ہے اُسکی آرزوں میں طویل ہو جاتی ہیں اور وہ چنان راغب ہوتا ہے اسی مقدار میں خدا کے قلب کو انداختا ہے اور جو زہاد اختیار کرتا ہے اُسکی آرزوں میں قلیل ہوتی ہیں اللہ اسے تعلیم کے بغیر علم اور رہنمائی کے بغیر ہدایت عطا کرتا ہے اور اس کے اندر ہے پن کو ختم کر کے اسے بصیر بنادیتا ہے۔“

ایک دن پیغمبر اسلام ﷺ لوگوں کے درمیان آئے اور فرمایا:

﴿هَلْ مِنْكُمْ مَنْ يَرِيدُ أَنْ يَؤْتِيَهُ اللَّهُ عِلْمًا بِغَيْرِ تَعْلِمْ، وَهَدَىٰ بِغَيْرِ هَدَايَةٍ؟ هَلْ
مِنْكُمْ مَنْ يَرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ عَنِ الْعُمَّىٰ وَيَجْعَلَهُ بَصِيرًا؟ أَلَا إِنَّهُ مَنْ زَهَدَ فِي
الدُّنْيَا، وَقُصُّرَ أَمْلَهُ فِيهَا، أَعْطَاهُ اللَّهُ عِلْمًا بِغَيْرِ تَعْلِمْ، وَهَدَىٰ بِغَيْرِ هَدَايَةٍ﴾ (۲)

”کیا تم میں سے کوئی اس بات کا خواہاں ہے کہ اللہ اسے تعلیم کے بغیر علم اور رہنمائی کے بغیر ہدایت دیے۔ تم میں سے کوئی اس بات کا خواہاں ہے کہ اللہ اس کے اندر ہے پن کو دور کر کے اسے بصیر بنادے؟ آگاہ ہو جاؤ جو شخص بھی دنیا میں زہاد اختیار کرے گا اور اپنی آرزوں میں قلیل رکھے گا

(۱) بخاری الانوار ج ۷ ص ۲۶۳۔

(۲) در المکور ج ۱ ص ۶۷۔

اللہ سے تعلیم کے بغیر علم اور رہنمائی کے بغیر ہدایت عطا کرے گا۔

غیر اکرم ملک علیہ السلام نے فرمایا:

﴿يَا أَبَا ذِرَّا ذَرْأَيْتَ أَخَالَ قَدْرَهُدْ فِي الدُّنْيَا فَاسْتَمْعْ مِنْهُ، فَإِنَّهُ يُلْقَى الْحُكْمَةَ﴾ (۱)

”اے ابوذر اگر تم اپنے کسی بھائی کو دیکھو کہ وہ دنیا میں زاہد ہے تو اسکی باتوں کو (دھیان سے)

ستو کیونکہ اسے حکمت عطا کی گئی ہے“

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زہد و بصیرت میں دو طرفہ رابطہ ہے، یعنی زہد کا نتیجہ بصیرت اور بصیرت کا نتیجہ زہد ہے۔ اسی طرح زہد اور قلت آرزو کے مابین بھی دو طرفہ رابطہ ہے زہد سے آرزووں میں کمی اور اس کمی سے زہد پیدا ہوتا ہے زہد اور قلت آرزو کے درمیان رابطہ کے بارے میں امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: ﴿الزَّهَدُ يَخْلُقُ الْأَبْدَانَ، وَيُحَدِّدُ الْأَمَالَ، وَيَقْرَبُ الْمُنْيَةَ، وَيَبْعَدُ الْأُمْنَيَةَ، مَنْ ظَفَرَ بِهِ نَصْبٍ، وَمَنْ فَاتَهُ تَعْبٌ﴾ (۲)

”زہد، بدن کو مناسب اور معتدل، آرزووں کو محدود، موت کو نگاہوں سے نزدیک اور تمباویں کو انسان سے دور کر دیتا ہے جو اسکو پانے میں کامیاب ہو گیا وہ خوش نصیب ہے اور جو اسے کھو بیٹھا وہ در در میں بیٹلا ہو گیا“

آرزووں کی کمی اور زہد کے رابطہ کے بارے میں امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے:

﴿إِسْتَجْلِبْ حَلَوَةَ الزَّهَادَةِ بِقُصْرِ الْأَمَلِ﴾ (۳)

”آرزو کی قلت سے زہد کی حلاوت حاصل کرو“

ان متقاضاً صفات کے درمیان دو طرفہ رابطہ کا بیان اسلامی فکر کے امتیازات میں سے ہے۔

(۱) بخار الانوار ج ۷ ص ۸۰۔

(۲) بخار الانوار ج ۰ ص ۳۱۷۔

(۳) بخار الانوار ج ۸ ص ۱۶۳۔

زہد و بصیرت یا زہد و قلب آرزو کے درمیان دو طرفہ رابطہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں کے اندر ایک دوسرے کے ذریعہ اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس سے انسان ترقی کرتا رہتا ہے۔ اس طرح کہ بصیرت سے زہد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور جب انسان زہد ہو جاتا ہے تو بصیرت کے اعلیٰ مراتب حاصل ہو جاتے ہیں۔ نیز بصیرت کے ان اعلیٰ مراتب سے زہد میں اضافہ ہوتا ہے اور اس زہد سے پھر بصیرت کے مزید اعلیٰ مراتب وجود پاتے ہیں۔ اس طرح انسان ان دونوں صفات و مکالات کے ذریعہ بلند یوں تک پہنچ جاتا ہے۔

ذموم و نیا اور مددوح دنیا

۱۔ ذموم و نیا

اس سے قبل ہم نے ذکر کیا تھا کہ دنیا کے دو چہرے ہیں:

(۱) ظاہری

(۲) باطنی

دنیا کا ظاہری چہرہ فریب کا سرچشمہ ہے۔ یہ چہرہ انسانی نفس میں حب دنیا کا جذبہ پیدا کرتا ہے جبکہ باطنی چہرہ ذریعہ عبرت ہے یہ انسان کے نفس میں زہد کا باعث ہوتا ہے روایات کے مطابق دنیا کا ظاہری چہرہ ذموم ہے اور باطنی چہرہ مددوح ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ واقعاً دنیا کے دو چہرے ہیں یہ فرق درحقیقت دنیا کو دیکھنے کے انداز سے پیدا ہوتا ہے ورنہ دنیا اور اسکی حقیقت ایک ہی ہے۔ فریب خور دنگاہ سے اگر دنیا کو دیکھا جائے تو یہ دنیا ذموم ہو جاتی ہے اور اگر دیدہ عبرت سے دنیا پر نگاہ کی جائے تو یہی دنیا مددوح قرار پاتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ لذات و خواہشات سے لبریز دنیا کا ظاہری چہرہ ہی ذموم ہے۔

یہاں پر دنیا کے ذموم رخ کے بارے میں چند روایات پیش کی جا رہی ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے فرمایا:
 ﴿الدُّنْيَا سُوقُ الْخَسْرَانِ﴾ (۱)
 ”دنیا گھانے کا بازار ہے“
 آپ ہی کا ارشاد ہے:
 ﴿الدُّنْيَا مَصْرُعُ الْعُقُولِ﴾ (۲)
 ”دنیا عقول کا میدان جنگ ہے“
 آپ کا ہی ارشاد ہے:
 ﴿الدُّنْيَا ضَحْكَةُ مُسْتَعْبَرٍ﴾ (۳)
 ”دنیا چشم گریاں رکھنے والے کے لئے ایک ٹھی ہے“
 آپ ہی کا ارشاد ہے:
 ﴿الدُّنْيَا مُطْلَقَةُ الْأَكْيَاسِ﴾ (۴)
 ”دنیا ذہین لوگوں کی طلاق شدہ بیوی ہے“
 آپ ہی کا ارشاد ہے:
 ﴿الدُّنْيَا مَعْدُنُ الشَّرُورِ، وَمَحْلُ الْغَرُورِ﴾ (۵)
 ”دنیا شروعہ کا معدن اور دھوکے کی جگہ ہے“

(۱) غر راحمہ ج ۱ ص ۳۶۔

(۲) غر راحمہ ج ۱ ص ۳۵۔

(۳) غر راحمہ ج ۱ ص ۳۶۔

(۴) غر راحمہ ج ۱ ص ۲۸۔

(۵) غر راحمہ ج ۱ ص ۷۳۔

آپ ہی کا ارشاد ہے:

﴿الدنيا لاصفولشارب، ولا تفی لصاحب﴾ (۱)

”دنیا کسی پینے والے کے لئے صاف و شفاف اور کسی کے لئے باوفاساتھی نہیں ہے“

آپ ہی کا ارشاد ہے:

﴿الدنيا مزرعة الشر﴾ (۲)

”دنیا شر و فساد کی کاشت کی جگہ ہے“

آپ ہی کا ارشاد ہے:

﴿الدنيا مُنْيَةُ الْأَشْقِيَاء﴾ (۳)

”دنیا اشقا کی آرزو ہے“

آپ ہی کا ارشاد ہے:

﴿الدنيا تُسلِم﴾ (۴)

”دنیا دوسرا کے حوالے کر دیتی ہے“

آپ ہی کا ارشاد ہے:

﴿الدنيا تُذَل﴾ (۵)

”دنیا ذلیل کرنے والی ہے“

(۱) غر راحم ج اص ۸۵۔

(۲) غر راحم ج اص ۲۶۔

(۳) غر راحم ج اص ۳۷۔

(۴) غر راحم ج اص ۱۱۔

(۵) غر راحم ج اص ۱۱۔

دنیا سے بچاؤ

امیر المؤمنین حضرت علیؑ ہمیں دنیا سے اس انداز سے ڈراتے ہیں:

﴿أَحَدَرَ كُمُ الدُّنْيَا فَإِنَّهَا لَيْسَ بِدَارٍ غَبْطَةً، قَدْ تَزَيَّنَتْ بِغُرُورِهَا، وَغَرَّتْ

بِزِينَتِهَا لِمَنْ أَنْ يَنْظُرُ إِلَيْهَا﴾ (۱)

”میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں کیونکہ یہ فخر و مبارکات کا گھر نہیں ہے۔ یہ اپنے فریب سے

مزین ہے اور جو شخص اسکی طرف دیکھتا ہے اسے اپنی زینت سے دھوکے میں متلاکرو گئی ہے“

ایک اور مقام پر آپؐ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿أَحَدَرَ كُمُ الدُّنْيَا فَإِنَّهَا حُلْوَةٌ خَضْرَةٌ، حُفَّتْ بِالشَّهْوَاتِ﴾ (۲)

”میں تمہیں اس دنیا سے بچنے کی تاکید کرتا ہوں کیونکہ دنیا سر بزر و شیریں اور شہروں سے گھری ہوئی ہے“

آپؐ ہی کا ارشاد ہے:

﴿أَحْذِرُوا هَذِهِ الدُّنْيَا، الْخَدَاعَةُ الْغَذَارَةُ، الَّتِي قَدْ تَزَيَّنَتْ بِحُلْيَهَا وَنُفْتَ

بِغُرُورِهَا فَأَصْبَحَتْ كَالْعَرْوَسَةِ الْمَعْجَلَةَ، وَالْعَيْنُ إِلَيْهَا نَاطَرَةً﴾ (۳)

”اس دھوکے باز مکار دنیا سے بچو یہ دنیا زیورات سے آ راستہ اور فتنہ سامانیوں کی وجہ سے جی

سجائی دہن کی مانند ہے کہ آنکھیں اسی کی طرف لگی رہتی ہیں“

ب: مدد و ح دنیا

دنیا کا دوسرا رخ اور اس کے بارے میں جو دوسرا انظر ہے وہ قابل مدح و ستائش ہے البتہ

(۱) بخار الانوار ج ۸ ص ۲۱۔

(۲) بخار الانوار ج ۲ ص ۹۶۔

(۳) بخار الانوار ج ۳ ص ۱۰۸۔

یہ قابل تائش رخ اس دنیا کے باطن سے لفڑتا ہے جو قابل زوال ہے جبکہ مذموم رخ ظاہری دنیا سے متعلق تھا۔

بہر حال یہ طے شدہ بات ہے کہ دنیا کے دورخ ہیں ایک مددوح اور دوسرا مذموم۔ مددوح رخ کے اعتبار سے دنیا نقصان دہنیں ہے بلکہ لفڑ بخش ہے اور مضر ہونے کے بجائے مفید ہے اسی رخ سے دنیا آخرت تک پہنچانے والی، مومن کی سواری، وار صدق اور اولیاء کی تجارت گاہ ہے۔ لہذا دنیا کے اس رخ کی مذمت سمجھنیں ہے روایات کے آئینہ میں دنیا کے اس رخ کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ دنیا آخرت تک پہنچانے والی

امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

﴿الدنيا دنياء ان، دنيابلاع، و دنيا ملعونة﴾ (۱)

”دنیا کی دو قسمیں ہیں؟ دنیا نے بلاع اور دنیا نے ملعونہ“

دنیا نے بلاع سے مراد یہ ہے کہ دنیا انسان کو آخرت تک پہنچاتی ہے اور خدا تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ بلاع کے یہی معنی ہیں اور یہ دنیا کی پہلی قسم ہے۔

دوسری دنیا جو ملعون ہے وہ دنیا وہ ہے جو انسان کو اللہ سے دور کرتی ہے اس لئے کہ اُن بھگانے اور دور کرنے کو کہتے ہیں اب ہر انسان کی دنیا انہیں دو میں سے کوئی ایک ضرور ہے یا وہ دنیا جو خدا تک پہنچاتی ہے یا وہ دنیا جو خدا سے دور کرتی ہے۔

اسی سے ایک حقیقت اور واضح ہو جاتی ہے کہ انسان دنیا میں کسی ایک مقام پر نہ رہنیں رہتا ہے بلکہ یا تو وہ قرب خدا کی منزلیں طے کرتا رہتا ہے یا پھر اس سے دور ہوتا جاتا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

خواہیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

﴿لَا تَسْأَلُوا فِيهَا فَوْقَ الْكَفَافِ، وَلَا تَطْبُوا مِنْهَا أَكْثَرَ مِنَ الْبَلَاغِ﴾ (۱)

”اس دنیا میں ضرورت سے زیادہ کا سوال مت کرو اور نہ ہی کفایت بھر سے زیادہ کا مطالبہ

کرو“

اس طرح اس دنیا کا مقصد (بلاغ) ہے اور انسان دنیا میں جو بھی مال و متاع حاصل کرتا ہے وہ صرف اس مقصد تک پہنچنے کیلئے ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے اس طرح انسان کی ذمہ داری ہے کہ دنیا میں صرف اتنا ہی طلب کرے جس سے اپنے مقصود تک پہنچ سکے لہذا اس مقدار سے زیادہ مانگنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی وسیلہ کو مقصد بنا رکھنا چاہئے اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا وسیلہ ہے آخوند مقصد نہیں ہے بلکہ آخری مقصد آخرت اور خدا تک رسائی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِيَاخْلَقَ لِغَيْرِهَا، وَلَمْ تَخْلُقْ لِنَفْسِهَا﴾ (۲)

”دنیا اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے غیر (آخرت تک رسائی) کیلئے خلق کی گئی ہے“

وسیلہ کو مقصد قرار دے دیا جائے یہ بھی غلط ہے اسی طرح واسطہ کو وسیلہ اور مقصد (دونوں) قرار دینا بھی غلط ہے اسی لئے امیر المؤمنینؑ نے فرمایا ہے کہ دنیا کو صرف اس مقدار میں طلب کرو جس سے آخرت تک پہنچ سکو۔

لیکن خود حصول دنیا کے سلسلہ میں آپؑ نے فرمایا کہ صرف بقدر ضرورت سوال کرو۔ امامؑ کے اس مختصر سے جملے میں حصول رزق کے لئے سعی و کوشش کے سلسلہ میں اسلام کا مکمل نظریہ موجود ہے۔ چونکہ مال و متاع دنیا آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے لہذا اسکے معاشر اور تحصیل رزق ضروری ہے لیکن اس تلاش و جستجو میں ”بقدر ضرورت“ کا خیال رکھنا ضروری ہے اور ”بقدر“ ضرورت سے مراد ہو

(۱) بخار الانوار ج ۳ ص ۸۱۔

(۲) نجع البلاغ حکمت ۳۵۵۔

مقدار ہے کہ جس کے ذریعہ دنیاوی زندگی کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں اور آخرت تک رسائی ہو سکے انسانی ضرورت واقعی اور ضروری بھی ہوتی ہے اور غیر واقعی یا وہی بھی۔ یعنی اسے زندہ رہنے اور آخرت تک رسائی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ حقیقی ضرورتیں ہیں۔ اور ان کے علاوہ کچھ غیر ضروری چیزیں بھی احتیاج و ضرورت کی شکل میں انسان کے سامنے آتی ہیں جو درحقیقت حرص و طمع ہے اور ان کا سلسلہ بھی ختم ہونے والا نہیں ہے اگر انسان ایک مرتبہ ان کی گرفت میں آگیا تو پھر ان کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی۔ ان کی راہ میں جدوجہد کرتے ہوئے انسان ہلاک ہو جاتا ہے مگر اس جدوجہد سے اذیت و طمع میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے جدیز رگوار حضرت علیؑ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

﴿يَا بْنَ آدَمَ كُنْتَ تَرِيدُ مِنَ الدُّنْيَا مَا يَكْفِيكَ فَإِنْ أَيْسَرْ مَا فِيهَا يَكْفِيكَ، وَ إِنْ

كُنْتَ اِنْتَ تَرِيدُ مَالًا يَكْفِيكَ فَإِنْ كُلَّ مَا فِيهَا يَكْفِيكَ﴾ (۱)

”اے فرزند آدم اگر تو دنیا سے بقدر ضرورت کا خواہاں ہے تو تھوڑا بہت، جو کچھ تیرے پاس ہے وہی کافی ہے اور اگر تو اتنی مقدار میں دنیا کا خواہاں ہے جو تیری ضرورت سے زیادہ ہے تو پھر دنیا میں جو کچھ ہے وہ بھی ناکافی ہے۔“

دنیا کے بارے میں یہ دلیل نظریہ متعدد اسلامی روایات اور احادیث میں وارد ہوا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿أَلَا وَإِنَّ الدُّنْيَا دَارٌ لَا يُسْلِمُ مِنْهَا إِلَّا فِيهَا، وَلَا يَجِدُ بَشَّرًا كَانَ لَهَا، إِبْتَلَى

النَّاسَ بِهَا فَتَنَّةً، فَمَا أَخْذُوهُ مِنْهَا لَهَا أَخْرَجُوا مِنْهُ وَحْسِبُوا عَلَيْهِ،

وَمَا أَخْذُوهُ مِنْهَا لِغَيْرِهَا قَدْمُوا عَلَيْهِ وَأَقَامُوا فِيهِ (۱)

”آگاہ ہو جاؤ کہ یہ دنیا ایسا گھر ہے جس سے سلامتی کا سامان اسی کے اندر سے کیا جاسکتا ہے اور کوئی ایسی شے و سیلہ نجات نہیں ہو سکتی ہے جو دنیا ہی کے لئے ہو۔ لوگ اس دنیا کے ذریعہ آزمائے جاتے ہیں۔ جو لوگ دنیا کا سامان، دنیا ہی کیلئے حاصل کرتے ہیں وہ اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور پھر حساب بھی دینا ہوتا ہے اور جو لوگ یہاں سے وہاں کیلئے حاصل کرتے ہیں وہ وہاں جا کر پالیتے ہیں اور اسی میں مقیم ہو جاتے ہے یہ دنیا درحقیقت صاحبان عقل کی نظر میں ایک سایہ جیسی ہے جو دیکھتے دیکھتے سست جاتا ہے اور پھیلتے پھیلتے کم ہو جاتا ہے“

ان کلمات میں اختصار کے باوجود بے شمار معانی و مطالب پائے جاتے ہیں
 ﴿دار لا يسلم منها إلا فيها﴾ اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان سے فرار اور خدا تک رسائی کے لئے دنیا موسمن کی سواری ہے اس کے بغیر اسکی بارگاہ میں رسائی ممکن نہیں ہے عجیب و غریب بات ہے کہ دنیا اور لوگوں سے کنارہ کشی کرنے والا قرب خدا کی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ بندہ اسی دنیا میں رہ گرائی دنیا کے سہارے اپنی منزل مقصود حاصل کرے۔ لہذا ان کلمات سے پہلی حقیقت تو یہ آشکار ہوئی ہے کہ دنیا واسطہ اور وسیلہ ہے اس کو نظر انداز کر کے مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن یہ بھی خیال رہے کہ دنیا مقصد نہ بننے پائے۔ اگر انسان دنیا کو وسیلہ کے بجائے ہدف اور مقصد بنا لے گا تو ہرگز نجات حاصل نہیں کر سکتا﴾ (ولا ينجي لشی کان لها)﴾ اس طرح اگر انسان نے دنیا کو اس کی اصل حیثیت ”واسطہ وسیلہ“ سے الگ کر دیا اور اسی کو ہدف بنالیا تو پھر دنیا شیطان سے نجات اور خدا تک پہنچانے کی صلاحیت کھو گئی ہے یہ دوسری حقیقت ہے جو ان

کلمات میں موجود ہے۔

اور پھر اگر انسان دنیا کو خدا، قرب خدا اور رضاۓ الہی حاصل کرنے کے بجائے خود دنیا کی خاطر اپناتا ہے تو ممکنی دنیا اسکو خدا سے دور کر دیتی ہے۔ اس دنیا کا بھی عجیب و غریب معاملہ ہے یعنی اگر انسان اسے وسیلہ اور خدا تک رسائی کا ذریعہ قرار دیتا ہے تو یہ دنیا اس کے لئے ذخیرہ بن جاتی ہے اور اس کے لئے باقی رہتی ہے نیز دنیا و آخرت میں اس کے کام آتی ہے لیکن اگر وسیلہ کے بجائے اسے مقصد بنالے تو یہ اللہ سے غافل کرتی ہے۔ خدا سے دور کر دیتی ہے موت کے بعد انسان سے جدا ہو جاتی ہے اور بارگاہ الہی میں اسکا سخت ترین حساب لیا جاتا ہے۔

یہ بھی پیش نظر ہے کہ یہ فرق کیتی اور مقدار کا نہیں ہے بلکہ کیفیت کا ہے اور عین ممکن ہے کہ انسان وسیع و عریض دنیا کا مالک ہو لیکن اسکا استعمال را خدا میں کرتا ہو اس کے ذریعہ قرب خدا کی منزلیں طے کرتا ہوا یہی صورت میں یہ دنیا اس کے لئے "عمل صالح" شمار ہو گی اس کے برخلاف ہو سکتا ہے کہ مختصری دنیا اور اسباب دنیا ہی انسان کے پاس ہوں لیکن اسکا مقصد خود وہی دنیا ہو تو یہ دنیا اس سے چھین لی جائے گی اسکا محاسبہ کیا جائے گا۔ یہے ان کلمات کا تسلیمان تجوید۔

اگر خود یہی دنیا انسان کے مدنظر ہو تو اُسکی حیثیت "عاجل"، "نقد" کی ہی ہے جو کہ اسی دنیا تک محدود ہے اور اس کا سلسلہ آخرت سے متصل نہ ہوگا بلکہ زائل ہو کر جلد ختم ہو جائے گی لیکن اگر دنیا کو دوسرے (آخرت) کے لئے اختیار کیا جائے تو اُسکی حیثیت "ام جل"، "ادھار" کی ہی ہو گی کہ جب انسان حضور پروردگار میں پہنچے گا تو وہاں دنیا کو حاضر و موجود پائے گا۔ ایسی دنیا زائل ہونے والی نہیں بلکہ باقی رہے گی "وما عند الله خير و أبقى" "امیر المؤمنین" کے اس فقرہ "وما أخذ وہ منها لغيرها قدموا عليه و أقاموا فيه" سے یہ چوتھا تجوید برآمد ہوتا ہے۔

زیارت امام حسینؑ سے متعلق دعائیں نقل ہوائے:

﴿وَلَا تُشْغِلْنِي بِالاَكْثَارِ عَلَىٰ مِن الدُّنْيَا، تَلْهِينِي عَجَابَ بِهِجْتَهَا، وَتَفْتَنِي

زہرات زینتها، ولا يأقالِي بضرِّ بعْمَلِي، ويَمْلأ صدرِي هَمَّه﴾ (۱)

”کثرت دنیا سے میرے قلب کو مشغول نہ کر دینا کہ اسکے عجائب مجھے تیری یاد سے غافل کر دیں یا اسکی ریشمیں مجھے اپنے فریب میں لے لیں اور نہ ہی دنیا میں میرا حصہ اتنا کم قرار دینا کہ میرے اعمال متاثر ہو جائیں اور میرا اول اسی کے ہم غم میں جتکار ہے“

دنیا اور اس سے انسان کے تعلق، بقاء و زوال، اسکے مغید و مضر ہونے کے بارے میں اس سے قبل جو کچھ بیان کیا گیا وہ کیفیت کے اعتبار سے تھا کیت و مقدار سے اس کا تعلق نہیں تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ کیت و مقدار بھی اس میں دخیل ہے کثرت دنیا اور اسکی آسائش انسان کو اپنے میں مشغول کر کے یاد خدا سے غافل ہوادیتی ہیں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ دنیا میں بڑا حصہ ہونے کے باوجود انسان دنیا میں گم نہ ہو یا یہ زیادتی اسے خدا سے دور نہ کر دے اسکے لئے سخت جد و جهد درکار ہوتی ہے اور اسی طرح اگر دنیاوی حصہ کم ہو، دنیا روگردانی کر رہی ہو تو یہ بھی انسان کی آزمائش کا ایک انداز ہوتا ہے کہ انسان کا ہم غم اور اس کی فکریں دنیا کے بارے میں ہوتی ہیں اور وہ خدا کو بھول جاتا ہے اسی لئے اس دعا میں حد متوسط کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ نہ تو اتنی کثرت ہو جس سے انسان یاد خدا سے غافل ہو جائے اور نہ اتنی قلت ہو کہ انسان اسی کی تلاش میں سرگردان رہے اور خدا کو بھول بیٹھے۔

۲۔ دنیا موسمن کی سواری

پیغمبر اکرم ﷺ سے مروی ہے:

﴿لَا تَسْبِو الْدُّنْيَا فَعُمِّتْ مَطْيِّةُ الْمُؤْمِنِ، فَعَلَيْهَا يَلْغُ الْخَيْرُ وَبَهَا يَنْجُو مِنَ الْشَّرِ﴾ (۲)

(۱) بحار الانوار ج ۱۰ ص ۲۰۸۔

(۲) بحار الانوار ج ۷ ص ۲۷۸۔

”دنیا کو برامت کہو یہ مومن کی بہترین سواری ہے اسی پر سوار ہو کر خیر تک پہنچا جاتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے نجات حاصل ہوتی ہے“

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ دنیا سواری کی حیثیت رکھتی ہے جس پر سوار ہو کر انسان خدا تک پہنچتا اور جنم سے فرار اختیار کرتا ہے۔

یہ دنیا کا قابل ستائش رخ ہے اگر دنیا نہ ہوتی تو انسان رضائے الہی کے کام کیسے بجالاتا، کیسے خدا تک پہنچتا؟ اولیاء خدا اگر قرب خداوندی کے بلند مقامات تک پہنچے ہیں تو وہ بھی اسی دنیا کے سہارے سے پہنچے ہیں۔

۳۔ دنیا صداقت و اعتبار کا گھر ہے۔

۴۔ دنیا دار عافیت۔

۵۔ دنیا استغنا اور زادراہ حاصل کرنے کی جگہ ہے۔

۶۔ دنیا موعظہ کا مقام ہے۔

۷۔ دنیا محبان خدا کی مسجد ہے۔

۸۔ دنیا اولیاء الہی کے لئے محل تجارت ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے جب ایک شخص کو دنیا کی ندمت کرتے ہوئے سناتو فرمایا:

﴿أَيُّهَا الَّذِيمَ لِلدُّنْيَا الْمُغْتَرِ بِغُرَبَرِهَا الْمُنْهَدِعُ بِأَبَاطِيلِهَا! أَتَفَرَّ بالدُّنْيَا ثُمَّ تَذَمَّهَا، أَنْتَ الْمُتَجَرِّمٌ عَلَيْهَا أَمْ هِيَ الْمُتَجَرَّمَةُ عَلَيْكَ؟ مَتَى اسْتَهْوَتْكَ؟ أَمْ مَتَى غَرَّتْكَ؟...﴾ (۱)

”اے دنیا کی ندمت کرنے والے اور اسکے فریب میں بنتا ہو کر اسکے مہلات میں دھوکا کھا

جانے والے اتواسی سے دھوکا بھی کھاتا ہے اور اسکی ندمت بھی کرتا ہے؟ یہ بتاؤ کہ تجھے اس پر الزام لگانے کا حق ہے یا اسے تجھ پر الزام لگانے کا حق ہے؟ آخ راس نے کیا تجھ سے تیری عقل کو چھین لیا تھا اور کب تجھ کو دھوکہ دیا تھا؟ کیا تیرے آباء و اجداد کی کہنگلی کی بناء پر گرنے سے دھوکا دیا ہے یا تمہاری ماوں کی زیر خاک خواب گاہ سے دھوکا دیا ہے؟ کتنے بیمار ہیں جن کی تم نے تمارداری کی ہے اور اپنے ہاتھوں سے انکا علاج کیا ہے اور چاہا کہ وہ شفایا ب ہو جائیں اور اطباء سے رجوع بھی کیا ہے۔ اس صحیح کے ہنگام جب نہ کوئی دوا کام آرہی تھی اور نہ رونا دھونا فائدہ پہنچا رہا تھا۔ نہ تمہاری ہمدردی کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکی اور نہ تمہارا مقصد حاصل ہو سکا اور نہ تم موت کودفع کر سکے۔ اس صورت حال میں دنیا نے تم کو اپنی حقیقت دکھلادی تھی اور تھیس تمہاری ہلاکت سے آگاہ کر دیا تھا (لیکن تھیس ہوش نہ آیا) یاد رکھو کہ دنیا باور کرنے والے کے لئے سچائی کا گھر اور بجھدار کے لئے امن و عافیت کی منزل اور نصیحت حاصل کرنے والے کیلئے نصیحت کا مقام ہے۔ یہ دوستان خدا کے لئے بجود کی منزل اور ملائکہ آسمان کا مصلی ہے میمین وحی الہی کا نزول ہوتا ہے اور میمین اولیاء خدا آخرت کا سودا کرتے ہیں جس کے ذریعہ رحمت کو حاصل کر لیتے ہیں اور جنت کو فائدہ میں لے لیتے ہیں کے حق ہے کہ اسکی ندمت کرے جبکہ اس نے اپنی جدائی کا اعلان کر دیا ہے اور اپنے فراق کی آواز لگادی ہے اور اپنے رہنے والوں کی ستانی سنا دی ہے اپنی بلا سے ان کے ابتلاء کا نقشہ پیش کیا ہے اور اپنے سرور سے آخرت کے سرور کی دعوت دی ہے۔ اسکی شام عافیت میں ہوتی ہے تو صحیح مصیبت میں ہوتی ہے تاکہ انسان میں رغبت بھی پیدا ہو اور خوف بھی۔ اسے آگاہ بھی کر دے اور ہوشیار بھی بنادے۔ کچھ لوگ ندامت کی صحیح اسکی ندمت کرتے ہیں اور کچھ لوگ قیامت کے روز اسکی تعریف کریں گے۔ جنہیں دنیا نے نصیحت کی تو انہوں نے اسے قبول کر لیا اس نے حقائق بیان کئے تو اسکی تصدیق کر دی اور موعظہ کیا تو اسکے موعظے سے اثر لیا۔“

۹۔ دنیا بازار ہے

حضرت امام علی نقیؑ نے فرمایا ہے:

﴿الدنيا سوق ربح فيها قوم و خسر آخرون﴾ (۱)

”دنیا ایک بازار ہے جہاں ایک قوم فائدہ میں ہے اور دوسری قوم خسارہ میں“

۱۰۔ دنیا آخرت کے لئے مددگار ہے۔

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے:

﴿نعم العون الدنيا على الآخرة﴾ (۲)

”دنیا آخرت کے لئے بہترین مددگار ہے“

۱۱۔ دنیا ذخیرہ (خزانہ) ہے۔

امیر المؤمنینؑ کا ارشاد ہے:

﴿الدنيا ذخر والعلم دليل﴾ (۳)

”دنیا خزانہ ہے اور علم رہنمَا“

۱۲۔ دنیا دار المحققین ہے۔

قول پروردگار ”ولنعم دار المحققین“ کی تفسیر کے ذیل میں امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ:

”اس سے مراد ”دنیا“ ہے۔

(۱) بخار الانوار ج ۸ ص ۳۶۶۔

(۲) بخار الانوار ج ۳ ص ۱۲۷۔

(۳) غررا حضر۔

۱۳۔ دنیا کا حاصل آخرت۔

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے:

﴿بِالْدُنْيَا تَحْرُزُ الْآخِرَةَ﴾ (۱)

”دنیا کے ذریعہ آخرت حاصل کی جاتی ہے“

اس طرح اسلام کی نگاہ میں دنیا قابل مدرج و ستائش، اولیائے الہی کی محل تجارت، محبان خدا کی مسجد، آخرت تک رسائی کا ذریعہ اور مومنین کے لئے زاد آخرت حاصل کرنے کا مقام ہے لیکن یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ جب دنیا سے عبرت و نصیحت حاصل کی جائے لیکن اگر دنیا کو منظور نظر بنا لیا جائے تو پھر یہی دنیا انسان کو انہا بنا دیتی ہے جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

منقول ہے کہ جب آپؑ نے یہ فرمایا:

﴿أَيَّهَا الَّذِيمُ أَنْتَ الْمَتَجَرُّمُ عَلَيْهَا أَمْ هِيَ الْمَتَجَرَّمُ عَلَيْكَ؟ قَالَ

قائل: بَلْ أَنَا الْمَتَجَرُّمُ عَلَيْهَا يَا امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ . فَقَالَ: "فَلِمَ ذَمِمْتَهَا؟ أَلَيْسَ دَارِ الصَّدْقَ لِمَنْ صَدَقَهَا؟﴾ (۲)

”اے دنیا کی ذممت کرنے والے! تو نے اسکے اوپر تہمت لگائی ہے یا اس نے تیرے اوپر تہمت لگائی ہے؟“ تو اس شخص نے کہا: اے امیر المؤمنین میں نے اس پر تہمت لگائی ہے! تو آپؑ نے فرمایا: ”تو پھر تم دنیا کی کیوں ذممت کرتے ہو؟ کیا یہ دنیا تصدیق کرنے والوں کیلئے دار صدق نہیں ہے“

(۱) بخار الانوار ج ۷ ص ۶۷۔

(۲) بخار الانوار ج ۸ ص ۷۱۔

۳۔ اسکے دل کو اسکا دلدارہ بنادوں گا

جرم اور سزا کے درمیان تبادلہ

”اور اسکے دل کو دنیا سے واپس کر دوں گا“ یہ ان لوگوں کی تیسری سزا ہے جو خدا سے منحہ موڑ کر اپنی خواہشات کی جانب دوڑتے ہیں یہاں سزا اور جرم ایک ہی طرح کے ہیں۔ اور جب جرم و سزا کی نوعیت ایک ہوتی ہے تو وہ کوئی قانونی سزا نہیں بلکہ ”محکومی“ سزا ہوتی ہے اور محکومی سزا زیادہ منصفانہ ہوتی ہے اور اس سے بچنے کا امکان بھی نہیں ہوتا۔ جرم یہ ہے کہ انسان خدا کو چھوڑ کر خواہشات سے دل لگا رہا ہے اور سزا بھی ایسی ہی ہے یعنی خدا بندہ کو دنیا میں ہی مشغول کر دیتا ہے ”اشغلت قلبہ بھا“

اس طرح جرم و سزا میں دو طرفہ رابطہ ہے اور دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں خدا کو چھوڑ کر ”خواہشات میں بچنے“ کی سزا ”دنیا میں الجھنا“ ہے اس سزا سے جرم میں مزید اضافہ ہوتا رہتا ہے اور جرم میں اضافہ، مزید سزا کا مطالبہ کرتا ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے اس طرح نہ صرف یہ کہ سزا وہی ملتی ہے جو جرم کیا ہے بلکہ خود سزا جرم کو بڑھاتی ہے اور اسے شدید کر دیتی ہے نتیجتاً انسان کچھ اور شدید سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔

انسان جب پہلی مرتبہ جرم کا مرتكب ہوتا ہے تو اس وقت اسکے پاس گناہوں سے اجتناب اور سقوط و انحراف سے بچانے والی خدا دادتوت مدافعت کا مکمل اختیار ہوتا ہے لیکن جب گناہوں کا سلسلہ مسلسل جاری رہتا ہے اور انسان اپنے نفس کو نہیں روکتا تو خدا بھی سزا کے طور پر اسے اسی جرم کے حوالہ کر دیتا ہے اور اس سے گناہوں سے اجتناب کرنے اور نفس پر تسلط قائم رکھنے کی فطری اور خداداد صلاحیت کو سلب کر لیتا ہے۔

اور سزا کا درجہ جتنا بڑھتا جاتا ہے انسان اتنا ہی جرم کے دلدل میں پھنستا رہتا ہے، اپنے نفس پر اسکی گرفت کمزور ہوتی رہتی ہے اور گناہوں سے پہیز کی صلاحیت دم توڑتی جاتی ہے یہاں

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

تک کہ خداوند عالم اس سے گناہوں سے اجتناب کی فطری صلاحیت اور نفس پر تسلط و اختیار کو مکمل طریقہ سے سلب کر لیتا ہے۔

اس مقام پر یہ تصور ہے، ہن میں نہیں آنا چاہیے کہ جب مجرم کے پاس نفس پر تسلط اور گناہوں سے اجتناب کی صلاحیت بالکل ختم ہو گئی اور گویا اسکا اختیار ہی ختم ہو گیا تو اب سزا کیسی؟ یہ خیال ناروا ہے اس لئے کہ ابتداء میں مجرم نے جب جرم کا ارتکاب کیا تھا اس وقت تو اسکے پاس یہ صلاحیت اور نفس کے اوپر تسلط بھر پور طریقہ سے موجود تھا اور وہ مکمل اختیار کا مالک تھا جو شخص اپنے ہاتھوں دولت اختیار ضائع کر دے اسے بے اختیار نہیں کہا جاتا جیسے بلندی سے کوئی نہ والا گرنے کے بعد یقیناً بے اختیار ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص خود جان بوجھ کر بلندی سے چھلانگ لگائے تو اسکے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بے اختیار ہے اور اسکے پاس بچنے کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔

دنیاداری کے دور خیہ بھی!

جب انسان دنیاداری میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس کا پہلا اثر اور ایک رخ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا سارا ہم غم اسکی دنیا ہی ہوتی ہے اور یہ کیفیت ایک خطرناک بیماری کی شکل اختیار کر کے قلب انسانی کو پتی گرفت میں لے لیتی ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ سے ایک دعا میں مقول ہے:

﴿اللَّهُمَّ أَقْسِمُ لِنَامِنْ خَشِيتُكَ مَا يَحْوِلُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ، وَلَا تَجْعَلْ

الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمَنَا، وَلَا مُبْلِغٌ عِلْمَنَا﴾ (۱)

”پروردگار! ہمیں وہ خوف و خیست عطا فرماجو ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل

ہو جائے اور ہمارے لئے دنیا کو سب سے بڑا ہم غم اور ہمارے علم کی انتہا قرار ملت دینا۔“
اگر انسان دنیاوی معاملات کو اہمیت دے تو اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن دنیا کو اپنا
سب کچھ قرار دینا اور اسکو اپنے قلب کا حاکم اور زندگی کا مالک تسلیم کر لینا غلط ہے کیونکہ ایسی صورت
میں وہ اپنے اشاروں پر انسان کو نچاتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ صورت حال قلب کے لئے بیاری کا درجہ
رکھتی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے اپنے فرزند امام حسن مجتبیؑ کے نام اپنی وصیت میں فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَكُنَ الدُّنْيَا أَكْبَرُ هُدًى﴾ (۱)

”دنیا تمہارا سب سے بڑا ہم غم نہ ہونے پائے۔“

دنیا داری میں مشغول ہونے کا منفی رخ یہ ہے کہ خدا سے انسان کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔
معاملات دنیا میں کھو جانے کا مطلب خدا سے قطع تعلق کر لینا ہے اور فطری بات ہے کہ جب انسان کا
ہم غم اسکی دنیا ہو گئی تو پھر انسان کے ہر اقدام کا مقصد دنیا ہو گئی نہ کہ رضاۓ الہی، اس طرح انسانی
قلب پر دنیا کے درستچے جس مقدار میں کھلتے جائیں گے اسی مقدار میں الہی درستچے بند ہوتے جائیں
گے لہذا اگر انسان کی نگاہ میں دنیاوی کاموں کی سب سے زیادہ اہمیت ہو گئی تو خدا کی جانب توجہ
کمترین درجہ تک پہنچ جائے گی۔ اور جب سب ہم غم اور فکر و خیال دنیا کے لئے ہو جائے گا تو یہ
کیفیت درحقیقت گذشتہ صورت حال کا نتیجہ اور قلب انسانی کی بدترین بیاری ہے۔

قرآن کریم نے اس خطرناک بیاری کو متعدد مقامات پر مختلف عنوانوں کے ذریعہ بیان کیا
ہے۔ ہم یہاں پر آیات قرآن کے ذیل میں چند عنوانوں کا تذکرہ کر رہے ہیں:

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

دل کے اوپر خدائی راستوں کی بندش کے بعض نمونے

۱۔ غبار اور زنگ

﴿کلا بل ران علیٰ قلوبہم ما کانوا یکسبوں﴾ (۱)

”دنیس نہیں بلکہ اتنے دلوں پر اتنے (برے) اعمال کا زنگ لگ گیا ہے“

راغب اصفہانی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ ”ان کے دلوں کی چک دمک زنگ آ لود ہو گئی لہذا وہ خیر و شر کی پہچان کرنے سے بھی معذور ہو گئے ہیں۔

۲۔ اللہ، پلٹ

یہ ایک طرح کا عذاب ہے جس میں خدا، غافل دلوں کو اپنی یاد سے دور کر دیتا ہے جیسا کہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿صَرْفُ اللَّهِ قَلُوبُهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ﴾ (۲)

”تو خدا نے بھی انکے قلوب کو پلٹ دیا ہے کہ وہ سمجھنے والے لوگ نہیں ہیں۔“

۳۔ زنگ یا صہر

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿وَنَطْبِعُ عَلَىٰ قلوبہم فہم لایسمعون﴾ (۳)

”ہم ان کے دلوں پر صہر لگادیتے ہیں اور پھر انھیں کچھ سنائی نہیں دیتا۔“

(۱) سورہ مظہرین آیت ۱۷۔

(۲) سورہ توبہ آیت ۱۲۷۔

(۳) سورہ اعراف آیت ۱۰۰۔

یعنی ان کو غیر خدائی رنگ میں رنگ دیا ہے اور وہ ہوئی وہوس اور دنیا کا رنگ ہے۔

۳۔ مہر

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غُشَاوَةٌ﴾ (۱)

”خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور انکی آنکھوں پر بھی پردے پڑ گئے ہیں“
ختم (مہر) طبع (چھاپ لگنے) سے زیادہ محکم ہوتی ہے کیونکہ کسی چیز کو مہر کے ذریعے میں بند کر دینے کو ”ختم“ کہتے ہیں۔

۴۔ قفل

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبِ أَفْغَالِهِمْ﴾ (۲)

”تو کیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی غور نہیں کرتے ہیں یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں“

۵۔ غلاف

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لِعْنَهُمُ اللَّهُ بَكْفُرُهُمْ﴾ (۳)

”اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں بیشک ان کے کفر کی بنا

(۱) سورہ بقرہ آیت ۷۷۔

(۲) سورہ محمد آیت ۲۳۔

(۳) سورہ بقرہ آیت ۸۸۔

پر، ان پر اللہ کی مار ہے۔“

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَقُولُهُمْ قلوبٌ نَا غَلَفَ بِلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكَفَرِهِمْ﴾ (۱)

”اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر فطرت اغلاف چڑھے ہوئے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے

بلکہ خدا نے ان کے کفر کی بنا پر ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔“

کے۔ پر وہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكْنَةٍ مَحَا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانَنَا وَفِرَ﴾ (۲)

”اور وہ کہتے ہیں کہ تم جن با توں کی طرف دعوت دے رہے ہو ہمارے دل ان کی طرف

سے پر وہ میں ہیں اور ہمارے کافنوں میں بہراپن ہے۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكْنَةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَفِرَ﴾ (۳)

”لیکن ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دئے ہیں۔ وہ سمجھ نہیں سکتے۔ اور ان کے

کافنوں میں بھی بہراپن ہے۔“

سختی ۸

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

(۱) سورہ نساء آیت ۱۵۵۔

(۲) سورہ فصلت آیت ۵۔

(۳) سورہ النعام آیت ۲۵۔

(۱) ﴿رَبِّنَا أَطْمَسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَأَشَدَّ دُعَىٰ قُلُوبَهُمْ﴾

”خدایان کے اموال کو برپا دکر دے اور ان کے دلوں پختی فرمा“

۹۔ قسالت

(۲) ﴿فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾

”افسوں ان لوگوں کے حال پر جن کے دل ذکر خدا (کینہ کرنے) سے سخت ہو گئے ہیں“

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

(۳) ﴿فَطَالَ عَلَيْهِمْ الْأَمْدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ﴾

”تو ایک عرصہ گزرنے کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے“

یہ انسانی دل کے اتار، چڑھاؤ، اور بند ہونے یا ذکر خدا سے روگرداں ہونے کی وہ صورت
حال ہے جس کو قرآن مجید نے مختلف انداز سے ذکر کیا ہے۔

دنیا قید خانہ کیسے بنتی ہے؟

جب قلب انسانی پر الہی راستہ مکمل طریقہ سے بند ہو جائے تو یہی دنیا انسان کے لئے قید
خانہ بن جاتی ہے انسان پر ہوں اس طرح غالب آ جاتی ہے کہ اس کے لئے رہائی حاصل کرنا ممکن نہیں
رہ جاتا۔ کیونکہ قید خانہ کا مطلب یہ ہے کہ اس سے نکلا ممکن نہیں ہوتا اور اسکی حرکتیں محدود ہو جاتی ہیں
یہی حالت اس وقت ہوتی ہے کہ جب دنیا انسان کے لئے قید خانہ بن جاتی ہے کہ انسان اسی میں مقید
ہو کر رہ جاتا ہے حرکتیں محدود ہو جاتی ہیں اور اس سے ہر طرح کی آزادی سلب ہو جاتی ہے اور وہ اسکے

(۱) سورہ یوس آیت ۸۸۔

(۲) سورہ زمر آیت ۲۲۔

(۳) سورہ حمد آیت ۱۶۔

خواہشیں! احادیث اہل بیت کی روشنی میں

لئے اہتمام اور اسکی حرص ولائق کی بنا پر خداوند عالم سے بالکل الگ ہو جاتا ہے۔ سبھی تفصیلات روایات میں بھی وارد ہوئی ہیں۔ حضرت امام محمد باقرؑ کی دعا کا فقرہ ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا عَلَى سَجْنَاهٖ﴾ (۱)

”دنیا کو میرے لئے قید خانہ قرار مت دینا“

حضرت امام جعفر صادقؑ کی دعا ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا عَلَى سَجْنَاهٖ وَلَا تَجْعَلِ فَرَاقَهَا لِي حَزْنًا﴾ (۲)

”دنیا کو میرے لئے قید خانہ اور اس کے فراق کو میرے لئے حزن و ملال کا باعث مت قرار دینا“

یہ بالکل عجیب و غریب بات ہے کہ قیدی پر قید خانہ کا فراق گراں گذر رہا ہے اور وہ رہائی پانے کے بعد حزن و ملال میں بھلا ہے؟ اس کا راز یہ ہے کہ یہ قید خانہ دوسرے قید خانوں کے مانند نہیں ہے بلکہ یہ دنیا ایسا قید خانہ ہے کہ انسان اس سے انس والفت کی وجہ سے خود اپنے آپ کو قیدی بناتا ہے چونکہ خود قید کو اختیار کرتا ہے لہذا وہ اس سے جدا ائمہ گوارنیس کرتا اور اگر اسے قید سے جدا کر دیا جائے تو اس رہائی سے اسے حزن و ملال ہوتا ہے اور قید کا فراق اس کیلئے دشوار اور باعث زحمت ہوتا ہے۔ جب انسان اپنا اختیار دنیا کے حوالے کر دیتا ہے تو دنیا اسے کیکڑے کے مانند اپنے چنگل میں دبوچ کر اس کے ہاتھ اور پیروں کو جکڑ دیتی ہے اور اس کی حرکتوں کو مقید و محدود کر کے اسے اپنا اسیر بناتی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿إِنَّ الدُّنْيَا كَالشَّبَكَةِ تَلْتَفُ عَلَىٰ مِنْ رَغْبَ فِيهَا﴾

”دنیا جاں کے مانند ہے جو اس کی طرف راغب ہو گا اسی میں اجتناب جائے گا“

(۱) بحار الانوار ج ۷۹ ص ۳۲۹۔

(۲) بحار الانوار ج ۷۹ ص ۳۳۸۔

(۳) غرائب حرم۔

آپ کا یہ قول ہمارے سامنے ایک بار پھر قید خانہ اور قیدی کے تعلق اور رابطہ کو جاگر کرتا ہے
”تلقف علیٰ من رغب فیها“ جو انکی طرف راغب ہوا وہ اسی پر پہنچا جائے گا۔
آپ ہی کا ارشاد ہے:

﴿من أحبَ الدِّينَارَ وَالدِّرْهَمَ فَهُوَ عَبْدُ الدِّينَارِ﴾ (۱)

”جود رہم دنیار سے محبت کرتا ہے وہ دنیا کا غلام ہے۔“

اہل دنیا

کچھ افراد دنیا دار ہوتے ہیں اور کچھ ”اہل آخرت“ دنیا دار وہ لوگ ہیں جو دنیا وی زندگی کو دامنی زندگی سمجھ کر اسی کے دلداہ ہوتے ہیں اور دنیا کی فرقہ انسیں اسی طرح ناگوار ہوتی ہے جیسے انسان کو اپنے اہل و عیال کی جدائی برداشت نہیں ہوتی ہے۔

اہل آخرت، دنیا میں اسی طرح رہتے ہیں جیسے دوسرا رہتے ہیں۔ اور دنیا کی حلال لذتوں سے ایسے ہی لطف اندوڑ ہوتے ہیں جیسے دوسرا ان سے مستفید ہوتے ہیں بس فرق یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی کو دامنی زندگی مان کر اس سے بستگی کا شکار نہیں ہوتے۔ ایسے افراد اور حقیقت ”اہل اللہ“ ہوتے ہیں۔
اہل آخرت اور دنیا داروں کے صفات ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ چنانچہ حدیث مسراج میں دنیا داروں کے صفات یوں نظر آتے ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ سے مردی ہے:

﴿أَهْلُ الدِّنَّيَا مِنْ كُثُرٍ أَكْلُهُ وَضْحَكَهُ وَنُومَهُ وَغَضَبَهُ، قَلِيلُ الرَّضَا، لَا يَعْتَذِرُ إِلَىٰ مِنْ أَسَاءَ إِلَيْهِ، وَلَا يَقْبِلُ مَعْذِرَةً مِنْ اعْتَذَرَ إِلَيْهِ، كَسْلَانٌ عَنِ الطَّاعَةِ...﴾ (۲)

”دنیا داروں کی غذا، نیک، نیند، اور غصہ زیادہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ بہت کم راضی ہوتے ہیں،

(۱) بخار الانوار ج ۱۰۳ ص ۲۲۵۔

(۲) بخار الانوار ج ۷ ص ۲۳۔

جس کے ساتھ ناروا برتاو کرتے ہیں اس سے معدور نہیں کرتے۔ کوئی ان سے معدور کا خواہاں ہو تو اس کی معدورت کو قبول نہیں کرتے، اطاعت کے موقع پرست اور معصیت کے مقام پر بھادر ہوتے ہیں ان کے بیہاں اُس مفہوم اور موت زدیک ہوتی ہے۔ کبھی اپنے نفس کا حامیہ نہیں کرتے، ان کے بیہاں منفعت برائے نام، با تمیں زیادہ اور خوف کم ہوتا ہے یقیناً دنیا دار نہ آسانشوں میں شکر خدا کرتے ہیں اور نہ ہی مصیبت کی گھری میں صبر۔ جو کام انجام نہیں دیتے اس پر اپنی تعریف کرتے ہیں، جو صفات ان میں نہیں پائے جاتے ان کے بھی دعی ہوتے ہیں، جو دل میں آتا ہے بول دیتے ہیں لوگوں کے عیوب تو ذکر کرتے ہیں مگر ان کی خوبیاں بیان نہیں کرتے۔

دنیا دار دنیا سے سکون حاصل کرتے ہیں اسی سے ما نوس ہوتے ہیں اور اسی کو اپناداگی مستقر کر جھتے ہیں حالانکہ دنیا ”دار القرآن“ نہیں ہے۔ چنانچہ جب کوئی انسان اس سے ما نوس ہو کر تسکین قلب حاصل کر لے تو وہ فریب دنیا کے شرک میں بنتلا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اسے دار القرآن کر جھتے ہیں جبکہ وہ ایسی نہیں ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

﴿...واعلم انك إنما خلقت لآخرة لا للدنيا، وللفناء لالبقاء، وللموت لالحياة، وأناك في منزل قلعة ودار بلغة، وطريق إلى الآخرة... وياك أن تغفر بما ترى من أخلاق أهل الدنيا إليها، وتکالبهم عليها، فقد ربناك الله عنها، ونفع لك نفسها، وتكشفت لك عن مساويها...﴾ (۱)

”... اور یہاں ایسا درکھو کہ تمہیں آخرت کے لئے بیدا کیا گیا ہے دنیا کے لئے نہیں اور فنا کے لئے بنایا گیا ہے دنیا میں باقی رہنے کے لئے نہیں، تمہاری تحقیق موت کے لئے ہوئی ہے زندگی کے

(۱) نجح البلاغ مکتب ۳۱۔

لئے نہیں تم اس گھر میں ہو جہاں سے بہر حال اکھڑتا ہے اور صرف بقدر ضرورت سامان فراہم کرنا ہے اور تم آخترت کے راستے پر ہو۔۔۔ اور خبردار دنیا داروں کو دنیا کی طرف بھکتے اور اس پر مرتبے دیکھ کر تم دھوکے میں نہ آ جانا کہ پروردگار تمہیں اسکے بارے میں بتا چکا ہے اور وہ خود بھی اپنے مصائب سماں چکی ہے اور اپنی برائیوں کو واضح کر چکی ہے۔۔۔

دنیا کا بہروپ

یہ ایک بہروپ ہی ہے کہ انسان دنیا کو دار القراء سمجھ کر اس سے مانوس ہو جاتا ہے اور اس سے دل لگا بیٹھتا ہے حالانکہ دنیا صرف ایک گذرگاہ ہے۔ نہ خود دنیا کو قرار ہے اور نہ ہی دنیا میں کسی کیلئے قرار ممکن ہے۔ یہاں انسان کی حیثیت مسافر کی ہی ہے کہ جہاں چند دن گزار کر آخترت کے لئے روانہ ہو جاتا ہے تجھ ہے کہ اس کے باوجود بھی انسان اسی کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے اور اسے دائیٰ قیام گاہ مان لیتا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿كُنْ فِي الدُّنْيَا كَافِكٌ غَرِيبٌ، أَوْ كَافِكٌ عَابِرٌ سَبِيلٌ﴾ (۱)

”دنیا میں ایک مسافر کی طرح رہو جیسے کہ راستے طے کر رہے ہو۔“

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿أَيُهَا النَّاسُ أَنَّمَا الدُّنْيَا دَارٌ مَجَازٌ، وَالآخِرَةُ دَارٌ قَرَارٌ، فَمُحْذِّدٌ وَامِنٌ

مُهْرَكٌ لِمَقْرَكٍ﴾ (۲)

”اے لوگو! یہ دنیا ایک گذرگاہ ہے قرار کی منزل آخترت ہی ہے لہذا اسی گذرگاہ سے وہاں کا

(۱) بخار الانوار ج ۳ ص ۹۹۔

(۲) نجع البلاطف خطبہ ۲۰۳۔

سامان لے کر آگے بڑھو جو تمہارا دارقرار ہے ”

اس مسئلہ پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ جو انسان راست سے گزرتا ہے وہ کبھی راستہ کا ہو کر نہیں رہ جاتا اسکے برخلاف گھر میں رہنے والے انسان کو گھر سے محبت ہوتی ہے اور آدمی گھر کا ہوتا ہے اس سلسلہ میں حضرت عیسیٰؑ بن مریم کا ایک معزکہ الاراجملہ نقل کیا جاتا ہے حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا ہے:

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَنْبَغِي عَلَى مَوْجِ الْحَرْدَارِ، تَلْكُمُ الدُّنْيَا فَلَا تَتَحْذُو هَا قَرَارًا﴾ (۱)

”سمندر کی ابروں پر کون گھر بناتا ہے؟ دنیا کا بھی یہی حال ہے لہذا دنیا کو قرار گاہ مت ہتاً“

جیسے سمندر کی ابروں کو قرار دینا نہیں ہے ایسے ہی دنیا بھی ہے۔ تو پھر اس سے کیسے سکون حاصل کر سکتا ہے اور اسے کیسے دائی تسلیم کر سکتا ہے کیا واقعاً کوئی انسان سمندر کی ابروں کے اوپر اپنا گھر بناسکتا ہے؟

روایت ہے کہ جناب جبریل نے حضرت نوحؐ سے سوال کیا:

﴿إِنَّ أَطْوَلَ الْأَنْبِيَاءِ عُمُراً، كَيْفَ وَجَدَتِ الدُّنْيَا؟ قَالَ: كَدَارٌ لَهَا بَابَانٌ، دَخَلَتْ

مِنْ أَحَدِهِمَا، وَخَرَجَتْ مِنَ الْآخِرِ﴾ (۲)

”اے طویل ترین عمر پانے والے نبی خدا، آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ حضرت نوحؐ نے

جواب دیا ”ایک ایسے گھر کی مانند جس میں دو دروازے ہوں کہ میں ایک سے داخل ہوا اور دوسرا سے باہر نکل آیا“

عمر کے آخری حصہ میں شیخ الانبیاء (حضرت نوحؐ) کا دنیا کے بارے میں یہ احساس در

اصل اس شخص کا صادقانہ احساس ہے کہ جو فریب دنیا سے محفوظ رہا ہو۔

(۱) بخاری انوار ج ۱۳ ص ۳۲۶۔

(۲) میران الحکمت ج ۳ ص ۳۳۹۔

لیکن اگر انسان دنیا سے منوس ہو جائے اور دنیا اس کے لئے وجہ سکون بن جائے تو پھر یہ احساس تبدیل ہو جاتا ہے اور دنیا اس کو اپنے جال میں الجھائیتی ہے انسان فریب دنیا کا شکار ہو کر شرک دنیا میں بنتلا ہو جاتا ہے۔ یہ ”ان دنیا داروں“ کا حال ہوتا ہے جن کے خیال خام میں دنیا دار القرار اور وجہ سکون ہے۔

تیسرا فصل

جو شخص خداوند عالم کی مرضی کو
اپنی خواہشات کے اوپر ترجیح دیتا ہے

گذشتہ فصل میں ہم نے ”اپنی خواہش کو خدا کی مرضی کے اوپر ترجیح دینے والے شخص کے بارے میں، تفصیلی گفتگو کی ہے اور اب انشاء اللہ ”خدا کی مرضی کو اپنی مرضی پر ترجیح دینے والے کے بارے میں“ گفتگو کریں گے۔ لیکن اصل بحث چھیڑنے سے پہلے ہم ان تمام روایات کو ان کے حوالوں کے ساتھ بیان کر رہے ہیں جن میں اس حدیث قدی کا تذکرہ ہے۔

شیخ صدوق (رح) نے اپنی کتاب ”خصال“ میں اپنی سند کے ساتھ امام محمد باقرؑ سے روایت نقل کی ہے آپ نے فرمایا کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ عَزُوفُهُ جَلَّ بِقُولِهِ بِجَلَالِي وَجَمَالِي وَبِهَانِي وَعَلَانِي وَارْتَفَاعِي لَا يُؤْثِرُ
عَبْدَهُو إِلَى هُوَاهُ الْأَجْعَلَتْ غَنَاهُ فِي نَفْسِهِ وَهُمَّهُ فِي آخِرَتِهِ وَكَفَفَتْ عَنْهُ
ضَيْعَتِهِ وَضَمَنَتْ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ رِزْقَهُ وَكَنَّتْ لَهُ مِنْ وَرَاءِ تِجَارَةً كُلَّ تَاجِرٍ﴾ (۱)
خداوند عالم کا ارشاد ہے: ”میرے جلال و جمال، حسن، ارتفاع اور بلندی کی قسم کوئی بندہ اپنی خواہش پر میری مرضی کو ترجیح نہیں دیگا مگر یہ کہ میں اسکے نفس کے اندر استغنا پیدا کر دوں گا اور اسکی پوچھی کا ذمہ دار رہوں گا۔ زمین و آسمان اسکے رزق کے ضامن ہیں اور میں اسکے لئے ہر تاجر کی تجارت سے بہتر ہوں“

شیخ صدوق نے ”ثواب الأعمال“ میں امام زین العابدینؑ سے یہ روایت مع سند نقل کی ہے

(۱) تجارت الانوار ج ۰ ص ۵۷۔

﴿لَهُ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجْلَ يَقُولُ: وَعِزَّتِي وَعَظَمَتِي وَجَلَالِي وَبَهَانِي وَعَلَوَى وَارْتَفَاعَ مَكَانِي لَا يُؤْثِرُ عَبْدٌ هُوَ إِلَيْهِ عَلَىٰ هُوَاهُ الْأَجْعَلَتْ هُمَهُ فِي آخِرَتِهِ، وَغَنَاهُ فِي قَلْبِهِ، وَكَفَفَتْ عَلَيْهِ ضَيْعَتِهِ، وَضَمَنَتْ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ رِزْقَهُ، وَأَتَهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ﴾ (۱)

”آپ نے فرمایا کہ خداوند عز و جل ارشاد فرماتا ہے: میری عزت، عظمت، جلالت، جمال، رفت اور میرے مکان کی بلندی اور ارتفاع کی قسم کوئی بندہ میری مرضی کو اپنی خواہش پر ترجیح نہیں دیگا مگر یہ کہ میں اس کی کل فکر اس کی آخرت کے لئے قرار دیدوں گا اور اسکے قلب میں استغفار پیدا کر دوں گا اور اس کی پونچی کا ذمہ دار رہوں گا۔ آسمان و زمین اسکے رزق کے ضامن ہیں اور اسکے سامنے جب دنیا آئے گی تو اسکی ناک رگڑی ہوئی ہوگی“

ابن فہد حلی (رح) نے اپنی کتاب ”عدۃ الداعی“ میں رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت لفظ کی ہے: کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَعَظَمَتِي وَكَبْرِيائِي وَنُورِي وَعَلَوَى وَارْتَفَاعَ مَكَانِي لَا يُؤْثِرُ عَبْدٌ هُوَ إِلَيْهِ عَلَىٰ هُوَاهُ، إِلَّا اسْتَحْفَظَتْهُ مَلَائِكَةُ نَكْتَبِي وَكَفَلَتْ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ رِزْقَهُ، وَكَنْتَ لَهُ مِنْ وَرَاءِ تِجَارَةٍ كُلَّ تَاجِرٍ، وَأَتَهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ﴾ (۲)

”میری عزت، جلالت، عظمت، کبریائی، نور، بلندی اور رفع مقام کی قسم کوئی بندہ میری (خواہش) مرضی کو اپنی خواہش پر ترجیح نہیں دیگا مگر یہ کہ ملائکہ اسکی حفاظت کریں گے۔ آسمان اور زمین اسکے رزق کے ذمہ دار ہیں اور ہر تاجر کی تجارت کے پس پشت میں اسکے ساتھ موجود ہوں اور دنیا اسکے سامنے ڈلت ورسوائی کے ساتھ حاضر ہوگی“

(۱) بخار الانوار ج ۰ ص ۷۷ اذکوہ الامال۔

(۲) بخار الانوار ج ۰ ص ۷۸۔

شیخ کلینی نے اصول کافی میں سند کے ساتھ یہ روایت امام محمد باقرؑ سے یوں نقل کی ہے:

﴿...الا كففت عليه ضيغته وضمنت السموات والارض رزقه، و كنت له

وراء تجارة كل تاجر﴾ (۱)

”مگر یہ کہ میں اسکے ضروریات زندگی (پونچی) کا ذمہ دار ہوں اور آسمان و زمین اسکے رزق
کے ضامن ہیں اور میں ہر تاجر کی تجارت کے پس پشت اسکے ساتھ ہوں“

مرضی خدا کو اپنی خواہش پر ترجیح دینا

اس ترجیح دینے کے معنی یہ ہیں کہ انسان خداوند عالم کے ارادہ کو اپنی خواہشات کے اوپر حاکم
ہنالے اور احکام الہی کے مطابق اپنے نفس کو اپنی خواہش سے روکتا رہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:
﴿وَأَمَّا مِنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسُ عَنِ الْهُوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ

الماوی﴾ (۲)

”اور جس نے رب کی بارگاہ میں حاضری کا خوف پیدا کیا اور اپنے نفس کو خواہشات سے
روکا، جنت اسکا ثہکانہ اور مرکز ہے“

تقویٰ اور فتن و فجور (برائیوں) کے راستے جس نقطے سے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں
وہ نقطہ وہی ہے جہاں خداوند عالم کی خواہش (اسکا حکم اور قول) اور انسان کی خواہش (ہوں) کے
درمیان تکڑا پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب انسان خدا کی خواہش (مرضی) کو اپنی خواہش کے اوپر ترجیح
دیتا ہے تو وہ تقوے کے راستے پر چلنے لگتا ہے اور جب اپنی خواہشوں کو خدا کی مرضی کے اوپر ترجیح دینے

(۱) بخار الانوار ج ۷ ص ۲۹۔

(۲) سورہ نازعات آیت ۲۰۔ ۲۱۔

لگتا ہے تو نور (براہیوں) کے راستے پر لگ لیتا ہے۔

ا۔ جعلت غناہ فی نفسہ

”اُسکے نفس میں استغنا پیدا کرو دوں گا“

لوگوں کے درمیان عام تاثیر یہ ہے کہ فقر و غنی کا تعلق سونے اور چاندی اور زر و جواہرات سے ہے اور نفس و قلب سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اسلام میں فقر و غنی کا مفہوم اسکے برعکس ہے اسلام کی نگاہ میں فقر و غنی کا تعلق نفس سے ہے نہ کہ مال و دولت سے، لہذا ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا انسان غنی ہو جو مالی اعتبار سے فقیر ہو اور ہو سکتا ہے کوئی انسان فقیر ہو چاہے وہ مالی اعتبار سے ثروتمند ہی کیوں نہ ہو۔

امام حسینؑ کی دعائے عرفی میں وارد ہوا ہے:

﴿اللَّهُمَّ اجْعِلْ لِي فِي نَفْسِي، وَالْيَقِينَ فِي قَلْبِي، وَالْأَخْلَاصَ فِي عَمَلي،

وَالنُّورَ فِي بَصَرِي، وَالبَصِيرَةَ فِي دِينِي﴾

”پروردگار میرے نفس کو غنی بنادے، میرے قلب کو یقین، عمل میں اخلاص، آنکھوں میں نور

اور دین میں بصیرت عطا فرمًا“

آخر فقر و غنی کا مفہوم مال و دولت کے بجائے نفس سے متعلق کیسے ہوتا ہے؟ اسکا راز کیا ہے؟

درحقیقت تبدیلی کا یہ راز دین اسلام کے پراسرار عجائب میں شامل ہے۔ ہمیں گاہے بگاہے اسکے بارے میں غور و خوض کرنا چاہئے۔

افکار کی تبدیلی میں اسلامی اصطلاحات کا کروار

”فقیر“ اور ”استغنا“ دو اسلامی اصطلاحیں ہیں اور اسلام اپنی اصطلاحات کے لئے بہت اہمیت کا

قابل ہے اسی لئے اسلام نے دور جاہلیت کی کچھ اصطلاحوں کو کا لعدم قرار دیا ہے اور انکی جگہ پر بہت سی نئی اصطلاحات پیش کی ہیں اور انھیں اصطلاحات کے ذریعہ فکر و خیال میں تبدیلی کی ہے اور قدر و قیمت کا نیا نظام پیش کیا ہے۔ دور جاہلیت میں اقدار کے اصول جدا تھے جبکہ اسلام کے اصول الگ ہیں۔

کبھی اسلام و دور جاہلیت کی قدر دوں کو مکمل طریقہ سے ختم کرتا ہے اور ان کی جگہ پر سماجی زندگی کے جدید اقدار کو روشناس کرتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جس چیز کو سیاسی، اخلاقی اور سماجی زندگی میں بے قیمت سمجھا جاتا تھا اسلام نے اسی چیز کو سیاسی، سماجی اور اخلاقی طور پر پیش قیمت بنا کر پیش کیا ہے۔

مثلاً دور جاہلیت میں عورت کی کوئی حیثیت اور قدر و قیمت نہیں تھی لوگ لڑکوں کے وجود کو نگ و عار سمجھتے تھے لیکن اسلام نے اسی بے قیمت سمجھی جانے والی چیز کو عظیم ترین بلندی عطا کی۔

قدر و قیمت کا اختلاف دراصل قدر و قیمت کے نظام میں اختلاف کی بنیاد پر سامنے آتا ہے کیونکہ تمام اقدار حقیقتاً کسی نہ کسی اصول اور نظام کی بنیاد پر استوار ہوتے ہیں جن کی معرفت کے بغیر اقدار کی معرفت ممکن نہیں ہے۔

دین اسلام نے اپنی اصطلاحات کے ذریعہ اقدار کے اصول و نظام کو تبدیل کیا ہے جسکے نتیجہ میں اقدار خود بخوبی تبدیل ہو جاتے ہیں اور سماج میں تبدیلی آجائی ہے بطور نمونہ فقط اس تبدیلی کی جانب اشارہ کر دینا کافی ہے جو اسلام نے فقر و غمی کے معیار میں کی ہے جس کے نتیجہ میں ان کے مفہوم میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔

فقرو و استغنا اور اقدار کے اسلامی اصول

عام طور سے لوگوں کے درمیان فقر و غمی کا مطلب مال و دولت کی قلت و کثرت ہے۔ یعنی

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

جسکے پاس زیادہ سونا چاندی نہ ہو وہ فقیر ہے اور جس کے پاس سونا چاندی وافر مقدار میں ہوا گئے
کہا جاتا ہے اور مالداری کے درجات بھی مال کی مقدار سے طے ہوتے ہیں۔ یعنی جس شخص کی قوت
خرید جتنی زیادہ ہوتی ہے وہ اتنا ہی بڑا مالدار شمار کیا جاتا ہے اسکے برخلاف جس کے پاس روپے پیسوں
کی قلت ہو وہ اتنا ہی غریب سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح عام لوگوں کے خیال میں فقر و استغنا کا تعلق
کمیت ”مال کی مقدار“ سے ہے۔

دورجاہلیت کا نظام قدر و قیمت

فقر و استغنا کے ان معنی میں بذات خود کوئی خرابی نہیں ہے اور اگر بات یہیں تمام ہو جاتی تو
اسلام اسکی مخالفت نہ کرتا لیکن حقیقت یہیں ہے بلکہ جاہلیت کے نظام کے تحت شر و تمندی سے سماںی
اور سیاسی اقدار بھی جڑ جاتے ہیں اور شر و تمند انسان معزز و محترم کہلاتا ہے اسکی سماجی حیثیت اور اسکے
سیاسی نفوذ میں اضافہ ہو جاتا ہے وہ لوگوں کا معتقد بن جاتا ہے وغیرہ۔۔۔ اس طرح نظام جاہلیت میں
 واضح طور پر کیت (Quantity) کیفیت (Quality) میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔

جب بھی ہم غور کریں گے تو ہمیں صاف محسوس ہو گا کہ یہاں زر و جواہر کی مقدار و کیت
(Quantity) سماجی اور سیاسی کیفیت میں تبدیلی ہو گئی ہے بلاشبہ اجتماعی اور سماجی زندگی میں
مقدار و کیت (Quantity) اور کیفیت میں براہ راست تعلق پایا جاتا ہے اور اس تعلق اور اربطہ کو ختم
کرنا یا اسکا انکار ناممکن ہے اور اسلام بھی اس تعلق اور اربطہ کو ختم کرنا نہیں چاہتا بلکہ اس اربطہ کو الٹ دینا
چاہتا ہے یعنی کیت اور مقدار کو کیفیت کا تابع قرار دینا ہے نہ کہ کیفیت کو کیت کا۔

مثلاً اقتصادی اور کاروباری معاملات کی بنیاد صداقت اور تقویٰ ہونا چاہئے اور اسی بنیاد پر
کاروبار کو وسعت دینا چاہیے یا سیاسی میدان میں بھی ہر چیز کی بنیاد صداقت اور تقویٰ ہونا چاہیے
اور اسی بنیاد پر ووٹ حاصل کرنا چاہیے کہ یہی چیزیں سمحتمد معاشرے کی پہچان ہیں۔

لیکن اگر معاملہ اس کے بر عکس ہو اور سماجی یا سیاسی زندگی میں کیت و مقدار معيار بن جائے تو سماج میں پائے جانے والے اقدار و اصول کا وجود خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ دور جاہلیت میں بعضہ یہی صورت حال موجود تھی کہ مادیت پر روحانیت کی حکومت ہونے کے بجائے مادیت، روحانیت پر حاکم ہو گئی تھی اور قدر و قیمت کا تعین مادیت سے ہوتا تھا نہ کہ معنیت سے۔

اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ یہی صورت حال مسلمانوں کے سامنے بھی آئی اسلام نے قدر و قیمت کا ایسا نظام پیش کیا تھا کہ جو دور جاہلیت کے پروردہ لوگوں کے لئے نامانوس تھا۔ اس نظام میں اسلام نے قدر و قیمت اور منزلت کا معیار روحانیت کو قرار دیا تھا اور مادیت کو روحانیت کا تابع بنایا تھا۔ لیکن جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور قیصر و کسری کے خزانے مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور سرحدوں کی وسعت کے ساتھ دولت میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا تو مادیت غالب آگئی اور قدر و قیمت کا نظام پس پشت چلا گیا۔ اور دوبارہ زر و جواہر ہی تمام اقدار کا معیار بن گئے اور انکی حالت اس عہد کی سی ہو گئی جس میں خداوند عالم نے رسول اسلام ﷺ کو مبعوث کیا تھا اور آپ کو قادر و پیشو اور رسول بنا کر بھیجا تھا۔

عثمان بن عفان کے بعد امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب "جب حاکم مسلمین ہوئے تو آپ نے محسوس کیا کہ اسلامی معاشرہ اس طرح مقلوب ہو چکا ہے کہ جیسے کوئی اس طرح اتنا باراں پہن لے جکا اندر وہی حصہ باہر، اور ظاہری حصہ اندر، اور پری حصہ نیچے اور نیچلا حصہ اوپر ہو گیا ہو۔ چنانچہ امیر المؤمنین "بنی امیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَلِبْسُ الْإِسْلَامِ لِبْسُ الْفَرِوْمَقْلُوبَاً﴾ (۱)

”اسلام یوں الٹ دیا جائے گا جیسے کوئی اٹھ پوتیں پہن لے“

جیسا کہ آپ نے ان الفاظ میں اسکی عکاسی کی ہے:

﴿أَلَا وَإِنْ بَلِيلَةٌ وَلَتَغْرِبُنَّ غَرْبَلَةً، وَلَتَسَاطُنَّ سَوْطًا الْقَدْرَ حَتَّىٰ يَعُودَ اسْفَلَكُمْ أَعْلَاكُمْ﴾ (۱)
”یاد رکھو! تمہارا امتحان بالکل اسی طرح ہے جس طرح پیغمبر کی بعثت کے دن تھا اس ذات کی قسم جس نے رسول کو حق کے ساتھ بھیجا تھم بری طرح تباہ والا کئے جاؤ گے اور اس طرح چھانے جاؤ گے جس طرح بھختی سے کسی چیز کو چھانا جاتا ہے اور اس طرح خلط ملط کے جاؤ گے جس طرح پتیل کے کھانے کو پلٹا جاتا ہے یہاں تک کہ تمہارے ادنیٰ اعلیٰ اور اعلیٰ ادنیٰ ہو جائیں گے۔“

امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ عنقریب یہ قوم اسلامی اقدار و مقاماتیم اور اصول کو چھوڑ کر ایک عظیم فتنہ میں بستلا ہونے والی ہے اور اسکی وہ حالت ہو جائے گی جو کھولتے ہوئے شوربہ کی ہوتی ہے کہ اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر ہو جاتا ہے۔

فتوات کی وسعت اور خدا کی جانب سے رزق میں فراوانی کے باعث امت اسلامیہ کی بھی حالت ہو گئی تھی جیسا کہ مال و نعمت کی زیادتی کے باعث عہد جاہلیت کی بھی بھی افسوسناک حالت تھی۔ دور جاہلیت کے نظام قدر و قیمت کو تبدیل کرنے اور اس سے مقابلہ کرنے کے لئے اسلام نے فقر اور استغنا کی نئی اصطلاحیں ایجاد کیں اور انہیں نئی اصطلاحوں اور نئے مقاماتیم کے ذریعہ دور جاہلیت کے نظام قدر و قیمت کو تبدیل کر دیا۔

قدر و قیمت کا اسلامی نظام

لفظ غنی یا استغنا کے معنی کو وہ طرح سے بیان کیا جاتا ہے۔ ایک بیان کے مطابق استغنا کا

مطلوب ہے ”انسان کے پاس زر و جواہر کا بکثرت موجود ہونا“، اس طرح غنی کے معنی کا تعلق عالم محسوسات سے ہے اور یہ مطلب لفظ ”شوتمند“ کے مترادف ہے۔

دوسرے بیان کے مطابق حقیقتاً استغنا سے مراد ”دل کا مستغنى ہونا“ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور توکل سے حاصل ہوتا ہے اور اس معنی کا مال کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یعنی ممکن ہے کہ انسان کے پاس بے پناہ مال و دولت ہو مگر پھر بھی وہ فقیر ہو اور ہو سکتا ہے کہ مال و دولت بالکل نہ ہو پھر بھی انسان غنی ہو۔

فقرو استغنا کے یہ معنی، لغوی اور راجح معنی سے بالکل مختلف ہیں۔ اور ان معنی کے لحاظ سے استغنا کا تعلق نفس انسانی سے ہے کہ مال و دولت اور خزانہ سے۔

دین اسلام لفظ فقر و استغنا کو نئے معنی و مفہوم دے کر دراصل دور جاہلیت کے نظام قدر و قیمت کو تبدیل کر کے اسکے مقابلہ میں جدید نظام پیش کرنا چاہتا ہے۔

اسکی مزید وضاحت کے لئے ہم استغنا اور فقر کے بارے میں اسلامی روایات کی روشنی میں پہلے لفظ استغنا کا مطلب بیان کریں گے اور پھر اس جدید نظام کی وضاحت کریں گے جو اسلام نے قدر و قیمت کے سلسلہ میں پیش کیا ہے۔

اسلامی روایات میں استغنا کا مفہوم

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿لَيْسَ الْغَنِيُّ عَنْ كثُرَةِ الْعَرَضِ، وَلَكِنَّ الْغَنِيُّ غَنِيُّ النَّفْسِ﴾ (۱)

”مال و متعہ کی کثرت کا نام استغنا نہیں بلکہ استغنا کا مطلب نفس کا مستغنى ہونا ہے“

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

﴿الغنى في القلب، والفقير في القلب﴾ (۱)

”استغنا بھی دل میں ہوتا ہے اور فقر بھی دل ہی میں ہوتا ہے“

امیر المؤمنین حضرت علیؑ نے فرمایا ہے:

﴿الغنى من استغنى بالقناعة﴾ (۲)

”غُنی وہ ہے جو قناعت کے باعث مستغنى ہو“

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

﴿لاكتز أغنى من القناعة﴾ (۳)

”غُنی (ہونے) کے لئے قناعت سے برهکر کوئی خزانہ نہیں ہے“

نیز آپ نے فرمایا ہے:

﴿طلب الغنى فما وجدت الا القناعة، عليكم بالقناعة تستغنوا﴾ (۴)

”میں نے استغنا کو تلاش کیا تو مجھے قناعت کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا۔ تم بھی قناعت اعتیار

کرو تو مستغنى ہو جاؤ گے“

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے:

﴿لا فقر كفراً القلب، ولا غنىً كفنيً القلب﴾ (۵)

(۱) بخار الانوار ج ۲ ص ۱۸۷۔

(۲) غر را حکم ج ۱ ص ۲۲۔

(۳) تاج البلاطم حکمت ۳۷۲۔

(۴) سفریہ الحجہ ج ۲ ص ۸۷، احیات جلد ۳ ص ۳۲۲۔

(۵) تحف العقول عص ۲۰۸۔

”دل کی فقیری جیسا کوئی فقر نہیں ہے اور دل ہی کے استغنا جیسی کوئی مالداری بھی نہیں ہے“

امام ہادیؑ کا ارشاد ہے:

﴿الغنى قلة تقنيك، والرضا بما يكتفيك﴾ (۱)

”استغنا کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری خواہشات کم ہوں اور جتنا تمہارے لئے کافی ہے اسی پر راضی رہو،“ (خواہشات کا کم ہونا اور بقدر کافی پر راضی ہو جانا استغنا ہے۔)

اس طرح اسلام نے استغنا کا تعلق سونے چاندی، زمین جانداد سے ختم کر دیا اور اسے نفس کے متعلق قرار دیا ہے بلکہ اسلامی روایات تو اس سے بڑھ کر یہاں تک بیان کرتی ہیں کہ جو افراد مال و دولت کے لحاظ سے ثروتمند ہوتے ہیں اکثر وہ افراد دل کے چھوٹے اور فقیر ہوتے ہیں۔

عموماً جب انسان دنیاوی لحاظ سے مالدار ہوتا ہے تو دل کا چھوٹا اور فقیر ہوتا ہے ایسا نہیں ہے کہ ثروتمند ہونے اور نفس و قلب کے اعتبار سے چھوٹے اور فقیر ہونے میں کوئی ممکوس رابطہ ہو۔ نہیں ہرگز نہیں ان دونوں باتوں میں کوئی ممکوس رابطہ نہیں ہے۔ وہ حقیقت ایسی صورت حال ان عوارض کے باعث پیدا ہوتی ہے کہ جو عموماً معاشرہ میں راجح ثروتمندی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ سے روایت ہے:

﴿... وَغَيْهَا (الدُّنْيَا) فَقِيرٌ﴾ (۲)

”... اور دنیا کا غنی فقیر ہوتا ہے“

حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

(۱) بخار الانوار ج ۸ ص ۳۶۸۔

(۲) بخار الانوار ج ۸ ص ۱۳۔

﴿مِنْ أَصْابَ الدُّنْيَا أَكْثَرُ، كَانَ فِيهَا أَشَدُ فَقْرًا﴾ (۱)

”جسے دنیا زیادہ نصیب ہو جائے گی وہ دنیا میں زیادہ فقیر ہو گا“

جسے دنیا زیادہ نصیب ہو جائے گی وہ دنیا میں زیادہ فقیر ہو گا یہ لازم و ملزوم کیوں ہیں؟ ٹرومندی اور استغنا و نوں لفظ غنی کے ہی معنی ہیں مگر ان کے درمیان مکوس رابطہ کیوں پایا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب اور اس رابطہ کا سبب ہمیں امیر المؤمنین حضرت علیؑ کی اس حدیث سے بخوبی معلوم ہو جائے گا آپ نے فرمایا:

﴿الْغَنِيُّ الشَّرِّهُ فَقِيرٌ﴾ (۲)

”لاچی مالدار فقیر ہوتا ہے“

اس حدیث مبارک میں غنی سے مراد ٹرومند ہے اور فقیر سے مراد نفس و قلب کے اعتبار سے فقیر ہے اور اس حدیث میں جو لفظ ”شرہ“ حریص آیا ہے وہ اس مکوس رابطہ کو بیان کرتا ہے اس لئے کہ عام لوگوں کے لحاظ سے جس کے بیہاں استغنا پایا جاتا ہے جو ٹرومند ہوتا ہے وہ عموماً حریص بھی ہوتا ہے اور عموماً جتنا مال و دولت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے آدمی کی حرص وہوس میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے اور یہ طے شدہ ہے کہ جب حرص و طمع میں اضافہ ہو گا تو انسان کی اذیت و پریشانی میں اضافہ ہو گا انھیں دنیوں حقیقوں کی جانب قرآن کریم نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے ارشاد رب العزت ہے:

﴿إِنَّمَا يَرِيدُ اللَّهُ لِيَعْذِبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَرْهِقُ النَّفَسَهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ (۳)

”بِسْ اللَّهِ كَا إِرَادَهُ يَهْ ہے کہ انہیں کے ذریعہ ان پر زندگانی دنیا میں عذاب کرے اور حالت

(۱) خصال صدقہ حاصفہ ۶۲۔

(۲) بخار الانوار ج ۸ ص ۲۲۔

(۳) سورہ توبہ آیت ۵۵۔

کفر ہی میں ان کی جان نکل جائے“
دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿انما يريد الله أن يعذبهم بها في الدنيا﴾ (۱)

”بِسْ اللَّهِ كَا إِرَادَةٍ يَهْيَهُ كَمَا نَهَىٰكُمْ كَمَا ذَرَيْدَانَ پُرِّ دُنْيَا مِنْ عَذَابٍ كَرَهَ۔
حرص طمع اسی وقت پایا جاتا ہے جب انسان قلب کے لحاظ سے فقیر ہو۔ نفس جتنا خالی ہو اور
فقیر ہو گا حرص وہوس کا اظہار اتنا ہی شدید ہو گا۔ حضرت داؤدؑ کے دور میں لوگوں کی بھی حالت تھی
چنانچہ خداوند عالم نے اٹھیں تو بہ کرنے اور بارگاہ الہی میں واپس آنے کا حکم دیا۔

حرص وہوس کس منزل تک ہو جس سکتے ہیں سورہ میں کی یہ آیت اسکی بخوبی شامد ہی کرتی ہے:

﴿إِنَّ هَذَا أَخْيَ لِهِ تِسْعَ وَتِسْعَوْنَ نَعْجَةً وَلَيَ نَعْجَةً وَاحِدَةً فَقَالَ: أَكْفُلُنِيهَا

وَعَزَّنِي فِي الْخَطَاب﴾ (۲)

”یہ ہمارا بھائی ہے اسکے پاس بنا توے دنیا ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہے یہ کہتا
ہے وہ بھی میرے حوالے کر دے اور اس بات میں بختی سے کام لیتا ہے“

اقدار کے نظام میں انقلاب

اس طرح اسلام نے استغنا کے نئے معنی پیش کئے اور استغنا کا تعلق زر و جواہر اور مال و
دولت سے ختم کر کے اسے نفس اور قلب سے جوڑ دیا ہے اس طرح قدر و قیمت کا معیار مال و ثروت
کے بجائے نفس کو قرار دیا۔

اسلام کی نگاہ میں انسان کی قدر و قیمت اسکے مال و دولت اور منقولہ و غیر منقولہ جائیداد سے

(۱) سورہ توبہ آیت ۸۵۔

(۲) سورہ میں آیت ۲۳۔

نہیں طے کی جاسکتی جیسا کہ جاہل افراد آج بھی یہی سوچتے ہیں بلکہ اسلام کی نگاہ میں انسانی قدر و قیمت کی بنیاد اللہ پر ایمان، تقویٰ، علم اور دیگر اخلاقی اقدار ہیں۔ اسلام لفظ شروعتی اور فقر کے اصل معنی کا مکمل نہیں ہے بلکہ اسلام نے اس معنی کے مفہوم میں اضافہ کیا ہے کہ قدر و قیمت کے تعین کے وقت بے نیازی اور فقر کے معاشی رخ کو ملحوظ نہ رکھا جائے قدر و قیمت کا معیار فقر و غنیٰ ہی ہیں مگر اس مفہوم میں کہ جو اسلام نے پیش کیا ہے۔

امیر المؤمنین کا ارشاد ہے:

(لِيَسْ الْخَيْرُ أَنْ يَكْثُرَ مَالُكُ، وَلَكِنَّ الْخَيْرَ أَنْ يَكْثُرَ عِلْمُكُ، وَأَنْ يَعْظُمْ حَلْمُكُ، وَأَنْ تَبَاهِي النَّاسُ بِعِبَادَةِ رَبِّكُ، فَإِنْ أَحْسَنْتْ حَمْدَتِ اللَّهِ، وَأَنْ أَسَاتِ استغفارَتِ اللَّهِ) (۱)

”بھلائی نہیں ہے کہ تمہارا مال زیادہ ہو بلکہ حقیقی نیکی یہ ہے کہ تمہارا علم زیادہ ہو۔ حلم عظیم ہو اور عبادت پروردگار کو فخر و مبارکات کا معیار قرار دو چنانچہ اگر تم نے اچھی طرح عبادت انجام دی ہو تو جو خدا کرو اور اگر عبادت میں کمی کی ہو تو ہمارا گاہ الہی میں استغفار کرو۔“

چنانچہ جب قدر و قیمت کا نظام بدل جائے گا تو خود بخود لوگوں کی سماجی اور سیاسی حیثیت میں بھی فرق آجائے گا اس لئے کہ کسی بھی تہذیب میں اگر اقدار ایک جانب اپنے نظام سے جڑے ہوتے ہیں تو دوسری جانب انکا تعلق سماجی، سیاسی معاشی اور علمی حیثیت و منزالت سے بھی ہوتا ہے۔

اگر آج ہمیں جاہلیت زدہ مغربی تہذیب میں یہ نظر آتا ہے کہ اس تہذیب میں سرمایہ داری کا داخل کتنا ہے، سیاست، معاشریات اور پروپیگنڈہ پر سرمایہ کا کتنا تسلط اور غلبہ ہے، صدر اور حکومت کے انتخابات میں سرمایہ داری کا کتنا اہم کردار ہے میں یا بیہاں تک کہ سیاسی روابط بھی کچھ سرمایہ داری

کے تابع ہیں! ہماری نگاہ میں اسکا سبب یہ ہے کہ اس تہذیب کی بنیاد مادیت پر ہے نہ کہ اخلاقی اور روحانی اقدار پر۔ اسکے برخلاف اسلام کی نگاہ میں ان چیزوں کی بنیاد اخلاقی و روحانی اقدار، بندہ کا اللہ سے رابطہ، عدالت و تقویٰ اور علم پر استوار ہے۔ ارشاد پروردگار ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَىُ اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعَلَمَاءُ﴾ (۱)

”اللہ سے ذر نے والے اسکے بندوں میں صرف صاحبان معرفت ہیں،“

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ إِنْدَ اللَّهِ أَتَقْيَكُمْ﴾ (۲)

”بیشک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔“

اسلام، قائد اور ہیر مسلمین کے لئے تقویٰ اور عدالت کو ضروری قرار دیتا ہے اسی طرح قاضی، پیش نماز اور امامین (جس کے پاس لوگ امانتیں رکھاتے ہیں) بے الفاظ دیگر ان تمام افراد کے لئے تقویٰ و عدالت کو لازمی شرط قرار دیتا ہے جو سماج اور معاشرہ میں کسی بھی عنوان سے مقام و منزلت کے مالک ہوں۔ اسی لئے جب نظام اقدار میں تبدیلی آئے گی تو خود بخود معاشرہ کی سماجی، سیاسی، معاشی، علمی، دینی حیثیتوں میں تبدیلی ناگزیر ہے۔

اس طرح تین مرحلوں میں یہ عمل انجام پاتا ہے:

۱۔ نظام اقدار میں تبدیلی

۲۔ اقدار میں تبدیلی

۳۔ سماجی اور سیاسی حیثیت میں تبدیلی

(۱) سورہ قاطر آیت ۲۸۔

(۲) سورہ حجرات آیت ۱۳۔

اب جبکہ استغنا سے متعلق اسلامی نظریہ واضح ہو گیا اور لوگوں کی زندگی میں اس کے کردار کی اہمیت کا بھی اندازہ ہو گیا تو اب ہم نفس کے استغنا اور بے نیازی کے بارے میں کچھ بیان کر سکتے ہیں جس کے بارے میں حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں ”جعلت غناه فی نفسه“

نفس کی بے نیازی

سوال یہ کہ نفس کی بے نیازی ہے کیا؟ اور ہم اپنے اندر یہ بے نیازی کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟ دراصل نفس کی بے نیازی اس میں مضر ہے کہ انسان مادیات اور دنیا پر اعتناء کرے بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھے اس لئے کہ دنیا قافیٰ ہے اور ذات الہی و اُنگی، مادیات محدود ہیں اور خدا کی سلطنت لا محدود۔ لہذا جب انسان اللہ پر توکل اور بھروسہ کے سہارے مستغنى اور بے نیاز ہو گا تو کبھی بھی کمزوری اور ناتوانی محسوس نہیں کرے گا۔ حالات کتنے ہی مقلوب کیوں نہ ہو جائیں، آسانیاں خیتوں میں تبدیل کیوں نہ ہو جائیں اللہ پر توکل کرنے والے کے پائے ثبات متزلزل نہ ہوں گے کیونکہ ایسی بے نیازی نفس سے تعلق رکھتی ہے اور کسی بھی عالم میں نفس سے جدا نہیں ہو سکتی ہے۔

مولائے کائنات“ متعین کے صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

(فِي الزلازل وَقُوَّرِ، وَفِي المَكَارِهِ صَبُورٌ) (۱)

”(متعین) مصائب و آلام میں باوقار اور شواریوں میں صابر ہوتے ہیں“

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بے نیازی نفس کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہے اور کوئی بھی پریشانی یا سختی اس بے نیازی کو ان سے جدا نہیں کر سکتی اور یہ بے نیازی اللہ پر ایمان، اعتناء، توکل اور اس کی رضا پر راضی رہنے سے حاصل ہوتی ہے۔ دراصل بے نیازی یہی ہے اور اس سے بودھکر کوئی بے نیازی

نہیں ہو سکتی ہے اور حالات کی تبدیلی اس پر اثر انداز نہیں ہوتی ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿يَا أَبَا ذِرَّةٍ اسْتَغْفِرِنِي بِغُنْيِ اللَّهِ تَعَالَى، يَغْنِكَ اللَّهُ﴾ (۱)

”اے ابوذر اللہ کی بے نیازی کے ذریعہ مستغنى بتوالد (واقع) بے نیاز بناوے گا“

مولائے کائنات کا ارشاد ہے:

﴿الْغَنِيُّ بِاللَّهِ أَعْظَمُ الْغَنِيِّ، وَالْغَنِيُّ بِغَيْرِ اللَّهِ أَعْظَمُ الْفَقَرَ وَالشَّقَاءِ﴾ (۲)

”اللہ کے ذریعہ استغنا سب سے بڑا استغنا ہے اور اللہ کے بغیر استغنا سب سے بڑا فقر اور

شقاؤں ہے“

اس معیار کے بموجب اللہ پر جتنا زیادہ توکل اور بھروسہ ہوگا انسان اتنا ہی زیادہ مستغنى ہوگا

پیغمبر اسلام ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ أَغْنِيُ النَّاسِ فَلِيَكُنْ بِمَا فِي يَدِ اللَّهِ أَوْ قَىْمَنْهُ مَمَّا فِي يَدِهِ﴾ (۳)

”جو سب سے بڑا مستغنى ہونا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس سے

زیادہ اس پر بھروسہ کرے جو خدا کے پاس ہے“

یہ بھی لمحظا رہے کہ اللہ پر توکل کا مطلب مادی اسباب کو نظر انداز کرنا نہیں ہے مادی اسباب کو نظر انداز کرنا سنت الہی سے اخراج ہے اور اسلام اس ہات کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ بلکہ توکل کا مطلب ہے غیر کے بجائے صرف اور صرف ذات پر و دگار پر اعتماد و اعتبار کرنا۔ اگر یہ اعتماد ہے تو اپنے مقصود تک پہنچنے کے لئے کسی بھی طرح کے اسباب و وسائل اختیار کرنا توکل کے خلاف نہ ہوگا۔

(۱) مکارم الاخلاق ص ۵۳۳۔

(۲) فخر الحجم ج ۱ ص ۹۲۔

(۳) تحفۃ العقول ص ۲۶۔

بے نیازی (استغنا) کے ذرائع

جن چیزوں کے ذریعہ انسان بے نیازی حاصل کر سکتا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، ہم یہاں پر ان میں سے صرف اہم ترین عوامل کا تذکرہ کریں گے۔

۱۔ یقین: ذات پروردگار پر یقین بے نیازی کا اعلیٰ ترین درجہ ہے اس لئے کہ اگر انسان کو یہ یقین ہو کہ خدا اپنے بندوں پر مہربان رہتا ہے لطف و کرم کرتا ہے ان کی دعا میں قبول کرتا ہے اور یہ بھی یقین ہو کہ وہی رازق ہے رُوف و رحیم ہے۔ اسکی رحمت و عنایت کا سلسلہ بھی ختم ہونے والا نہیں ہے اسکے خزانہ میں کوئی کمی واقع ہونے والی نہیں ہے اور کثرت عطا سے اسکے جود و کرم میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا ہے تو انسان کبھی بھی فقر و احتیاج کا احساس نہیں کر سکتا۔

فقر و احتیاج کا احساس اسی وقت ہوتا ہے کہ جب انسان کے پاس ایسا یقین مفقود ہو اور ایمان، یقین کی منزل تک نہ پہنچا ہو۔ یقین ہی ایمان کا سب سے بلند درجہ ہے بندوں کو ملنے والا سب سے بہترین رزق یقین ہے۔

مولائے کائنات کا ارشاد گرامی ہے:

(﴿مفتاح الغنیٰ الیقین﴾) (۱)

”یقین بے نیازی کی کنجی ہے“

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے:

(﴿کفی بالیقین غنیٰ، وبالعبادة شغلًا﴾) (۲)

”بے نیازی کے لئے یقین کافی ہے اور عبادت بہترین مشغله ہے“

(۱) سحار الانوار ج ۸ ص ۹۔

(۲) اصول کافی ج ۲ ص ۸۵۔

۲۔ تقویٰ: بے نیازی کے اسباب و عوامل میں تقویٰ بھی اہم ترین عامل ہے۔ انسان جب احکام خدا کا پابند ہو گا اور حدود الہیہ کا خیال رکھے گا تو اللہ تعالیٰ کے دل کو بے نیاز بنا دے گا اور اس کے فقر و احتیاج کو ختم کر دے گا۔

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿كَفَىٰ بِالنَّفْيِ عَنِي﴾ (۱)

”مستغنى ہونے کے لئے تقویٰ کافی ہے“

امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

﴿يَا حَاجِرَ أَهْلَ التَّقْوَىٰ هُمُ الْأَغْنِيَاءُ، أَغْنَاهُمُ الْقَلِيلُ مِنَ الدُّنْيَا، فَمُؤْنَتُهُمْ يَسِيرَةٌ، إِنَّ نِسْيَتَ الْخَيْرِ ذَكْرُوكُ، وَإِنْ عَمِلْتَ بِهِ أَعْنَوكُ، أَخْرُوا شَهْوَاتِهِمْ وَلَذَّاتِهِمْ خَلْفَهُمْ، وَقَدَّمُوا طَاعَةً رَبِّهِمْ أَمَامَهُمْ﴾ (۲)

”اے جابر صاحبِ امان تقویٰ ہی مالدار ہیں ان میں بھی سب سے بڑا غنی وہ ہے دنیا جس کا میں تھوڑا حصہ ہو ان کے اسبابِ معیشت بہت مختصر ہوتے ہیں اگر تم عمل خیر کو بھول جاؤ تو یہ تمہیں یاد آوری کریں گے اگر تم عمل خیر کرو گے تو تمہارے معاون و مددگار ہوں گے وہ اپنے خواہشات کو موخر اور لذتوں کو پس پشت رکھتے ہیں ان کے پیش نظر صرف اطاعت پر وردگار ہوتی ہے اور وہ اسی کو مقدم رکھتے ہیں“

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے مردی ہے:

﴿مَنْ أَخْرَجَهُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ ذَلِكَ الْمَعَاصِي إِلَى عَزَّ الْقَوْىِ، أَغْنَاهُ اللَّهُ بِلَا مَالٍ،

(۱) تحف العقول ص ۲۰۔

(۲) تحف العقول ص ۲۰۸۔

وأعْزَهُ بِلَا عَشِيرَةٍ، وَأَنْسَهُ بِلَا أَنْسٍ) (۱)

”خدا جسے گناہوں کی ذلت سے نکال کر تقویٰ کی عزت سے سرافراز کرتا ہے اسے بغیر مال کے غنی، بغیر خاندان و قبیلہ کے عزیز اور ساتھیوں کے بغیر تکمیل قلب اور انسیت عطا کر دیتا ہے“
اس حدیث شریف میں نفس کی بے نیازی کے بعدیہ وہی معنی پائے جائے ہیں جو ہم نے
بیان کئے ہیں کہ نفس مال و ثروت کے بغیر بھی غنی ہو سکتا ہے بغیر خاندان کے صاحب عزت بن سکتا ہے
ہم نو اور موسیٰ کے بغیر بھی اپنی دھنستاک تہذیب کا مدارا کر سکتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بے
نیازی کا فتح و سرچشمہ تقویٰ الہی ہے اسی تقوے کے ذریعہ نفس انسانی اپنے اندر عزت و انس کا احساس
کرتا ہے اس لئے کہ جب انسان مقنی اور حدد و دو احکام الہی کا پابند ہو گا تو اللہ بھی اسکے نفس کو غنی بنادے
گا اور اس سے نظر و ذلت اور وحشت کو دور رکھے گا۔

جس حدیث قدسی کے بارے میں ہم لفتگو کر رہے ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں:

(لَا يَؤْثِرُهُواي عَلَى هُوَاه الا جعلتْ غناه فِي نفْسِهِ) (۲)

”کوئی بندہ میری مرضی کو اپنی خواہشات پر ترجیح نہیں دے گا مگر یہ کہ میں اسکے نفس میں
استغنا پیدا کر دوں گا“

اور مخالفت نفس کا ہی نام تقویٰ ہے جس کا دوسرا نام اطاعت پروردگار ہے۔

۳۔ شعور: یقین و تقویٰ اگر بے نیازی اور استغنا کی کنجی ہیں تو فہم و شعور یقین و تقویٰ کی کنجی اور ان تک پہنچنے کا راستہ ہے انسان فقط جہالت کے باعث ہی تقویٰ اور یقین سے محروم ہو سکتا ہے یہاں فہم و شعور سے ہماری مراد مبروک و تعلق ہے اسلامی روایات میں یہ معنی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

(۱) وسائل الشیعہ ج ۱ ص ۱۹۱۔

(۲) کعبۃ الداعی، ابن فحمد حلی۔

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

(لا غنیٰ مثل العقل) (۱)

”عقل کے مانند کوئی بے نیازی نہیں ہے“

آپؐ ہی کا ارشاد ہے:

(انْ أَغْنِيَ الْفَقِيرُ بِالْعُقْلِ) (۲)

”سب سے بڑی بے نیازی عقل ہے“

نیز آپؐ نے فرمایا ہے:

(غَنِيَ الْعَاقِلُ بِعِلْمِهِ، وَغَنِيَ الْجَاهِلُ بِمَا لَهُ) (۳)

”عاقل اپنے علم اور جاہل اپنے مال کے ذریعہ مستغفی ہوتا ہے“

مشہور و معروف حدیث کے مطابق امام موسیٰ کاظمؑ نے اپنے صحابی ہشام بن حشم سے فرمایا:

(إِنَّمَا يَأْهَلُ إِلَيْهِ الْفَقِيرُ الْعُقْلُ الْمُسْتَغْفِيُّ بِهِ شَامٌ بْنُ حَشْمٍ قَالَ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنِّي أَرَادَتُ الْفَقْرَ بِلَا مَالٍ، وَرَاحَةَ الْقَلْبَ مِنَ الْحَسْدِ، وَالسَّلَامَةَ فِي

الدِّينِ، فَلِيَتَضَرَّعَ إِلَى اللَّهِ فِي مَسَالِهِ بَانٍ يَكْمُلُ عَقْلَهُ) (۴)

”اے ہشام جو انسان مال کے بغیر بے نیازی کا خواہاں ہو، اپنے قلب کو حسد سے محفوظ رکھنا چاہتا ہو، دین کی سلامتی چاہتا ہو اس کو تضرع وزاری کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں دعا کرنا چاہئے کہ خداوند عالم اس کی عقل کو سالم کر دے“

(۱) تحف العقول ص ۱۳۲۔

(۲) فتح البلاء حکمت ص ۳۸۔

(۳) غرائب الحرم ح ۲ ص ۲۷۔

(۴) تحف العقول ص ۲۸۶۔

حیات انسانی میں بے نیازی کے آثار

انسانی زندگی میں نفس کی بے نیازی کے بہت فائدے ہیں چونکہ پروردگار جس کے نفس کو بے نیازی عطا کرتا ہے وہ ہمیشہ اپنے خدا سے رابطہ کا احساس کرتا ہے اسے ہر وقت یا احساس رہتا ہے کہ اللہ اس کے ساتھ ہے اور ہر وقت تائید و عنایت الہی اس کے شامل حال ہے لہذا وہ تائید و عنایت الہی کے باعث سکون و اطمینان کی زندگی پر کرتا ہے اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ میرا خدا مجھے کبھی تھا نہیں چھوڑے گا اور نہ ہی کبھی مجھے میرے نفس کے حوالے کرے گا۔

اس طرح اس کی زندگی میں مکمل اعتماد و اعتبار، اطمینان، ثبات قدم اور سکون قلب تو نظر آتا ہے مگر کبھی بھی حرص و ہوس، حسد، لالج اور اضطراب و پریشانی نظر نہیں آتی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام نفسانی یہاں یا نفس کی کمزوری اور فقر سے پیدا ہوتی ہیں جس کی طرف ابھی ہم نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی حدیث کے ذیل میں اشارہ کیا تھا۔

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:

﴿أَغْنِيَ الْفَقِيرَ مِنْ لَمْ يَكُنْ لِّلْحَرْصِ أَسِيرًا﴾ (۱)

”سب سے بڑا غنی وہ ہے جو حرص و ہوس کا اسیر نہ ہو۔“

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿أَشْرَفَ الْفَقِيرَ، تَرَكَ الْمُنْهَى﴾ (۲)

”شریف ترین بے نیازی، خواہشات کا ترک کرنا ہے۔“

آپؐ ہی کا ارشاد ہے:

(۱) اصول کافی ج ۲ ص ۳۱۶۔

(۲) اصول کافی ج ۸ ص ۲۳۔

﴿الْغَنِيُ الْأَكْبَرُ: الْيَاسِ عَمَافِي أَيْدِي النَّاسِ﴾ (۱)

”سب سے بڑی بے نیازی یہ ہے کہ انسان اس کا امیدوار نہ ہو جو لوگوں کے پاس ہے“

اور جب مال نفس کو بے نیاز نہ بنائے تو پھر وہ اضطراب و بے چینی کا سبب بن جاتا ہے اور انسان کے حرص و طمع اور مشکلات میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَعْذِبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزَهَّقُ أَنفُسُهُمْ...﴾ (۲)

”پس اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ انھیں (اموال و اولاد) کے ذریعہ ان پر زندگانی دنیا میں

عذاب کرے اور حالت کفر میں ہی ان کی جان نکلے“

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يَعْذِبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزَهَّقُ أَنفُسُهُمْ...﴾ (۳)

”او رخدا ان کے (اموال و اولاد) ذریعہ ان پر دنیا میں عذاب کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے

کہ کفرگی حالت میں ان کا دم نکلے“

۲۔ ضمانت السموات:

”زہیں و آسمان اسکے رزق کے ضامن ہیں“

یہ جملہ ان لوگوں کی دوسری جزا ہے جو اللہ کے احکام کو اپنے خواہشات پر مقدم رکھتے ہیں اور اپنے خواہشات کو حکم و ارادہ الہی کا تابع بنایتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو خدا جزا و انعام سے نوازتا ہے ان کی پہلی جزا تو یہ تھی کہ خدا ان کے نفس کو غنی بنادیتا ہے جس کے بارے میں ہم تفصیل سے گفتگو کرچکے ہیں اور ان کی دوسری جزا اور انعام یہ ہے کہ آسمان و زہیں ان کے رزق کے ضامن ہوتے ہیں۔

(۱) نوح ابراہم حکمت۔ ۳۲۲۔

(۲) سورہ توبہ آیت ۵۵۔

(۳) سورہ توبہ آیت ۸۵۔

واضح ہی بات ہے کہ اس جملہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان رزق حاصل کرنے کی کوشش ہی نہ کرے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ اس کی سعی کو کامیاب بنادیتا ہے اور اسے توفیق عطا کرتا ہے۔

توفیق

اللہ نے توفیق کی بنی پرز میں و آسمان کو ضامن بنایا ہے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسانی کوشش رائیگاں چلی جاتی ہے اور اس سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان برسوں با تھوڑی سیر مارتا ہے جدو جہد کرتا ہے لیکن اپنے مقصود تک نہیں پہنچ پاتا اسکے برخلاف کبھی تھوڑی سی جدو جہد ہی نیک اور با برکت ثمرات کا سبب بن جاتی ہے یہ صرف حسن توفیق اور بے توفیقی کی بات ہے۔ اور یہ طے ہے کہ خدا ہی توفیق دینے والا ہے۔

مومن اپنے خواہشات پر احکام خدا کو ترجیح دیتا ہے تو خداوند عالم بطور جزا زمین و آسمان کو اسکے رزق کا ضامن بنادیتا ہے۔ تو یہ بھی توفیق کی بنیاد پر ہے۔ یہاں توفیق کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم اسکی سعی کو شکش کو مفید و کار آمد جگہ پر لگادیتا ہے جس سے یہ سعی کو شکش نتیجہ خیز بن جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے زرخیز زمین پر بارش ہوتی ہے البتہ کبھی بارش ہوتی ہے مگر زمین سے دانہ نہیں آگتا ہے اور بارش کا پانی ضائع ہو جاتا ہے لیکن اگر زرخیز زمین پر تھوڑی سی بارش مناسب موقع پر ہو جائے تو خیز کثیر کا باعث بن جاتی ہے اور سبزہ لمبھانے لگتا ہے۔

توفیق ایک الگ چیز ہے اسکا انسان کی کوشش اور جدو جہد سے کوئی تعلق نہیں ہے انسان جدو جہد کر سکتا ہے مگر توفیق اسکے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ تھوڑے اسباب توفیق انسان کے ہاتھ میں ہیں لیکن جو اسباب توفیق اسکے اختیار میں نہیں ہیں انکی تعداد کمی گنازیادہ ہے جو سب کے سب خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ خدا جب کسی بندہ کو توفیق سے نوازتا ہے تو اسکی زندگی اور جدو جہد با برکت بن جاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید نے جناب عیسیٰ " کی زبانی نقش کیا ہے:

﴿وَجَعَلْنَاهُ مِبَارَكًا أَيْمَانَكُت﴾ (۱)

”اور مجھے مبارک قرار دیا ہے چاہے میں جہاں رہوں“

جب تک اللہ کسی بندہ کو توفیق کرامت نفرمائے یا اسکے لئے بھلائی کا ارادہ نہ کرے تو بندہ اپنی جدوجہد اور عقل کے ذریعہ تھوڑے سے اسباب خیری حاصل کر سکتا ہے۔

﴿لَا يَنْفَعُ الاجْتِهادُ بِغَيْرِ تَوْفِيقٍ﴾ (۲)

”کوئی بھی کوشش توفیق کے بغیر مفید نہیں ہوتی“

اور جب پروردگار عالم کسی بندہ کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کو توفیق مرحمت کرتا ہے اور اسکی سعی و کوشش کو فلاں و کامیابی کے راستہ پر لگا دیتا ہے جس سے اسکی سعی و کوشش نتیجہ بخش ہو جاتی ہے۔
حضرت علیؑ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿خَيْرُ الاجْتِهادِ مَا قَارَنَهُ التَّوْفِيقُ﴾ (۳)

”بہترین کوشش وہ ہے جو توفیق کے ساتھ ہو“

دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے:

﴿الْتَّوْفِيقُ أَشْرَفُ الْحَظَّيْنِ﴾ (۴)

”توفیق دو اشرف و اعلیٰ حصون میں سے ایک ہے“

اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کے پاس کچھ ایسے اسباب خیر و سعادت ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنی عقل اور جدوجہد کے سہارے حاصل کرتا ہے یا وہ وسائل و ذرائع ہوتے ہیں جو اللہ نے اسے عطا

(۱) سورہ مریم آیت ۳۱۔

(۲) غر راحلم ج ۲ ص ۳۲۵۔

(۳) غر راحلم ج ۲ ص ۳۵۱۔

(۴) غر راحلم ج ۱ ص ۸۲۔

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

کئے ہیں یہ بھی نتیجہ تک پہنچنے میں شریک ہیں مگر ان کا حصہ اور ان کی منزلت کم ہے۔ وہ راجز اور حصہ خیر و برکت کے وہ غیبی اسباب ہیں جنہیں اللہ اپنے بندہ کے شامل حال کرتا ہے یا جب بندہ کو اس کی سعی و کوشش سے اسباب خیر میر نہیں ہوتے تو اللہ سے خیر و سعادت کی راہ پر لگا دیتا ہے یہ وہ راجز حصہ ہے جو حدیث کے مطابق زیادہ مخفی ہوتا ہے۔

بلاشبہ توفیق جو ایک غیبی سبب ہے اور انسان کو خیر و برکت کی راہ دکھاتا ہے۔ انسان کے پاس موجود دیگر عقلی اور فطری امکانات اور قوتوں سے جدا ایک چیز ہے اگرچہ یہ قوتوں اور صفاتیں بھی عطا نے پروردگار ہیں لیکن تہماں یہ صفاتیں انسان کو خیر و سعادت کی منزل تک پہنچانے کے لائق نہیں ہیں یعنی صرف انہیں کے سہارے انسان شر سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے بلکہ پروردگار جب کسی بندہ کے لئے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسکی سعی و کوشش اور صفاتیوں کو خیر کے صحیح راستوں پر بروئے کا رلانے میں اسکی مدد کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث اس حقیقت کی صاف وضاحت کرتی ہے۔

روایت میں ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا:

﴿بِأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ أَكْلَمَتُ أَنَا مُسْتَطِيعًا لِمَا كَفَرْتُ؟ فَقَالَ لَهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿مَا الْإِسْتِعَاةُ
عَنْكَ؟﴾ قَالَ: الْقُوَّةُ عَلَى الْعَمَلِ، قَالَ لَهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿قُدِّمْتُ الْقُوَّةَ إِنِّي
أُعْطَيْتُ ﴿الْمَعْوَنَةَ﴾، قَالَ لَهُ الرَّجُلُ: فَمَا الْمَعْوَنَةُ؟ قَالَ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿الْتَّوْفِيقُ﴾، قَالَ (الرَّجُلُ): فَلِمَ
يُعْطَاءُ النَّوْفِيقُ؟ قَالَ (الإِمامُ) عَزَّ وَجَلَّ: هَلْ تَسْتَطِعُ بِنَلْكِ الْقُوَّةِ دَفْعَ الضررِ عَنِ
نَفْسِكَ، وَأَخْذَ النَّفْعَ إِلَيْهَا بِغَيْرِ الْعُونِ مِنَ اللَّهِ تَبارَكَ وَتَعَالَى؟﴾ قَالَ: لَا، قَالَ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿فَلِمَ تَسْتَحِلُّ
مَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ؟﴾ ثُمَّ قَالَ: ﴿أَيْنَ أَنْتَ مِنْ قَوْلِ الْعَبْدِ الصَّالِحِ: ﴿وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ﴾﴾ (۱)

(۱) بحار الانوار ج ۵ ص ۲۲۔ ”وماتوفيقي إلا بالله عليه توكلت واليه أنيب“ میری توفیقی صرف اللہ سے

وابستہ ہے اسی پر میراعتماد ہے اور اسکی طرف میں توجہ کر رہا ہوں ”سورہ ہود آیت ۸۸۔

”فرزند رسول اللہ! جب مجھے مکلف بنا�ا گیا ہے تو کیا میں مستطیع نہیں ہوں؟ امام نے فرمایا: استطاعت سے تمہاری مراد کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ عمل بجالانے کی قوت و طاقت، امام نے فرمایا: یہ درست ہے کہ تمہیں قوت دی گئی ہے مگر کیا تمہیں ”معونة“ بھی نصیب ہوا ہے؟ اس شخص نے سوال کیا: یہ معونة کیا ہے؟ امام نے فرمایا: توفیق! اس شخص نے (تعجب سے) پوچھا: توفیق عطا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ امام نے فرمایا کہ: کیا تم اللہ کی مدد کے بغیر صرف اپنی قوت کے ذریعہ اپنے کو نقصانات سے محفوظ رکھ سکتے ہو اور فائدے حاصل کر سکتے ہو؟ اس نے جواب دیا ہرگز نہیں: پھر امام ” نے دریافت فرمایا: پھر تم عبد صالح کے اس جملہ کا کیا مطلب سمجھتے ہو کہ ”میری توفیق صرف اللہ سے وابستہ ہے“

اس روایت کے مطابق انسانی زندگی میں تین طرح کی قوتیں اور عوامل کا فرمائیں:

۱۔ وہ طبیعی اور سماجی تو انہیں جو انسان کو خیر یا شر کی جانب لے جاتے ہیں۔

۲۔ وہ قوتیں اور صفاتیں جو پروردگار عالم نے انسانی وجود میں رکھی ہیں اور جنہیں انسان طبیعت یا سماج میں خیر و شر تک رسائی حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔

۳۔ توفیق و امداد الہی جس کے ذریعہ پروردگار اپنے بندوں کو اسباب خیر تک پہنچاتا ہے اور ان مخفی اسباب کے لئے بندوں کی مدد کرتا ہے جو عام لوگوں کی نگاہوں سے او جمل تھے یا جن تک رسائی ممکن نہ تھی اس آخری سبب کے بغیر خیر تک پہنچانا ممکن نہیں ہے۔

کراجیکی نے اپنی کتاب ”کنز“ میں روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق ” نے فرمایا:

﴿مَا كَلَّ مِنْ نُوْيٰ شِئْنَا قَدْرٌ عَلَيْهِ وَمَا كَلَّ مِنْ قَدْرٍ عَلَيْنَا شَيْءٌ وُفِّقَ لَهُ...﴾ (۱)

”ایسا نہیں ہے کہ ہر انسان ہر اس چیز پر قدرت بھی رکھتا ہو جس کی اس نے نیت کی ہے اور

نہ ہی ایسا ہے کہ جو مقدور ہو اسکی توفیق بھی حاصل ہو اور نہ ہی ایسا ہے کہ جسکی توفیق حاصل ہو وہ شے خود

۳۲۶ خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

حاصل بھی ہو جائے۔ جب نیت، قدرت اور توفیق کے ساتھ وہ چیز بھی حاصل ہو جائے تو سعادت مکمل کہلاتی ہے۔“

توفیق، معرفت پروردگار کا بہت وسیع باب ہے اگرچہ اللہ کی معرفت کے تین راستے ہیں:

۱۔ فطرت

۲۔ عقل (عقلی دلیلوں کے ذریعہ)

۳۔ تعامل مع اللہ (اللہ کے ساتھ تجارت اور معاملہ)

”معامل مع اللہ“ معرفت کا ایک وسیع دروازہ ہے لیکن اس دروازہ میں صرف صاحبان بصیرت داخل ہو سکتے ہیں اور اسکے ذریعہ انسان کو ایمان، اعتبار و اطمینان اور توکل کا وہ درجہ حاصل ہوتا ہے جو فطرت اور عقل کے ذریعہ حاصل کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ خداوند عالم کے ساتھ معاملہ اور اس کی عطا کے ساتھ لیں دین اور اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی معیت کی وجہ سے ہی تائید خداوندی اور اس کی توفیق ہر حال میں انسان کے شامل حال ہوتی ہے۔

توفیق الہی یونہی کسی انسان کے شامل حال نہیں ہو جاتی بلکہ توفیق نازل ہونے کے اپنے اسباب وقوایتیں اور اصول ہیں۔ جسے پروردگار نے توفیق جیسی نعمت عطا کی ہے یقیناً وہ اس لائق تھا کہ ایسی رحمت الہی اس کو نصیب ہوا اور جو توفیق سے محروم ہے یقیناً اس نے اس عظیم نعمت کے نزول و حصول کے موقع ضرور گتوائے ہیں ورنہ رحمت الہی میں بخل و کنجی کا دخل نہیں ہے اور نہ ہی اس کا خزانہ رحمت ختم ہونے والا ہے۔ عظیم نعمت اسی کے حصے میں آتی ہے جس کے شامل حال خدا کی توفیق ہوتی ہے اور اس نعمت سے محروم صرف وہی ہوتا ہے کہ جسے توفیق نصیب نہ ہو۔ توفیق جیسی نعمت پانے والے افراد بھی برادر نہیں ہوتے بلکہ اتحقاق، صلاحیت، لیاقت اور ظرف کے اعتبار سے ان کی توفیق کے مراتب و درجات بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔

اُسکی بارگاہ سے رحمت، توفیق کی شکل میں بے حساب نازل ہوتی رہتی ہے البتہ اس سے صرف وہی لوگ محروم رہتے ہیں جن کا نفس بد اعمالیوں کے باعث گھانے میں ہے اور جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے باطن اور ظرف کو اسکے حصول کے قابل نہیں بنایا ہے جبکہ ان کے برخلاف صاحبان ایمان اپنی استعداد اور ظرف کے مطابق اس نعمت سے بہرہ مند ہوتے رہتے ہیں۔ (۱)

رزق اگرچہ عالم ظاہر و شہود کا معاملہ ہے لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مسئلہ رزق سے غیبی اسباب کا کتنا گہر اتعلق ہے۔

عالم غیب اور عالم شہود (ظاہر) کے درمیان رابطہ

مسئلہ "غیب" اور "غیب و شہود کا اتعلق" جیسے مسائل اسلامی نظریات کے بنیادی مسائل میں ثناہ ہوتے ہیں اور اس سلسلہ میں لوگوں کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ ایسے افراد بھی ہیں جو سرے سے غیب کے مذکور ہیں کچھ شہود کے مقابل غیب کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان رابطہ کے مذکور ہیں۔

اسلام "غیب" کو صرف تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ "غیب" پر ایمان کی دعوت دیتا ہے اور "ایمان بالغیب" کو اسلام کی سب سے پہلی شرط قرار دیتا ہے۔

﴿الَّمَّا ذَلِكَ الْكِتَابُ لِرَبِّ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ ﴾ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ
وَيَقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمَا رَزَقَنَاهُمْ يَنفَقُونَ﴾ (۲)

"یہ کتاب ہے جس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے یہ صاحبان تقویٰ اور پرہیزگار لوگوں کیلئے مجسم ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں پابندی سے پورے اہتمام کے ساتھ

(۱) مؤلف کی کتاب "المذہب التاریخی فی القرآن الکریم"، سے اقتباس، معمولی تدریلی کے ساتھ صفحہ ۲۹۔ ۳۰۔

(۲) سورہ بقرہ آیت ۱۔ ۲۔

نماز ادا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے رزق دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں۔“

﴿الذین يخشون ربهم بالهیب وهم من الساعۃ مشفقون﴾ (۱)

”جو از غیب اپنے پروردگار سے ڈرنے والے ہیں اور قیامت کے خوف سے لرزال ہیں۔“

﴿انما تندر من اتبع الذکر وخشی الرحمن بالغیب﴾ (۲)

”آپ صرف ان لوگوں کو ڈر اسکتے ہیں جو صحت کا اجاتع کریں اور بغیر دیکھے از غیب خدا سے ڈرتے رہیں۔“

اسلام عالم غیب اور عالم شہود کے درمیان ربط کا بھی قائل ہے اس کا یہ نظریہ ہے کہ ان دونوں وسیع افقوں کو جو زنے والے بہت سے پل بھی پائے جاتے ہیں ان تمام باتوں سے بڑھکر اسلام کا عقیدہ ہے کہ دونوں عالم ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں یعنی عالم غیب، عالم ظاہر و محسوس پر اثر انداز ہوتا ہے اور عالم محسوس و ظاہر غیب پر، اگر انسان متqi و پرہیزگار ہے۔ ایمان بالغیب کے باعث دل میں خشیت اللہی پائی جاتی ہے اور وہ گناہوں سے کنارہ کش رہتا ہے تو یہ چیزیں برآہ راست انسان کی ماڈی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ معاش حیات کیختیاں آسانیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور رزق کے دروازے اسکے لئے کھل جاتے ہیں۔ ارشاد پروردگار ہے:

﴿وَمَن يَعْقَلَ لَهُ مَخْرُجٌ وَّيَرْزُقُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (۳)

”اور جو بھی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اسکے لئے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا وہ گمان بھی نہیں کرتا ہے۔“

(۱) سورہ النبیاء آیت ۳۹۔

(۲) سورہ یسوس آیت ۱۱۔

(۳) سورہ طلاق آیت ۲۔۳۔

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلُ لَهُ مِنْ أَمْرٍ يُسْرًا﴾ (۱)

اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اسکے امر میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔

یہ تو تھا عالم ظاہر و محسوس کا عالم غیب سے تعلق۔ اسکے برخلاف عالم غیب کا بھی عالم ظاہر سے تعلق پایا جاتا ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ سے مروی ہے:

﴿لَوْلَا الْخَبْرُ مَا صَلَّيْنَا﴾ (۲)

”اگر روٹی کا مسئلہ نہ ہوتا تو ہم نماز نہ پڑھتے“

آپ ہی سے منقول ہے: ﴿وَبِهِ (الْخَبْرِ) صَمَّتْم﴾ (۳)

”تم لوگوں کے روزے اسی روٹی کیلئے ہیں“

آپ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

﴿فَلَوْلَا الْخَبْرُ مَا صَلَّيْنَا وَلَا صَمَّنَا، وَلَا أَذِنَافُ الرَّضِيِّ رَبِّنَا عَزَّ وَجَلَّ﴾ (۴)

”اگر روٹی (کی بات) نہ ہوتی تو نہ ہم نماز پڑھتے اور نہ روزہ رکھتے اور نہ ہی اپنے پروردگار

کے احکام بجالاتے“

حرکت تاریخ کے سلسلہ میں غیبی عامل کا کردار

عالم غیب اور عالم محسوس میں اسی رابطہ کی بنا پر قرآن کریم ”غیب“ کو حرکت تاریخ کا اہم

سبب شمار کرتا ہے اور تاریخ کے پیچھے مادی سبب کو بھی تسلیم نہیں کرتا چہ جائیکہ مادیت کو تاریخ کا تہماحرک

(۱) سورہ طلاق آیت ۲۔

(۲) اصول کافی ج ۵ ص ۷۳۔

(۳) اصول کافی ج ۶ ص ۳۰۳۔

(۴) اصول کافی ج ۵ ص ۷۳۔

مانا جائے بلکہ بسا اوقات ایسا بھی دکھائی دیتا ہے کہ تاریخ مادی عوامل کے تقاضوں کے برخلاف حرکت کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

ذرا قرآن کریم کی ان آیات میں غور و خوض کیجئے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنٍ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حِينَ أَذْعَجْتُكُمْ كُثُرَتُكُمْ فَلِمْ
تَفْنِيَنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحِبَتْ ثُمَّ وَلَيْسَ مَدْبُرُنِي ﴾ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ
سَكِينَتَهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جِنُودَ أَلْمَ تَرُوْهَا وَعَذَابَ الظَّالِمِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جِزَاءُ
الْكَافِرِينَ ﴾ (۱)

”بیشک اللہ نے اکثر مقامات پر تمہاری مدد کی ہے اور جنین کے دن بھی جب تمہیں اپنی
کثرت پر ناز تھا لیکن اس (کثرت) نے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور تمہارے لئے زمین اپنی
و سعتوں سمیت جگ ہو گئی اور اسکے بعد تم پیٹھ پھیر کر بھاگ لئے، پھر اسکے بعد اللہ نے اپنے رسول اور
صاحب ایمان پر سکون نازل کیا اور وہ لشکر بھیجے جنہیں تم نہیں دیکھا اور کفر اختیار کرنے والوں پر
عذاب نازل کیا کہ یہی کافرین کی جزا اور ان کا انجام ہے“

ان آیات کریمہ سے پہلا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ فتح و کامرانی عطا کرنے والا خدا ہے۔
مادی اسباب و وسائل صرف ذریعہ ہیں کامیابی دینے والا اصل میں خدا ہے۔ تاریخ کی حرکت کو کچھ
کے لئے بنیادی نقطہ یہی ہے اور تمہیں سے اسلامی نظریہ، مادیت کے نظریے سے جدا ہو جاتا ہے۔

آیات کریمہ میں دوسرا ہم تذکرہ لشکر اسلام کی کثرت کے باوجود جنین کی جگہ کا نقشہ
منقلب ہونا ہے حالانکہ مادی نگاہ رکھنے والوں کے نزدیک افراد کی کثرت فتح کا سبب ہوتی ہے۔ ”اور
جنین کے دن بھی جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور

زمیں و آسمان اسکے رزق کے خامن ہیں.....

۳۳۱

تمہارے لئے زمین اپنی و سعتوں سیت جگ ہو گئی اور اسکے بعد تم پیچھے پھیر کر بھاگ نکل۔

آیات کریمہ میں تیسرا مذکورہ اللہ کی جانب سے اپنے رسول اور مومنین پر عین میدان جنگ میں یکینہ نازل ہونا ہے۔ اسی یکینہ کے باعث شدت کے لحاظ میں انہیں اطمینان و سکون حاصل ہوا اور وہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ سکے اور ان کے دلوں سے خوف و اضطراب زائل ہوا یہ یکینہ فقط خدا کی جانب سے تھا اللہ نے فرشتوں کا نہ دکھائی دینے والا شکر نازل کیا جو شکر کفار کو ہزیرت پر مجبور کر رہا تھا ان کی صفوں میں رعب پھیلارہا تھا اسکے برخلاف دشمن سے مقابلہ کے لئے مومنین کے دلوں کو تقویت عطا کر رہا تھا۔

اب ہم سورہ آل عمران کی ان آیات کو پڑھیں:

﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴾
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
إِنَّمَا الظُّلْمُ عَلَى الْمُنْكَرِ
إِنَّمَا الظُّلْمُ عَلَى الْمُنْكَرِ
أَنْ يُؤْتَ الْمُنْصُوصُ مِمَّا مَلَكَ
أَنْ يُؤْتَ الْمُنْصُوصُ مِمَّا مَلَكَ
وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ الْأَبْشَرِ
وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ الْأَبْشَرِ
لِمَنْ يَرِيدُ
لِمَنْ يَرِيدُ
وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ
وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ
الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ (۱)

”یقیناً اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے اور دشمن فی الفور تم تک آ جائیں تو خدا پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کریگا جن پر بھادری کے نشان لگے ہوں گے۔ اور اس امداد کو خدا نے صرف تمہارے لئے بشارت اور اطمینان قلب کا سامان قرار دیا ہے ورنہ مدد تو صرف خدائے عزیز و حکیم کی طرف سے ہوتی ہے“

جنگ کی شدت اور خنیتوں کے دوران پانچ ہزار ملائکہ کے ذریعہ غیبی امداد نے فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کرا دیا۔ اللہ نے ملائکہ کے ذریعہ مومنین کے دلوں کو سکون و اطمینان عطا کیا اور اس طرح سخت ترین لمحات میں انہیں اس طرح بشارت و خوش خبری سے نوازا۔ اسی آیہ شریفہ میں اس

بنیادی نقطہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو نقطہ تاریخ کی حرکت کے بارے میں اسلام اور مادیت کے درمیان حد فاصل ہے ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ﴾ فتح و کامرانی صرف اور صرف اللہ کی جانب سے ہے جگہ احمد میں جیتنی ہوئی جنگ کا نقشہ پڑت جانے کے بعد مومنین کو سکھائے گئے اس باقی سورہ آل عمران میں موجود ہیں:

﴿وَلَا تَهْوَى لَكُمُ الْحَزْنُ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (۱)

”خبردارستی نہ کرنا مصائب پر محروم نہ ہونا، اگر تم صاحب ایمان ہو تو سر بلندی تمہارے ہی لئے ہے“

میدان جنگ میں یہ برتری خدا پر ایمان سے پیدا ہوتی ہے۔ ایمان کے بعد پھر کہیں ان مادی اسباب و عوامل کی باری آتی ہے جنکی ضرورت میدان جنگ میں پڑتی ہے۔

سورہ اعراف میں بھی یہی مضمون نظر آتا ہے:

﴿وَلَوْاَنَ أَهْلَ الْقَرْيٍ آمْنًا وَاتَّقُوا الْفَتْحًا عَلَيْهِمْ بِرَبَّاتِ مِنَ السَّمَاءِ

وَالْأَرْضِ وَلَكُنْ كَذَبُوا فَأَخْذَنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (۲)

”اور اگر اہل قریہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان کے لئے زمین و آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کو ان کے اعمال کی گرفت میں لے لیا۔“

”پروردگار عالم اپنے بندوں پر زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھول دیتا ہے“ یہ چیز ایمان و تقویٰ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اسکے ساتھ مخفی طور پر مادی و سائل بھی درکار ہوتے ہیں۔

یہ تصوریکا ایک رخ تھا جو کہ ثابت رخ تھا کہ کس طرح میدان جنگ میں ایمان اور تقویٰ سے

(۱) سورہ آل عمران آیت ۹۳۔

(۲) سورہ اعراف آیت ۹۶۔

فُلخ و کامرانی ملتی ہے معاشری زندگی میں و سعت رزق، آسانیاں اور خوشیاں میسر ہوتی ہیں۔ اسکے برخلاف عالم غیب اور عالم محسوس کا یہی تعلق اور رابطہ غلطیوں اور گناہوں میں بنتلا ہونے اور حدود الہی سے تجاوز، تہذیبوں کے خاتمہ اور امتوں کی تباہی و بر بادی کا سبب بھی ہوتا ہے۔

سورہ انعام کی ان آیات کو غور سے پڑھئے:

﴿الْمَيْرِواكُمْ أَهْلَكَنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ كَنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نَمْكِنْ
لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مَدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ
فَأَهْلَكَنَا هُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأُنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرْنَانَ آخْرِينَ﴾ (۱)

”کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی نسلوں کو تباہ کر دیا ہے جنہیں تم سے زیادہ زمین میں اقتدار دیا تھا اور ان پر موسلا دھار پانی بھی بر سایا تھا ان کے قدموں میں نہریں بھی جاری تھیں پھر ان کے گناہوں کی بنا پر انہیں بلاک کر دیا اور ان کے بعد وسری نسل جاری کر دی، یہ بلا کست و بر بادی بے عملی، عصیان اور گناہوں کی وجہ سے تھی مادیت کو تاریخ کا محرك سمجھنے والوں کی نگاہ میں ان اسباب کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے جبکہ قرآن بداعمالیوں کو بھی بر بادی کا سبب مانتا ہے۔ اسی سورہ مبارکہ کی یہ آیات کریمہ بھی ملاحظہ فرمائیں جن میں قرآن مجید نے تسلیم کو مکمل طور پر پیش کر دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَّمٍ مِنْ قَبْلِكَ فَاخْذَنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لِعِلْمِهِمْ
يَتَضَرَّعُونَ★ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسْتَ قُلُوبَهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمْ
الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ★ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذَكَرُوا بِهِ فَتَحَنَّعَ عَلَيْهِمْ أَبْوَابُ كُلِّ
شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرَحُوا بِمَا أُوتُوا أَخْذَنَهُمْ بِغَتْةٍ فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ★ فَقُطِعَ

دابر القوم الذين ظلموا والحمد لله رب العالمين ﴿۱﴾

”ہم نے تم سے پہلے والی امتوں کی طرف بھی رسول بھیجے ہیں اسکے بعد انہیں بختمی اور تکلیف میں بٹلا کیا کہ شاید ہم سے گزرائیں۔ پھر ان سختیوں کے بعد انہوں نے کیوں فریاد نہیں کی؟ بات یہ ہے کہ ان کے دل سخت ہو گئے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے آراست کر دیا ہے۔ پھر جب وہ ان نصیحتوں کو بھول گئے جو انہیں یاد دلائی گئی تھیں تو ہم نے امتحان کے طور پر ان کے لئے ہر چیز کے دروازے کھول دئے، یہاں تک کہ جب وہ ان نعمتوں سے خوشحال ہو گئے تو ہم نے اچانک انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، اور وہ مالیوس ہو کر رہ گئے، پھر ظالمین کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور ساری تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے“

تمام امتوں کے آغاز سے تکران کے انجام تک تمیں مرحلہ ہیں جن کی طرف ان آیات کریمہ میں اشارہ پایا جاتا ہے اسی طرح ان تینوں مرحلوں میں عالم غیب اور عالم محسوس کے درمیان رابطہ کی وضاحت پائی جاتی ہے۔

پہلا مرحلہ

یہ آزمائش کا مرحلہ ہے اس مرحلہ میں پروڈگار امتوں کو نعمتوں اور صلاحیتوں سے نوازتا ہے۔ اس مرحلہ میں گناہ و محصیت زوال بلا اور بارگاہ خداوندی میں تضرع وزاری بلا ذل سے نجات کا ذریعہ بنتی ہے۔

﴿فَاخْذُنَاهُمْ بِالْأَسَاءِ وَالضَّرَاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ﴾

”اسکے بعد ہم نے انہیں بختمی اور تکلیف میں بٹلا کیا کہ شاید ہم سے گزرائیں،“

گناہ سے بلا ذل کا نازل ہونا اور تضرع وزاری سے بلا ذل کا بطرف ہونا یہ دراصل عالم

غیب اور عالم محسوس کے رابطہ کو بیان کرتا ہے اور اس نقطہ تک مادی فکر کی رسائی نہیں ہو سکتی ہے یہ بات ہمیں کتاب خدا سے معلوم ہوئی ہے۔

دوسرے مرحلہ

مہلت اور چھوٹ کا مرحلہ ہے۔ اس مرحلے میں بھی عالم غیب و محسوس کا تعلق نمایاں ہے اس لئے کہ برائیوں اور گناہوں میں عرق ہو جانے اور آزمائش کے مرحلے میں مصائب و مشکلات کو نظر انداز کرتے رہنے کے باوجود کبھی کبھی امت پر نعمت کا دروازہ بند نہیں ہوتا لیکن اس مرحلے میں رزق، نعمت نہیں بلکہ عذاب ہوتا ہے اور اللہ اس طرح انہیں ان کی سرکشی میں چھوٹ دیکھان کی رسی دراز کر دیتا ہے تاکہ پھر اچاک ایک دم پوری حقیقت و قوت کے ساتھ انہیں جکڑ لے:

﴿فَلِمَا نَسْوَأَمَّا ذَكَرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (۱)

”پھر جب وہ ان نصیحتوں کو بھول گئے جو انہیں یاد دلائی گئی تھیں تو ہم نے امتحان کے طور پر ان کے لئے ہر چیز کے دروازے کھول دئے“

تیسرا مرحلہ

بر بادی اور نابودی کا مرحلہ ہے:

﴿فَقُطِعَ دَابُرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (۲)

”پھر ظالمین کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور ساری تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے“
حمد خدا یہاں عذاب پر ہے نعمت پر نہیں۔ یعنی نعمت حیات کے بجائے ”سرکش افراد کی“
نابودی اور ہلاکت پر حمد و شائے الہی کی جا رہی ہے۔

(۱) سورہ انعام آیت ۲۴۔

(۲) سورہ انعام آیت ۲۵۔

عالم غیب و محسوس کا رابطہ اس مرحلہ میں بھی گذشتہ مراحل سے جدا نہیں ہے کیونکہ جب افراد قوم اکثر تے ہیں روئے زمین پر سرکشی اور تکبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ان چیزوں میں فرحت محسوس کرتے ہیں تو ان پر ایسا عذاب نازل ہوتا ہے کہ پوری قوم نیست ونا بود ہو جاتی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ اسلام کی نظر میں غیبی عامل، حرکت تاریخ کا اہم عنصر ہے۔

غیبی عامل، مادی عوامل کا منکر نہیں

اگرچہ اسلام کی نگاہ میں حرکت تاریخ کا اہم عنصر غیبی عامل ہے مگر اسکا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام انسانی زندگی میں مادی عوامل کو تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ درحقیقت حرکت تاریخ کا عامل، کسی ایک چیز کو مانے کے بجائے اسلام متعدد اور مشترک عوامل کا قائل ہے یعنی غیبی اور مادی عوامل ایک ساتھ مل کر تاریخ کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اور ان میں سے صرف کوئی ایک عامل تاریخ کا محرك نہیں ہے وہ مادی عامل ہو یا معنوی۔ اسلام کی نگاہ میں زندگی برکرنے کے لئے ان دونوں عوامل کو بروئے کار لانا ضروری ہے۔

تقویٰ اور رزق کا تعلق

جب عالم غیب اور عالم محسوس کا تعلق اور ربط واضح ہو گیا ”تو آئیے ایک نگاہ، حدیث قدی کے اس فقرہ پر ڈالتے ہیں:

﴿لَا يؤثِّرُ عَبْدٌ هُوَ إِلَى هُوَ إِلَّا حِصْنَتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رِزْقَهُ﴾
 ”کوئی بندہ اگر اپنی خواہشات پر میرے احکام اور مرضی کو ترجیح دے گا تو میں زمین و آسمان کو اسکے رزق کا ضامن ہنادوں گا“ عالم غیب و عالم محسوس کے درمیان تعلق کی گذشتہ واضح کے پیش نظر غیب اور معنویت سے تعلق رکھنے والے ”تقویٰ“ اور عالم غیب و عالم محسوس و شہود سے تعلق رکھنے والے ”رزق“ کے درمیان ربط کی وضاحت کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہ جاتی۔

اسلامی تہذیب میں یہ نظریہ بالکل واضح و روشن ہے اس لئے کہ تقویٰ بھی رحمت الہی کا وسیع

دروازہ ہے تقوے کے ذریعہ انسان اللہ سے رزق نازل کر سکتا ہے۔ تقوے سے ہی باران رحمت نازل ہوتی ہے اور مشکلات بر طرف ہوتی ہیں تقوے کے سہارے ہی اللہ کی جانب سے فتح و کامیابی میسر ہوتی ہے۔ اسی کے طفیل بند دروازے کھل جاتے ہیں تقوے کی ہی بدولت خداوند عالم زندگی کے مشکلات میں لوگوں کے لئے آسانیاں فراہم کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقَ اللَّهَ يَجْعَلُ لَهُ مَخْرَجًا وَيُرْزِقُهُ مِنْ حِلَالٍ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ

يَتُوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بِالْعَمَرِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لَكُلَّ شَيْءٍ قُدْرَاتٍ﴾

”اور جو بھی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے اور اسے اپنی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا خیال بھی نہیں ہوتا ہے اور جو خدا پر بھروسہ کر یا خدا اسکے لئے کافی ہے پیش کردا پنے حکم کا پہنچانے والا ہے اس نے ہر شے کے لئے ایک مقدارِ معین کر دی ہے۔“ (۱) جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقَ اللَّهَ يَجْعَلُ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾ (۲)

”اور جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اسکے معاملات میں آسانی پیدا کر دیتا ہے“

پیغمبر اسلام ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿لَوْأَنِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا عَلَىٰ عَبْدٍ ثُمَّ اتَّقِيَ اللَّهَ لِجَعْلِ اللَّهِ لَهُ

مِنْهُمَا فَرْجًا وَمَخْرَجًا﴾ (۳)

”اگر کسی بندے پر زمین و آسمان کے دروازے بالکل بند ہو جائیں پھر وہ تقوےِ الٰہی اختیار کرے تو اللہ اسکو زمین و آسمان میں کشاوگی اور آسانیاں عطا کر دے گا“

(۱) سورہ طلاق آیت ۲۔ ۳۔

(۲) سورہ طلاق آیت ۳۔

(۳) بخاری الانوار ج ۰ یہ ص ۲۸۵۔

روایت کے مطابق جب حضرت ابوذر (رح) ربذه کے لئے جلاوطن کئے گئے تو ان سے
امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے فرمایا:

﴿يَا أَبَا ذِرٍ، إِنَّكَ غُصِبْتَ اللَّهُ فَارِجٌ مِّنْ غُصْبِتِهِ، وَلَوْلَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ
كَانَتَا عَلَىٰ عَبْدِ رَتْقَاهُ ثُمَّ أَتَقْعِدَ اللَّهُ لِجَعْلِ مِنْهُ مَا فِي جَوَامِعِهِ مُخْرَجًا﴾ (۱)

”اے ابوذر تمہاری ناراضگی اور غصب اللہ کے لئے تھا ہذا اسی کی ذات سے لوگا کے
رکھنا۔ اگر زمین و آسمان کے راستے کسی بندہ پر بندہ ہو جائیں اور وہ تقویے الہی اختیار کرے تو اللہ اسکے
لئے زمین و آسمان میں آسانیاں فراہم کر دے گا“

مولائے کائنات حضرت علیؓ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿مَنْ أَخْذَ بِالْتَّقْوَىٰ عَزِيزٌ (غائب) عَنِ الشَّدَادِ بَعْدَ دُنُوْهَا، وَاحْلَوْلَتْ لَهُ الْأَمْوَالُ بَعْدَ
مَوَارِتِهَا، وَانْفَرَجَتْ عَنْهُ الْأَمْوَالُ بَعْدَ تِرَاكِمِهَا، وَأَسْهَلَتْ لَهُ الصُّعَابُ بَعْدَ انْصَابِهَا﴾ (۲)
”جو تقویٰ اختیار کرے گا شدائد و مصائب اس سے نزدیک ہونے کے بعد دور ہو جائیں گی
گئے تھیوں کے بعد حلاؤت محسوس کرے گا۔ اموال بلا اسکے گرد جمع ہونے کے بعد پر اکنہ ہو جائیں گی
مشکلات پڑنے کے بعد آسانیوں میں تبدیل ہو جائیں گی“

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ اعْتَصَمَ بِاللَّهِ بِتَقْوَاهُ عَصَمَهُ اللَّهُ، وَمَنْ أَقْبَلَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَصَمَهُ لَمْ يَبَلِ
لَوْسَقَطَ السَّمَاءُ عَلَىٰ الْأَرْضِ، وَإِنْ نَزَلَتْ نَازِلَةً عَلَىٰ أَهْلِ الْأَرْضِ فَتَشَمَّلُهُمْ بَلِيةٌ، كَانَ
فِي حِرْزِ اللَّهِ بِالْتَّقْوَىٰ مِنْ كُلِّ بَلِيةٍ، أَلِيْسَ اللَّهُ تَعَالَىٰ يَقُولُ: إِنَّ الْمُتَقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ﴾

(۱) نجح البلاغ خطبه ۱۳۔

(۲) نجح البلاغ خطبه ۱۹۸۔

”جو تقویٰ اللہ کی پناہ میں آئے گا اللہ اسے حفظ کر کے گا اور جس کی طرف اللہ کی توجہ ہو جائے اور اللہ اسے حفظ کر کے تو چاہے آسمان، زمین پر گرجائے اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی اگر تمام اہل زمین پر کوئی بلانا نازل ہو تو وہ تقویٰ کے باعث امان خدا میں رہے گا۔ کیا خدا کا یہ قول نہیں ہے:

﴿إِنَّ الْمُتَقِينَ فِي مَقَامِ أَمِينٍ﴾ (۱)

”بیشک متین امن کے مقام پر ہیں“

امام حافظ صادقؑ سے مردی ہے کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ قَدْ ضَمَنَ لِمَنِ اتَّقَاهُ أَن يَحُولَهُ عَمَّا يَكْرَهُ إِلَىٰ مَا يُحِبُّ وَيَرْزُقُهُ مِنْ

حيث لا يحتسب﴾ (۲)

”اللہ نے متقیٰ کی ضمانت لی ہے کہ اسکے ناپسندیدہ امور کو پسندیدہ امور میں تبدیل کر دے گا اور اسے ایسے راستہ سے رزق عطا کرے گا جس کا اسے مگان بھی نہ ہو گا“

امام محمد تقیؑ نے سعد المخیر کو تحریر فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقِنُ بالظَّوَىٰ عَنِ الْعَبْدِ مَا غَرَبَ عَنْهُ عَقْلُهُ، وَيَجْلِي بِالظَّوَىٰ عَمَّا هُوَ وَجْهُهُ، وَبِالظَّوَىٰ تُجْحَى نُوحٌ وَمَنْ مَعَهُ فِي السَّفِينَةِ، وَصَالِحٌ وَمَنْ مَعَهُ مِنْ الصَّاعِقَةِ، وَبِالظَّوَىٰ فَازَ الصَّابِرُونَ وَنَجَّتْ تِلْكَ الْعَصْبُ مِنَ الْمَهَالِكِ﴾ (۳)

”پروردگار عالم، تقویٰ کے ذریعہ اپنے بندہ سے ان چیزوں کو حفظ کرتا ہے جو اسکی عقل سے مخفی تھیں اور تقویٰ کے ذریعہ اسے مکمل بنائی عطا کرتا ہے اور ان چیزوں کو بھی دکھادیتا ہے جو جہالت کے باعث اس سے پوشیدہ تھیں۔ تقویٰ کے باعث ہی نوح اور کشتی میں سوار زان کے ساتھیوں

(۱) بخار الانوار ج ۷ ص ۲۸۵۔

(۲) گذشتہ حوالہ۔

(۳) فروع کافی ج ۸ ص ۵۲۔

نے نجات پائی، صالح" اور ان کے ساتھی آسمانی بجلی سے محفوظ رہے۔ تقویٰ کی بناء پر ہی صبر کرنے والے بلند درجات پر فائز ہوئے اور بلاکت خیز مشکلات سے نجات حاصل کر سکے۔"

خلاصہ کلام یہ کہ جو لوگ اللہ کی مرضی اور احکام کو اپنی خواہشات پر ترجیح دیتے ہیں اور حکم خدا کے سامنے اپنی ضرورتوں، خواہشوں اور ترجیحات کو ہمیت نہیں دیتے ہیں تو خداوند عالم زمین و آسمان کو ان کے رزق کا ضامن بنا دیتا ہے۔ ان کے امور کا خود ذمہ دار ہو جاتا ہے اور انھیں ان کے نفوس کے حوالہ نہیں کرتا اور انکی سمجھی و کوشش میں توفیق و برکت عطا کرتا ہے۔

یہاں پھر سے یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان بالتوں کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تقویٰ کے بعد رزق حاصل کرنے کے لئے سمجھو کر کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حصول رزق کے لئے صرف تقویٰ کو کافی سمجھ لینا اسلامی نظریہ نہیں ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ تقویٰ کے ذریعہ بندہ پر رزق نازل ہوتا ہے اور اس طرح آسمانی کے ساتھ مختصر زحمت سے ہی رزق حاصل ہو جاتا ہے۔

تقویٰ کی بناء پر نجات پانے والے تین لوگوں کا واقعہ

نافع نے این عمر سے نقل کیا کہ سینیگر اسلام ملٹیلائیم نے فرمایا: تین آدمی چلے جا رہے تھے کہ باڑ ہونے لگی تو وہ لوگ پہاڑ کے دامن میں ایک غار میں چلے گئے اتنے میں پہاڑ کی بلندی سے ایک بڑا سا پتھر گرا اور انکی وجہ سے غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ تو ان لوگوں نے آپس میں کہا: اپنے اپنے اعمال صالح پر نظر دوڑا اور انھیں کے واسطے خدا سے دعا کرو شامِ خدا کوئی آسمانی پیدا کرو۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میرے بچے بھی بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔ میں کبیریاں چڑا کر ان کا پیٹ پالتا تھا و اپس آکر کبیریوں کا دودھ نکالتا تو پہلے والدین کے سامنے پیش کرتا اس کے بعد اپنے بچوں کو دیتا۔

اتفاقاً میں ایک دن صبح سوریے گھر سے نکل گیا اور شام تک واپس نہ آیا۔ جب میں واپس پہنچا تو میرے والدین سوچکے تھے میں نے روزانہ کی طرح دودھ نکالا اور دودھ لے کر والدین کے

سرہانے کھڑا ہو گیا مجھے یہ گوارہ نہ ہوا کہ انھیں بیدار کروں اور نہ ہی یہ گوارہ ہوا کہ والدین سے پہلے بچی کو دودھ پیش کروں حالانکہ بچی بھوک کی وجہ سے رو رہی تھی اور میرے قدموں میں بلبارہ تھی مگر میری روشنی میں تبدیلی شا آئی یہاں تک کہ صبح ہو گئی پر دردگار!! اگر تو یہ جانتا ہے کہ یہ عمل میں نے صرف تیری رضاکے لئے انجام دیا ہے تو اسی عمل کے واسطے اتنی گنجائش پیدا کر دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں اللہ نے اتنی گنجائش پیدا کر دی اور ان لوگوں کو آسمان دکھائی دینے لگا۔

دوسرے نے کہا: میرے چچا کی ایک لڑکی تھی میں اس سے ایسی شدید محبت کرتا تھا جیسے کہ مرد عورتوں سے کرتے ہیں میں نے اس سے مطلب برآری کی خواہش کی اس نے سو دینار کی شرط رکھی میں نے کوشش کر کے کسی طرح سو دینار جمع کئے انھیں ساتھ لے کر اسکے پاس پہنچ گیا۔ اور جب شیطانی مطلب پورا کرنے کی غرض سے اس کے نزدیک ہوا تو اس نے کہا ”اے بندہ خدا اللہ سے ڈرو اور ناقص میرالباس مت اتارو“ یہ بات سن کر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ پر دردگار اگر میرا یہ عمل تیرے لئے ہے تو تھوڑی گنجائش اور مرحمت کر دے۔ اللہ نے تھوڑی ہی گنجائش اور عطا کر دی۔

تیرے آدمی نے کہا میں نے ایک شخص کو تھوڑے چاول کی اجرت پر اجیر کیا جب کام مکمل ہو گیا تو اس نے اجرت کا مطالبہ کیا میں نے اجرت پیش کر دی لیکن وہ چھوڑ کر چلا گیا میں اسی سے کاشت کرتا رہا یہاں تک کہ اسکی قیمت سے بیش اور اس کا چچا وہا بخیر یہ دیا۔ ایک دن وہ مزدورو آیا اور مجھے سے کہا: خدا سے ڈرو اور میرا حق مجھے دے دو۔ میں نے کہا جاؤ وہ بتیں اور چچا وہا لے لو اس نے پھر کہا خدا سے ڈرو اور میرا مذاق مت ازا۔ میں نے کہا میں ہر گز مذاق نہیں کر رہا ہوں یہ بتیں اور چچا وہا لے لو۔ چنانچہ وہ لے کر چلا گیا۔ پر دردگار میرا یہ عمل اگر تیرے لئے تھا تو ہمارے لئے بقیہ راستہ کھول دے۔ اللہ نے راستہ کھول دیا۔ (۱)

(۱) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اجلیہ دعاء من بَرَّ والدیْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الدِّينِ مَنْ حَفِظَ الْكِتَابَ وَأَتَوْسَلَ بِصَاحِبِ الْعِلْمِ وَأَتَوْسَلَ بِصَاحِبِ الْأَعْمَالِ مَنْ حَفِظَ الْكِتَابَ وَشَرَحَ النَّوْوِيِّ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَوْيِ الْأَبْنَى الْجُوزِيِّ ص ۲۳۶

۳۔ کففت علیہ ضیعہ

اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں کیونکہ ”کف“ جمع کرنے اور اکٹھا کرنے کے معنی میں بھی ہے اور سہی لفظ منع کرنے اور روکنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لہذا پہلے معنی کے لحاظ سے اس جملہ ”و کففت علیہ ضیعہ“ کے معنی یہ ہوں گے ”میں اس کے درہم برہم امور کو جمع کر دوں گا اس کے سامان و اسباب کا نگہبان، اسکے امور کا ذمہ دار اور اسکی معيشت کا ضامن ہوں“ اہن اثیر اپنی کتاب ”الہمیۃ“ میں ”کف“ کے معنی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ احتمال ہے کہ یہ لفظ ”جمع کرنے“ کے معنی میں ہو جیسے کہ حدیث میں آیا ہے:

﴿المُؤْمِنُ أَخَّ المُؤْمِنِ يَكْفُتُ عَلَيْهِ ضِيَاعَهُ﴾ (۱)

”ایک مومن دوسراے مومن کا بھائی ہے جو اسکے سرمایہ کو اسکے لئے اکٹھا کر کے رکھتا ہے“
اسکے دوسرے معنی منع کرنا، روکنا اور دفع کرنا ہیں جیسے:

﴿كَفَهُ عَنْهُ فَكَفَ، أَى دَفْعَهُ وَصَرْفَهُ وَمَنْعَهُ، فَانْدَفَعَ وَانْصَرَفَ، وَامْتَعَ﴾

اس نے اسکو روکا یعنی اسکا دفاع کیا منع کیا اور واپس پہنچانا تو وہ دفع ہو گیا، بلطف گیا اور کگیا اس معنی کے لحاظ سے مذکورہ حدیث کے معنی یہ ہو گے:

”میں نے اسکی بر بادی کو دفع کر دیا اور اسکی بر بادی اور اسکے درمیان حائل ہو گیا اور اسے ہدایت دیدی اور راستے کے تمام نشانات واضح و روشن کر دیئے“ (۲)

علامہ مجلسی (رح) نے اس فقرہ کی تفسیر میں اپنی کتاب بحار الانوار میں تحریر کیا ہے: کہ اس جملہ میں چند احتمالات پائے جاتے ہیں: ا۔ وہ معنی جو ابن شیر نے نہایہ میں ذکر کئے ہیں یعنی اسکے درہم

(۱) الہمیۃ لابن الاشیرج ص ۹۰۔

(۲) اقرب الموارد ج ۳ ص ۱۰۹۳۔

برہم معاملاتِ معیشت کو سمیت دوں گا اور اسکیں "علیٰ" کے ذریعہ جو تعداد یہ ہے اُسکی بنا پر، برکت اور شفقت وغیرہ کے معنی میں ہے یا "علیٰ" الی کے معنی میں ہے جسکی طرف نہایت میں اشارہ موجود ہے
البتہ اس صورت میں برکت وغیرہ کے معنی مراد نہ ہو گے۔

۲۔ "کف" منع کرنے اور "علیٰ"، "فی" کے معنی میں ہوا اور "ضیعہ" ضائع اور بر باد ہونے کے معنی ہو یعنی اس نے اُسکی جان، مال، محنت اور اسکی تمام متعلقہ چیزوں کو ضائع ہونے سے بچا لیا اسکی تائید اس فقرہ "و کففت عنہ ضیعہ" سے بھی ہوتی ہے جو شیخ صدوق (رج) کی روایت کے ذیل میں آئندہ ذکر ہو گا۔

ہمیں یہ دوسرے معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں جو حدیث کے سیاق کے مطابق اور اس سے مشابہ بھی ہیں خاص طور سے جب ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شیخ صدوق (رج) نے یعنیہ اسی روایت میں "و کففت عنہ ضیعہ" نقل کیا ہے جس میں علیٰ کی جگہ عن سے تھدید آیا ہے اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ کف درفع یا منع کرنے اور پہنانے کے معنی میں ہے جو کہ رفع کے معنی سے مختلف ہیں کیونکہ درفع کے معنی، کسی چیز کے وجود میں آنے سے پہلے اسے روک دینا ہیں اور رفع کے معنی کسی چیز کے وجود میں آجائے کے بعد اسے زائل کر دینا یا اس کا ختم کر دینا ہیں یا دوسرے الفاظ میں یہ سمجھ لیں کہ درفع علاج کی طرح ہوتا ہے اور درفع پیماری آنے سے پہلے اسے روک دینے کی طرح ہے۔ اور کف، درفع کے معنی میں ہے نہ کہ رفع کے معنی میں جسکے مطابق اسکے معنی یہ ہو گے خداوند عالم نے اسکو ضائع نہیں ہونے دیا، یا وہ اسکی بر بادی کے لئے راضی نہ ہوا اور یہ بھی ایک قسم کی بدایت ہے کیونکہ بدایت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ گمراہی کے بعد بدایت

۲۔ گمراہی سے پہلے بدایت

ان دونوں کوہی بدایت کہا جاتا ہے لیکن پہلی والی بدایت اس وقت ہوتی ہے جب انسان

خواہشیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں ۳۲۲

گمراہی اور جزاہی میں مبتلا ہو چکا ہو یہیں دوسری قسم کی ہدایت اسکی گمراہی اور بربادی سے پہلے ہی پوری ہو جاتی ہے اور یہ قسم چھٹی قسم سے زیادہ بہتر ہے۔

حدیث میں (کف ضمیحہ) بربادی سے حفاظت کا ذکر ہے نہ کہ ہدایت کا لام بربادی سے حفاظت، ہدایت کا نتیجہ ہے اس لئے یہ منزل مقصود تک پہنچانے کے معنی میں ہے نہ کہ اس کا مقصد کھانے لہیا وہیانی کے معنی میں۔

ہدایت کے معنی

لفظ ہدایت و معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ہدایت کے ایک معنی منزل مقصود تک پہنچانا ہیں اور دوسرے معنی راستہ بتانا، راہنمائی کرنا ہیں جیسا کہ خداوند عالم کے اس قول:

﴿إِنَّكُمْ لَا تَهْدِي مِنْ أَحْبَبْتُ وَلَكُنَ اللَّهُ يَهْدِي مِنْ يَشَاءُ﴾ (۱)

”بِغَيْرِ بَيْشَكَ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیدیتا ہے“ میں یہ لفظ پہلے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ طے شدہ بات ہے کہ یہاں جس ہدایت کی نقشی کی جا رہی ہے وہ منزل مقصود تک پہنچانے کے معنی میں ہے کہ یہ چیز صرف پروردگار عالم سے مخصوص ہے ورنہ راستہ دکھانا را نہمی کرنا تو پیغمبر اسلام کا فریضہ اور آپ کی اہم ترین ذمہ داری ہے اس معنی میں پیغمبر اکرم ﷺ کے لئے ہدایت کا انکار کر کے اسے صرف پروردگار سے مخصوص کر دینا ممکن نہیں ہے کیونکہ خداوند عالم پیغمبر کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿وَإِنَّكُمْ لَا تَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (۲)

”اور بیشک آپ لوگوں کو سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں“ اسی معنی میں قرآن کریم میں مومن آل فرعون کا یہ جملہ ہے:

(۱) سورہ ہقص آیت ۵۶۔

(۲) سورہ شوری آیت ۵۲۔

(بِيَا قَوْمٍ اتَّبَعُونَ أَهْدِكُمْ سَبِيلَ الرُّشادِ) (۱)

"اے قوم والو: میرا اتباع کرو، میں تھیں ہدایت کاراست دکھا دوں گا"

یہاں پر بھی ہدایت، رہنمائی اور راستہ دکھانے کے معنی میں ہے نہ کہ منزل مقصود تک پہنچانے کے معنی میں ۔۔۔ اس حدیث شریف میں بھی ہدایت کے پہلے معنی (منزل تک پہنچانا) ہی زیادہ مناسب ہیں اس لئے کہ دوسرے معنی کالازمہ نہیں ہے کہ انسان ضائع نہ ہو بلکہ ایصال الی المطلوب ہی انسان کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے اور انسان کو قطعی طور پر اللہ تک پہنچانے کا ضامن ہے سیاق و سبق سے بھی یہی معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ گفتگو ان لوگوں پر خصوصی فضل الہی کی ہے کہ جو اپنے خواہشات پر اللہ کی مرضی کو مقدم کرتے ہیں لہذا فضل و عنایت کا خصوصی تقاضا یہ ہے کہ انھیں منزل مقصود تک پہنچایا جائے ورنہ رہنمائی اور راستہ دکھانا تو خدا کی عام عنایت و رحمت ہے جو صرف مومنین سے یا ان لوگوں سے مخصوص نہیں ہے کہ جو اللہ کی مرضی کو مقدم کرتے ہوں بلکہ یہ عنایت تو ان لوگوں کے شامل حال بھی ہے کہ جو اپنی خواہشات کو اللہ کی مرضی پر مقدم کرتے ہیں ۔

اللہ بندہ کو بر بادی اور ضائع ہونے سے کیسے بچاتا ہے؟

درحقیقت یہ کام بصیرت کے ذریعہ ہوتا ہے۔ بصیرت کے اعلیٰ درجات پر فائز انسان قطعی طور پر ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔

لہذا جب خداوند عالم کسی بندہ کیلئے خیر کا ارادہ کرتا ہے اور اسے بر بادی سے بچانا چاہتا ہے تو اسے بصیرت مرحمت کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ نجات پا جاتا ہے اور خدا تک اس کی رسائی قطعی ہو جاتی ہے یہ بصیرت اس منطقی دلیل و برہان سے الگ ہے کہ جس کے ذریعہ بھی انسان خدا تک پہنچتا

ہے اور اسلام اس کا بھی مکن نہیں ہے بلکہ اسے اپنانے اور اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے وہ اسے ہر شخص کے دل کی گہرائیوں میں اتنا چاہتا ہے اس لئے کہ انہوں کی بہت بڑی تعداد عقل و منطق کے سہارے ہی خدا تک پہنچتی ہے۔

بصیرت کا مطلب حق کا مکمل طریقہ سے واضح دکھائی دینا ہے۔ ایسی روایت منطقی استدلال کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے اور صفائی نفس اور پاکیزگی قلب کے ذریعہ بھی حاصل ہو سکتی ہے یعنی انسان کسی ایک راستے سے اس بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے یا عقلی اور منطقی ولائل کے ذریعہ یا پاکیزگی نفس کے راستے۔

اسلام ان میں سے کسی ایک کو کافی قرار نہیں دیتا بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے انسان کے اوپر دونوں کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ یعنی عقلی روشن کو اپنا بھی ضروری ہے اور نفس کو پاکیزہ بنا بھی۔ اس آیہ شریفہ میں قرآن مجید نے دونوں باتوں کی طرف ایک ساتھ اشارہ کیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأَمَمِينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتٍ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يَعْلَمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ لَفْيِ ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (۱)

”اس خدائے کہ داولوں میں ایک رسول بھیجا جو انہیں میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی خلاصت کرے، ان کے نفوس کو پاک کرے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔“

تزکیہ کا مطلب صفائی قلب اور پاکیزگی نفس ہے جس سے معرفت الہی کے بے شمار دروازے کھلتے ہیں۔

معرفت کا دوسرا باب (تعلیم) ہے بہر حال بصیرت چاہے عقل و منطق کا شرہ ہو یا تزکیہ و تہذیب نفس کا یہ طے ہے کہ حیات انسانی میں بصیرت کا سرچشمہ پروردگار عالم ہی ہے اسکے علاوہ کسی اور جگہ سے بصیرت کا حصول ممکن نہیں ہے اور اس تک رسائی کا دروازہ عقل و تزکیہ نفس ہے۔

بصیرت اور عمل

ایک بار پھر اس بات کی وضاحت کر دیں کہ اسلام بصیرت کیلئے "علم" اور تزکیہ یا "عقل اور صفائی قلب" دونوں کو تسلیم کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ ان میں سے ایک، دوسرے سے بے نیاز نہیں کر سکتا لیکن یہ بھی طے ہے کہ حصول بصیرت کیلئے تزکیہ زیادہ اہم اور موثر ہے اسی لئے قرآن کریم نے آیہ بیعت میں تزکیہ کو علم پر مقدم رکھا ہے:

(بِيَزِّ كَيْهِمْ وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ) (۱)

"ان کے نفوس کو پاک کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے"

مناسب ہو گا کہ چند لمحے ٹھہر کر ہم خود (تزکیہ) کے بارے میں بھی غور کریں اور دیکھیں کہ تزکیہ نفس کیسے ہوتا ہے؟

رہبانیت کے قال مذاہب میں تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کی جائے اور حیات دنیوی سے فرار اختیار کیا جائے اس طرح تزکیہ کا خواہشمند انسان جب اپنی ہوئی وہوں اور خواہشات نفسانی اور فتنوں سے پرہیز کرے گا تو اس کا نفس پا کیزہ ہو جائے گا لیکن اسلامی طریقہ تربیت میں صورتحال اس کے بالکل بر عکس ہے۔ اسلام تزکیہ کے خواہشمند کسی بھی مسلمان کو ہرگز یہ نصیحت نہیں کرتا کہ فتنوں سے فرار کرے خواہشات اور ہوئی وہوں کو کچل دے بلکہ اسلام فرار کے بجائے فتنوں سے مقابلہ اور خواہشات کو کچل کر ختم کرنے کے بجائے انھیں حد انتہا میں رکھنے کی دعوت دیتا ہے۔

اسلام کا طریقہ تربیت، عمل کو تزکیہ کی بنیاد قرار دیتا ہے نہ کہ گوشہ نشینی، رہبانیت اور محرومی کو اور یہی عمل بصیرت میں تبدیل ہو جاتا ہے جس طرح بصیرت عمل میں ظاہر ہوتی ہے لہذا

(۱) سورہ جمعاء ۲

دیکھنا یہ ہو گا کہ عمل کیا ہے؟ بصیرت کے کہتے ہیں؟ اور ان دونوں میں کیا رابطہ ہے؟

بصیرت اور عمل کا رابطہ

بصیرت کے بارے میں اجتماعی طور پر گفتگو ہو چکی ہے۔۔۔ یہاں عمل سے مراد ہر وہ سعی و کوشش ہے جس کو انسان رضاۓ الہی کی خاطر انجام دیتا ہے اس کے درجہ ہوتے ہیں ایک ثبت، یعنی اوامرِ خدا کی اطاعت اور دوسرا سلیٰ یعنی اپنے نفس کو حرام کاموں سے حفاظ رکھنا۔ اس طرح عمل سے مراد یہ ہے کہ خوبصورتی پروردگار کی خاطر کوئی کام کرے چاہے کسی کام کو بجا لایا جائے اور چاہے کسی کام سے پر ہیز کیا جائے۔ بصیرت اور عمل کے درمیان دو طرفہ رابطہ ہے۔ بصیرت عمل کا سبب ہوتی ہے اور عمل، بصیرت کا۔۔۔ اور دونوں کے آپسی اور طرفینی رابطے سے خود بخوبی بصیرت اور عمل میں اضافہ ہوتا رہتا ہے عمل صالح سے بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے اور بصیرت میں زیادتی عمل صالح میں اضافہ کا سبب بنتی ہے اس طرح انہیں سے ہر ایک دوسرے کے اضافہ کا موجب ہوتا ہے یہاں تک کہ انسان انھیں کے سہارے بصیرت و عمل کی چوٹی پر پہنچ جاتا ہے۔

ا۔ عمل صالح کا سرچشمہ بصیرت

بصیرت کا شرہ عمل صالح ہے۔ اگر دل و جان کی گہرائیوں میں بصیرت ہے تو وہ لامحالہ عمل صالح پر آمادہ کرے گی بصیرت کبھی عمل سے جدا نہیں ہو سکتی ہے روایات اس چیز کو صراحةً سے بیان کرتی ہیں کہ انسان کے عمل میں نفس اور کوتاہی دراصل اس کی بصیرت میں نفس اور کوتاہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے جریل امین سے نقل فرمایا ہے:

﴿الْمُوقَنْ يَعْمَلُ اللَّهُ كَأَنَّهُ يَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ يَرَى اللَّهُ فَإِنَّ اللَّهَ يَرَاهُ﴾ (۱)
 ”درجہ یقین پر فائز انسان اللہ کیلئے اس طرح عمل انجام دیتا ہے جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے
 اگر وہ اللہ کو نہیں دیکھ رہا ہے تو کم از کم اللہ تو اس کو دیکھ رہا ہے“
 مولائے کائنات سے منقول ہے:

﴿يَسْتَدِلُّ عَلَى الْيَقِينِ بِقَصْرِ الْأَمْلِ، وَالْخَلَاصِ الْعَمَلِ، وَالْزَهْدِ فِي الدُّنْيَا﴾ (۲)
 ”آرزوں کی قلت، اخلاص عمل اور زہد، یقین کی دلیلیں ہیں“
 آپؐ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿الْقَوْيُ ثُمَرَةُ الدِّينِ، وَأَمَارَةُ الْيَقِينِ﴾ (۳)

”تقویٰ دین کا شمرہ اور یقین کا سردار ہے“

نیز آپ سے مردی ہے:

﴿مَنْ يَسْتَيقِنْ، يَعْمَلُ جَاهِدًا﴾ (۴)

”صاحب یقین بھر پور جدوجہد کے ساتھ عمل انجام دیتا“

امام حفظ صادقؑ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الْعَمَلَ الدَّائِمَ الْقَلِيلَ عَلَى الْيَقِينِ، أَفْضَلُ عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الْعَمَلِ الْكَثِيرِ عَلَىِ

غیر یقین﴾ (۵)

(۱) بحارات الانوار ج ۷ ص ۲۱۔

(۲) غر راحم ج ۲ ص ۲۶۔

(۳) غر راحم ج ۱ ص ۸۵۔

(۴) غر راحم ج ۲ ص ۱۶۶۔

(۵) اصول کافی ج ۲ ص ۵۷۔

خواہشیں! احادیث اہلیت کی روشنی میں

”یقین کے ساتھ مسلسل تھوڑا عمل کرنا اللہ کے نزدیک یقین کے بغیر بہت زیادہ عمل سے

افضل ہے“

آپ ہی کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿لاَعْمَلُ الْأَبْيَقِينَ، وَلَا يَقِينُ الْأَبْخَشُوعَ﴾ (۱)

”یقین کے بغیر عمل اور خشوع کے بغیر یقین بے فائدہ ہے“

آپ نے ارشاد فرمایا:

﴿الْعَالَمُ عَلَىٰ غَيْرِ بَصِيرَةٍ كَالسَّائِرُ عَلَىٰ سَرَابٍ بِقِيَةٍ لَا يَزِيدُهُ سَرْعَةُ السَّيْرِ

الابعد﴾ (۲)

”بصیرت کے بغیر عمل انجام دینے والا ایسا ہے جیسے سراب کے پیچے دوڑنے والا کہ اسکی

تیزی اسے منزل سے دور ہی کرتی جاتی ہے“

صادق آل محمد کا ہی یہ بھی فرمان ہے:

﴿إِنَّكُمْ لَا تَكُونُونَ صَالِحِينَ حَتَّىٰ تَعْرِفُوا، وَلَا تَعْرِفُونَ حَتَّىٰ تَصْدِقُوا

وَلَا تَصْدِقُونَ حَتَّىٰ تَسْلِمُوا﴾ (۳)

”تم اس وقت تک صالح نہیں ہو سکتے جب تک معرفت حاصل نہ کرو اور یقین کے بغیر معرفت

اور تسلیم کے بغیر تقدیق حاصل نہ ہوگی“، یعنی تقدیق معرفت اور معرفت، عمل صالح کا ذریعہ ہے

امام جعفر صادق سے مردی ہے:

﴿لَا يَقْبِلُ عَمَلُ الْأَبْمَعْرَفَةِ، وَلَا مَعْرِفَةُ الْأَبْعَمَلِ، فَمَنْ عَرَفَ دَلْتَهُ الْمَعْرِفَةَ عَلَىٰ

(۱) تحقیق الحقول ج ۳۳۳۔

(۲) وسائل الشیعہ ج ۱۸ ص ۱۲۲ ح ۳۶۷۔

(۳) بحار الانوار ج ۴۹ ص ۱۵۔

(۱) العمل

”معرفت کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں ہے اور عمل کے بغیر معرفت بھی نہیں ہو سکتی جب معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو معرفت خود عمل پر ابھارتی ہے“
امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے:

﴿لَا يَقْبِلُ عَمَلُ الْأَبْمَعْرَفَةِ، وَلَا مَعْرَفَةُ الْأَبْعَدَمْلِ، وَمَنْ عَرَفَ دَلْلَهُ مَعْرَفَتَهُ
عَلَى الْعَمَلِ، وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْ فَلَا عَمَلَ لَهُ﴾ (۲)

”معرفت کے بغیر عمل قبول نہیں ہوتا اور عمل کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوتی جب معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ خود انسان کو ہوتے عمل دیتی ہے جس کے پاس معرفت نہیں ہے اس کے پاس عمل بھی نہیں ہے“

۲۔ بصیرت کی بنیاد عمل صالح

ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ عمل صالح کی بنیاد بصیرت ہے اسی کے بالمقابل بصیرت کا سرچشمہ عمل صالح ہے۔ دو طرفہ تبادل رابطوں کے ایسے نمونے آپ کو اسلامی علوم میں اکثر مقامات پر نظر آئیں گے۔

قرآن کریم عمل صالح اور بصیرت کے اس تبادل اور دو طرفہ رابطہ کا شدت سے قائل ہے اور بیان کرتا ہے کہ بصیرت سے عمل اور عمل صالح سے بصیرت حاصل ہوتی ہے اور عمل صالح کے ذریعہ ہی انسان خداوند عالم کی جانب سے بصیرت کا حقدار قرار پاتا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيْنَاهُمْ سُبُّلَنَا وَانَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (۳)

(۱) اصول کافی ج ۱ ص ۳۳۳۔

(۲) تحفۃ العقول ص ۲۱۵۔

(۳) سورہ عکبوت ۲۹۔

”اور جن لوگوں نے ہمارے حق میں جہاد کیا ہے انہیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے اور یقیناً اللہ حسن عمل والوں کے ساتھ ہے“

آیت واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ جہاد (جو خود عمل صالح کا بہترین مصدق ہے) کے ذریعہ انسان ہدایت الہی کو قبول کرنے اور حاصل کرنے کے لائق ہوتا ہے۔

(لله یعنیہم سبلنہ) (۱)

”ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے“

حدیث قدسی میں پیغمبر اکرم ﷺ سے مردی ہے:

﴿لَا يَزَالُ عَبْدٌ يَتَفَلَّ لِي حَتَّىٰ أُحِبَّهُ، فَإِذَا أُحِبْتَهُ كُنْتَ سَمْعَهُ الذِّي بِهِ

يسمع، وبصره الذي يبصر به، ويده التي بها يبطش﴾ (۲)

”میرا بندہ مجھ سے نزدیک ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کام بن جاتا ہوں جن کے ذریعہ وہ سنتا ہے اسکی

(۱) خداوند عالم ہمارے شیخ جلیل مجاہد راہ خدا شیخ عباس علی اسلامی پر رحمت نازل کرے میں ان سے اکثر یہ سن کرتا تھا: کہ انسان کو ہر حرکت کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کا بدل ممکن نہیں ہے ایک تو وہ اس چیز کاحتاج ہوتا ہے جو حرکت کی مدد کرے اور حرکت کی تکان کو ہلاک کرے اور اسے ایسی طاقت و قوت عطا کرے جس سے وہ اپنی حرکت کو جاری رکھ سکے اور دوسرے اس چیز کاحتاج ہوتا ہے جو اسے سمجھ راست کی رہنمائی کرتی رہے تاکہ وہ راستے سے بیکلنے نہ پائے یعنی اسے ایسی قوت و طاقت کی ضرورت ہوتی ہے جو ہدایت اور بصیرت کے مطابق اس کی حرکت کا راستہ سمجھیں کرے تاکہ وہ صراط مستقیم پر چلا رہے اور انہیں دونوں چیزوں کا وعدہ ہم سے پروردگار عالم نے سورہ عکبوت کی آخری آیت میں فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِي سَبَلِ اللَّهِ لِمَعِ الْمُحْسِنِينَ﴾ پس جو لوگ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں پروردگار عالم ان کو پہلے تو پشت پناہی اور قوت و طاقت عطا کرتا ہے اور یہی خدا کی معیت ہے ”أَنَّ اللَّهَ لِمَعِ الْمُحْسِنِينَ“ اور دوسرے ان کو بصیرت و ہدایت عطا کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے (لله یعنیہم سبلنہ)۔

آنکھیں بن جاتا ہوں جنکے ذریعہ وہ دیکھتا ہے اسی کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن کے ذریعہ وہ چیزوں کو چھوٹا ہے۔“

یہ بہت ہی مشہور و معروف حدیث ہے تمام محدثوں، معتبر راویوں اور مشائخ حدیث نے اس حدیث قدسی کو نقل کیا ہے نقل مختلف ہے مگر الفاظ تقریباً ملتے جلتے ہیں اور روایت صحیح ہے اور وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ عبادات، معرفت و یقین کا دروازہ ہے اور بندہ قرب الہی کی منزلیں طے کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ اسے بصیرت عطا کر دیتا ہے پھر وہ اللہ کے ذریعہ مستتا ہے دیکھتا ہے اور اور اک حاصل کرتا ہے ۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ جو اللہ کے ذریعہ یہ کام انجام دے گا تو اُسکی ساعت بصارت اور معرفت میں خطا کا کوئی امکان نہیں ہے۔

دوسرا رخ

عمل اور بصیرت کے درمیان دو طرفہ رابطہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کس طرح بصیرت سے عمل اور عمل سے بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے اسی کے ساتھ ساتھ اس رابطہ کا دوسرا رخ بھی ہے جس کے مطابق برے اعمال اور کروار کی خرابی بصیرت میں کمی، اندھے اور بہرے پن کا سبب ہوتے ہیں اس کے برعکس یہ چیزیں بے عملی اور گناہ و فساد کا باعث ہوتی ہیں۔

گذشتہ صفحات میں ہم نے روایات کی روشنی میں عمل اور بصیرت کے درمیان ثابت رابطہ کی وضاحت کی تھی اسی طرح اس رابطہ کے دوسرے رخ کو بھی احادیث کی روشنی میں ہی پیش کر رہے ہیں۔

بے عملی سے خاتمه بصیرت

اسلامی روایات سے یہ صاف واضح ہو جاتا ہے کہ برے اعمال سے بصیرت ختم ہوتی رہتی ہے قرآن کریم نے بھی متعدد مقامات پر اس حقیقت کا اظہار و اعلان کیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَفْرَأَيْتَ مِنْ أَنْخَذَ الْهُدَى، هُوَ أَهْوَ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ

سمعه و قلبه و جعل علی بصره غشاوۃ فمن یهدیه من بعد الله ﷺ (۱)

”کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے اپنی خواہش ہی کو خدا بنا لیا اور خدا نے اسی حالت کو دیکھ کر اسے گراہی میں چھوڑ دیا اور اسکے کان اور دل پر مہر لگادی ہے اور اسکی آنکھ پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور خدا کے بعد کون ہدایت کر سکتا ہے“

جن لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کی عبادت کر کے شرک اختیار کیا اللہ ان سے بصیرت سلب کر لیتا ہے اور ان کے کافروں اور دلوں پر مہر لگادیتا ہے آنکھوں پر پردے ڈال دیتا ہے اور طے ہے کہ جب اللہ کسی بندہ سے بصیرت سلب کر لے تو پھر اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اسی کو قرآن مجید ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿کذلک یُضْلِلُ اللَّهُ الْكَافِرُونَ﴾ (۲)

”اللہ اسی طرح کافروں کو گراہی میں چھوڑ دیتا ہے“ یہ جملہ دراصل گز شتر تفصیل کا اجمالی بیان ہے

﴿کذلک یُضْلِلُ اللَّهُ مِنْ هُوَ مُسْرِفٌ مِّنْ رَاتِبٍ﴾ (۳)

”اسی طرح خدا زیادتی کرنے والے اور بھی مزاج انسانوں کو اگلی گراہی میں چھوڑ دیتا ہے“
اس لئے کہ اسراف گراہی کی طرف لے جاتا ہے
اسی طرح ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا يُضْلِلُ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقُونَ﴾ (۴)

”اور گراہی صرف انکا حصہ ہے جو فاسق ہیں“

(۱) سورہ جاثیہ آیت ۲۳۔

(۲) سورہ غافر آیت ۲۷۔

(۳) سورہ غافر آیت ۳۲۔

(۴) سورہ بقرہ آیت ۲۶۔

اُسکی پونچی کو محفوظ رکھوں گا.....

۳۵۵

یا: ﴿ وَيُصْلِلُ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ﴾ (۱)

”اللَّهُ ظَالِمُونَ کو مگر ابھی میں چھوڑ دیتا ہے“

اس کا مطلب یہ ہے کہ فسق اور ظلم، مگر ابھی کی طرف لے جاتے ہیں۔

خداؤند عالم کا ارشاد ہے:

﴿ كَلَا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴾ (۲)

”نبیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زیگ لگ گیا ہے“

انسان جب گناہوں اور معصیتوں کا مرٹکب ہوتا ہے تو اس کے یہی اعمال ایک ٹیک کی شکل میں جمع ہو کر اس کے قلب کے سامنے رکاوٹ بن جاتے ہیں اور پھر خدا اور حق اسے نظر نہیں آتے۔

خداؤند عالم کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي النَّفُوسَ الظَّالِمِينَ ﴾ (۳)

”اللَّهُ ظَالِمُوں کی ہدایت نہیں کرتا“

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴾ (۴)

”اللَّهُ کافروں کی ہدایت نہیں کرتا“

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴾ (۵)

”یقیناً اللَّهُ بدکار لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا“

(۱) سورہ ابراہیم آیت ۲۷۔

(۲) سورہ مطہرین آیت ۱۲۔

(۳) سورہ قصص آیت ۵۰۔

(۴) سورہ مائدہ آیت ۶۷۔

(۵) سورہ منافقون آیت ۶۔

(۱) ﴿لَا يَهْدِي مَن هُوَ مُسْرِفٌ كَذَابٌ﴾

”بیٹک اللہ کسی زیادتی کرنے والے اور جھوٹے کی ہدایت نہیں کرتا“

(۲) ﴿لَا يَهْدِي مَن هُوَ كاذبٌ كُفَّارٌ﴾

”اللہ کسی بھی جھوٹے اور ناشکری کرنے والے کی ہدایت نہیں کرتا“

پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

(۳) ﴿لَوْلَا تَكْثُرَ فِي الْكَلَامِ، وَتَمْزِيجَ فِي قَلوبِكُمْ، لَرَأَيْتُمْ مَا أُرِيَ وَسَمِعْتُمْ مَا أُسْمِعُ﴾

”اگر تمہارے کلام میں کثرت نہ ہوتی اور قلوب آلوہ نہ ہوتے تو تم بھی وہی دیکھتے جو میں

دیکھتا ہوں اور وہی سنتے جو میں سنتا ہوں“

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

(۴) ﴿كَيْفَ يَسْتَطِعُ الْهَدَى مَن يَغْلِبَ الْهَوَى﴾

”جس پر ہوئی وہوس غالب ہو وہ کیسے ہدایت پاسکتا ہے؟“

آپؐ کا ہدایت ارشاد ہے:

(۵) ﴿إِنَّكُمْ إِنْ أَمْرُتُمُ عَلَيْكُمُ الْهَوَى أَصْنَمُكُمْ وَأَعْمَاكُمْ وَأَرْدَاكُمْ﴾

”اگر تم نے اپنے اوپر ہوئی وہوس کو غالب کر لیا تو وہ تمہیں بہرا، انہا اور پست بنادیں گی“

اس سے معلوم ہوا کہ مسلسل باطل اور فضول باتیں کرنا اور لوں میں حق و باطل کا گذرنہ ہوتا یہ

(۱) سورہ غافر آیت ۲۸۔

(۲) سورہ زمر آیت ۳۔

(۳) امیر ان ح ۵ ص ۲۹۲۔

(۴) غر راحم ح ۲ ص ۹۳۔

(۵) غر راحم ح ۱ ص ۲۶۳۔

اُسکی پنجی کو محفوظ رکھوں گا.....

۳۵۷

آنکھوں کو انداز اور کانوں کو بہرا بنا دیتا ہے۔

امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

﴿مامن عبد الا وفى قلبه نكتة بيضاء، فإذا أذنب خرج فى تلك النكتة، نكتة سوداء، فإذا تاب ذهب ذلك السواد، وإن تمادى فى الذنوب زاد ذلك السواد حتى يغطى البياض، فإذا غطى البياض لم يرجع صاحبه إلى خير أبداً، وهو قول الله عزوجل: ﴿بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون﴾﴾ (۱)

”ہر انسان کے دل میں ایک سفیدی ہوتی ہے انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس سفیدی میں ایک سیاہ نقطہ نمودار ہو جاتا ہے اگر گناہ کار توبہ کر لیتا ہے تو وہ سیاہی زائل ہو جاتی ہے لیکن اگر گناہوں کا سلسلہ جاری رہے تو سیاہی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ سیاہی دل کی سفیدی کو ڈھانپ لیتی ہے اور جب سفیدی پوشیدہ ہو جاتی ہے تو ایسا انسان کبھی خیر کی جانب نہیں پلٹ سکتا۔ یہی خداوند عالم کے قول ﴿بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون﴾ ”نہیں نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ لگ گیا ہے“ کے معنی ہیں“

یہی سیاہی جب قلب پر چھا جاتی ہے تو اسکے لئے حجاب بن جاتی ہے جس کے نتیجہ میں انسان سے بصیرت سلب ہو جاتی ہے بـ الفاظ دیگر انسان جب گناہوں کا مرکب ہوتا ہے تو بصیرت ختم ہو جاتی ہے۔

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے:

﴿ماشىء أفسد للقلب من الخطىء، إن القلب لي الواقع الخطىء فماتزال به حتى تغلب عليه فيصير أسفله أعلاه، وأعلاه أسفله، قال رسول الله (ص)﴾ (۲)

(۱) نور العقليين ج ۵ ص ۵۳۱۔

(۲) گز شرح الـ

خواہیں! احادیث الہمیت کی روشنی میں

”خطا سے بڑھ کر قلب کو فاسد کرنے والی کوئی شے نہیں ہے، پیشک جب دل میں کوئی برائی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اسی میں باقی رہ کر اس پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے تو اس کا نچال حصہ اور اور پری حصہ یقینے ہو جاتا ہے“
رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نَكْتَةً سُوداءً فِي قَلْبِهِ، فَإِذَا تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صَقَلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ ازْدَادَ زَادَتْ فَذْلَكَ الرِّينَ الَّذِي ذُكِرَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ﴾ (کلابل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون) (۱)
”مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے اگر تو یہ واستغفار کر لے تو اس کا قلب صیقل ہو جاتا ہے لیکن اگر گناہوں میں زیادتی ہوتی رہے تو یہی (رین) یعنی زنگ بن جاتا ہے جسے خدا نے آیت ﴿كَلَابِلَ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ﴾ میں فرمایا ہے“
امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَطْعَتْهُو أَكَ اصْمَكَ وَأَعْمَكَ﴾ (۲)

”اگر تم ہوئی وہوں کی اطاعت کر دے تو وہ تمہیں بہرہ اور انعامات دے گی“

فقدان بصیرت برے اعمال کا سبب

جس طرح برائیوں اور گناہوں سے گراہی پیدا ہوتی ہے اسی کے برعکس ضلالات و گمراہی بھی گناہ اور بد عملی کا سبب ہوتی ہے اور اس طرح جہالت و ضلالات اور فقدان بصیرت کے باعث شقاوتوں و بدجنتی ظلم و اسراف جیسے برے اعمال وجود میں آتے ہیں۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿قَالَوَا رَبَّنَا غَلْبَتْ عَلَيْنَا شَقَوْتَنَا وَكَنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ﴾ (۳)

(۱) نور الشلیلین ج ۵ ص ۵۳۶۔

(۲) غر راجحہ۔

(۳) سورہ مومنون آیت ۱۰۶۔

”وہ لوگ کہیں گے کہ پروردگار ہم پر بدختی غائب آگئی تھی اور ہم لوگ گمراہ ہو گئے تھے۔“

امیر المؤمن حضرت علیؓ نے فرمایا:

﴿لا وَرْعَ مَعَ غَيْرِ﴾ (۱)

”گمراہی کے بعد کوئی پارسائی نہیں رہتی۔“

مولائے کائنات نے، معاویہ بن ابی سفیان کو اپنے خط میں تحریر فرمایا ہے:

﴿أَمْرِيَ لِيَسْ لَهُ بَصَرٌ يَهْدِيهِ، وَلَا قَانِدٌ يَرْشِدُهُ، قَدْ دُعَاهُ الْهُوَىٰ

فَأَجَابَهُ، وَقَادَهُ الضَّلَالُ فَاتَّبَعَهُ، فَهُجُرَ لاغْطَا، وَضُلَّ خَابِطًا﴾ (۲)

”(محبے تیرا جو خط ملا ہے) یہ ایک ایسے شخص کا خط ہے جس کے پاس نہ ہدایت دینے والی بصارت ہے اور نہ راستہ بتانے والی قیادت۔ اسے خواہشات نے پکارتہ اس نے لمیک کہدی اور گمراہی نے کھینچا تو اسکے پیچھے چل پڑا اور اسکے نتیجہ میں اول فول بکٹنے لگا اور راستہ بھول کر گمراہ ہو گیا۔“
آپؐ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

﴿مَنْ زَاغَ سَاءَتْ عَنْهُ الدُّحْسَنَةُ، وَحَسِنَتْ عَنْهُ الدُّنْيَا، وَسَكَرَ سَكْرَ الْضَّلَالِ﴾ (۳)

”جو کوئی میں بتتا ہوا، اسے نیکی برائی اور برائی نیکی نظر آنے لگتی ہے اور وہ گمراہی کے نشی میں

چور ہو جاتا ہے۔“

الہذا معلوم ہوا کہ بصیرت اور عمل میں دو طرفہ مستحکم رابطہ ہے یہ رابطہ ثابت انداز میں بھی

(۱) غر راحم ج ۲ ص ۳۳۵۔

(۲) فتح البلاعہ مکتبہ۔

(۳) فتح البلاعہ حکمت۔

- ہے اور منفی صورت میں بھی۔ جسے اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔
- ۱۔ بصیرت، عمل صالح کی طرف لے جاتی ہے۔
 - ۲۔ عمل صالح، بصیرت وہدایت کا سبب ہوتا ہے۔
 - ۳۔ ضلالت اور فقدان بصیرت، ظلم و جور جیسے دیگر برے اعمال اور گناہوں کا سبب ہوتی ہے۔
 - ۴۔ برے اعمال اور ظلم و جور سے بصیرت ختم ہو جاتی ہے۔

خلاصہ کلام

حدیث شریف کے فقرہ ”کفت علیه ضیعته“ کے بارے میں جو گفتگو ہوئی اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان جب خواہشات نفس کی مخالفت کر کے اپنے خواہشات کو ارادہ الہی کا تابع بنادیتا ہے اور مالک کی مرضی کا خواہاں ہوتا ہے تو خدا اسے نور ہدایت اور بصیرت عنایت فرمادیتا ہے اور تاریک راستوں میں اسکا ہاتھ تھام لیتا ہے۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

(﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ ۖ إِنَّمَا يُؤْتُكُمُ الْكُفَّارُ مِنْ رَحْمَتِهِ مَا يَرَوْنَ ۚ وَلَا يُؤْتُكُمْ نُورًا أَتَمْشُونَ بِهِ﴾) (۱)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور رسول پر واقعی ایمان لے آؤ تاکہ خدا تمہیں اپنی رحمت کے دریزے حصے عطا کر دے اور تمہارے لئے ایسا نور قرار دیدے جس کی روشنی میں چل سکو،“ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

(﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلُ لَكُمْ فَرْقَانًا﴾) (۲)

(۱) سورہ حمید آیت ۲۸۔

(۲) سورہ انفال آیت ۲۹۔

اسکی پونچی کو حفظ کھوں گا.....

۳۶۱

”ایمان والو! اگر تم تقوے الہی اختیار کرو گے تو وہ تمہیں حق دبائل میں فرق کرنے کی صلاحیت عطا کرے گا“

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيَعْلَمُكُمُ اللَّهُ﴾ (۱)

”اور اللہ سے ذروتا کہ اللہ تمہیں علم عطا کرے“

حضرت علی ” سے مردی ہے:

﴿هُدًىٰ مِنْ أَشْعَرِ قُلُوبَ التَّقْوَىٰ﴾ (۲)

”وہ بُداشت یافتہ ہے جس نے تقویٰ کو اپنے دل کا شعار بنالیا“

﴿هُدًىٰ مِنْ تَجْلِبِ جَلِيلَ الدِّينِ﴾ (۳)

”وہ بُداشت یافتہ ہے جس نے دین کا لباس اوڑھالیا“

﴿مِنْ غَرَسِ أَشْجَارِ النَّفْقَىٰ، جَنِي ثَمَارِ الْهَدَىٰ﴾ (۴)

”جس نے تقویٰ کے درخت بونے وہ بُداشت کے پھل کھائے گا“

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

محمد مہدی آصفی

اذی القعدہ ۱۴۱۲ق

(۱) سورہ بقرہ آیت ۲۸۲۔

(۲) غرائب حکم ج ۲ ص ۳۱۱۔

(۳) گزشتہ حوالہ۔

(۴) غرائب حکم ج ۲ ص ۲۲۵۔

خواہشیں!

احادیث اہل بیتؐ کی روشنی میں

کاظمینی احمد بن حنبل

حیران احمد بن حنبل

معجم اہل بیتؐ



جمع جهانی اہل بیتؐ

www.ahl-ul-bayt.org

ISBN 964-529-067-8



9 789645 290670